ماہنامہ

مؤسس حضرت علامہ سید محمد اشرف [illegible] علیہ الرحمۃ

اَلمِصباح

(علمی، فکری و اصلاحی مجلہ)

جلد: ۱۵ شمارہ: ۵ اگست ۲۰۱۸ء مطابق ذیقعدہ و ذی الحجہ ۱۴۳۹ھ

قائد اہل سنت نمبر

مدیر اعلیٰ: ڈاکٹر عزیر حیات

المصباح

قائد اہلسنت نمبر

علامہ کی شخصیت ہمہ جہتی ہے۔ وہ گوناگوں صلاحیتوں کے مالک تھے۔ شاید قوم کی بدقسمتی کہ وہ گندم نما جَو فروشوں کی موجودگی میں ان جیسے علماء و فضلاء کی کما حقہٗ قدر نہ پہچان سکے اور نہ ہی فائدہ اٹھا سکے۔ یہ ہمارا قومی المیہ ہے ہم نے اپنے محسنوں کی قدر نہ جانی اور شریروں، دھوکہ بازوں اور استحصالی عناصر کی ریشہ دوانیوں کے ہر وقت شکار ہوئے اور نتیجہ ہمیشہ دین و دنیا کی پسماندگی، بدحالی اور مصائب و مشکلات کی صورت میں ہمارے سامنے ہے۔

مؤسس حضرت علامہ سید محمد اشرف اندرابی علیہ الرحمۃ

ماهنامه

المصباح

(علمی، فکری و اصلاحی مجلہ)

جلد:۱۵ ❖ شمارہ:۵ ❖ اگست ۲۰۱۸ء بمطابق ذیقعدہ، ذی الحجہ ۱۴۳۹ھ

نوٹ: مضمون نگار کے افکار و نظریات سے ادارے کا اتفاق ضروری نہیں۔ (ایڈیٹر)

مراسلت و ترسیل زر کا پتہ:
Al-Misbah Monthly
Shah-i-Hamdan Trust
Pampore 192121
Ph. : 9419023343 (Editor)
01933-22326 (Office)
Account No.:
047504010000069

پرنٹر پبلشر جناب عبدالرحمان گنائی نے شاہمدان میموریل ٹرسٹ پانپور کشمیر سے شائع کیا

قیمت فی شمارہ:250 روپے

اعزازی چندہ:600 روپے

فہرست مضامین

قائد اہل سنت کی نذر!	ڈاکٹر تنویر حیاتؔ	07
پیغام	میاں بشیر الدین نقشبندی	11
پیغام	میر سید مجتبیٰ گیلانی قادری	13
علامہ اشرف صاحب اندرابی بحیثیت عالم وصحافی	ڈاکٹر پیرزادہ مقصود احمد	15
حضرت سید مولانا محمد اشرف اندرابی قادریؒ	پیرزادہ عبدالعزیز قادری	30
علم بردار حق حضرت علامہ سید محمد اشرف اندرابیؒ	ڈاکٹر عنایت اللہ بابا	37
ادارہ اوقاف اسلامیہ کی اصلاح کے تئیں علامہ محمد اشرف اندرابی صاحب کا کردار	سرتاج احمد صوفی	41
قائد اہلِ سنّت علامہ سید محمد اشرف اندرابی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ میری سرگذشت	نذیر احمد میر پانپوری	44
حضرت مولانا سید محمد اشرف اندرابی کشمیر کی صدی کی شخصیت	غلام نبی کشافی	59
حضرت علامہ سید محمد اشرف اندرابی صاحبؒ اور ان کا زمانہ	ڈاکٹر تنویر حیاتؔ	72
حضرت علامہ اندرابی صاحب اپنے اسلاف کے آئینہ دار تھے	ابو احمد رضا	92
حضرت مولانا محمد اشرف اندرابیؒ ایک تاریخ ساز شخصیت	عبدالرشید راشد	102

قائد اہل سنت بحیثیت داعی و مبلغ	رضیہ امجدی	106
مولانا محمد اشرف اندرابیؒ ایک شخصیت ساز شخصیت	بشیر احمد عینگرو	110
مولانا سید محمد اشرف اندرابیؒ	ابو سرفراز	115
سید محمد اشرف اندرابی کچھ یادیں کچھ باتیں	پیرزادہ ابدال مہجور	118
یادِ عالم و عامل جناب مرحوم مولانا سید محمد اشرف اندرابی صاحبؒ	غلام نبی اندرابی	123
علامہ اندرابی مرحوم و مغفور چند باتیں چند یادیں	پیر غلام قادر قادری	127
مولانا سیّد محمد اشرف اندرابیؒ کی زندگی کے نمایاں پہلو	غلام حسن طالبؔ	130
ضلع پلوامہ کی ممتاز شخصیت پیرزادہ محمد امین شاہ سے ایک ملاقات	ادارہ	160
حضرت علامہ سید محمد اشرف اندرابی افکار کی معنوی شعاعوں کا ارتعاش	ڈاکٹر تنویر حیاتؔ	167
نمونہ اسلاف تھے قائد ملت	مفتی مبارک حسین نعمانی	178
ایک روشن چراغ تھا نہ رہا	ابو طارق غلام نبی میر	182
مولانا سید محمد اشرف اندرابی صاحب مرحوم	عبد الرحیم زڈورہ	185
ترکشِ مارا خدنگِ آخرین	شوکت حسین کینگ	189
چھوڑ کر آپؒ سارا جہاں چل دیئے	محمد یوسف میر	198
ایک عالم کو سوگوار کر گئے وہ	الطاف حسین ندوی	204
حضرت علامہ اندرابی صاحب کے تبلیغی اور علمی و قلمی خدمات	عبد الحمید نعیمیؔ	232
’’سنے کون قصہٴ دردِ دل؟ میرا غمگسار چلا گیا‘‘	سید بلال احمد کرمانی	242

270	سید غلام محمد اندرابی	تاریخ وصال محترم سید محمد اشرف اندرابی مرحوم
272	ڈاکٹر ذوالفقار صدیقی	حضرت علامہ و مولٰینا محمد اشرف اندرابیؒ عاصم میری نظر میں!
277	محمد شفیع بٹ	علامہ اشرف اندرابی: عصرِ حاضر میں پیغامِ صوفیہ کی باز گشت
281	Mohammad Irfan Shah	**A Tribute to His Scholarly Excellence**
296	Zeeshan Rasool Khan	**Remembering Syed Mohammad Ashraf Andrabi [r.a]**
303	Syed Khalid Hassan Geelani	**A Tribute**

❖❖❖❖

اداریہ

قائد اہل سنت کی نذر!

ڈاکٹر تنویر حیاتؔ

ہوا و ہوس اور مادہ پرستی کے اس دورِ نا ہنجار میں خدا شناسی، خدا رسی، راہ یابی اور راست روی تو بڑی چیزیں ہیں۔ اگر اپنی کمی اور اصلاح و تکمیل کی ضرورت کا احساس یا کم از کم مردانِ خدا کی محبت نصیب ہو جائے تو بڑی بات ہے۔ دانشورانِ عالم کے نزدیک ہر دور میں انسان کو فرد اور معاشرہ کے لیے سُود مند اور بہتر انسان بنانے کی تحریک سے زیادہ مبارک اور بہتر اور کوئی کام نہیں۔

انسانی تاریخ میں جہاں جہاں ایسے مصلحین کی مساعی جمیلہ اور اس راہ میں انہیں پیش آنے والی مشکلات کا جائزہ لیتے ہیں پھر ان کی ثابت قدمی اور استقلال کے مناظر آنکھوں کے سامنے آتے ہیں تو ان کے لیے تشکر و امتنان کے جذبات اُبھرتے اور ان کے لیے محبت و عقیدت کے چشمے پھوٹ پڑتے ہیں۔ ہمارے نزدیک ایک انسان کو تربیت دینا اور سکھانا جانوروں کو سدھارنے سے زیادہ مشکل کام ہے۔ انسانوں سے بھری ہوئی اس دنیا میں بہتر انسان کی تلاش اور اس کی صحبت کی لذت سے بڑھ کر غالباً اور کوئی نعمت نہیں ہے۔ خالی کتابیں پڑھ لینے سے اگر تہذیب اور شائستگی ضروری ہوتی تو دنیا کی تعلیم یافتہ اور متمدن قومیں ظلم و بربریت کا وہ مظاہرہ نہ کر رہی ہوتیں جو

دنیا کے نقشے پر ہم دیکھ رہے ہیں۔

اسلام کا یہ اعجاز ہے کہ جہاں اس نے زندگی کے مختلف اور متنوع محاذوں پر ہر دور میں تازہ دم اور انتہائی مستعد جماعتیں مہیا کی ہیں، ٹھیک اسی طرح کردار سازی اور عظمت انسانی کے بلند ترین معیار کو قائم رکھنے کی خاطر قرن اول سے اس نے ایک ایسی جماعت پیش کی ہے جو اپنے بلند اخلاق جذبہ خدمت، حریتِ فکر، سادگی، قناعت پسندی اور بے شمار ظاہری و باطنی خوبیوں کی بناء پر انسانی تاریخ کا قابل فخر سرمایہ ہے۔ برصغیر ہندو پاک میں بالعموم اور وادی کشمیر میں بالخصوص ایسے نفوس قدسیہ کی تعداد ہزاروں میں ہے۔تاہم جن بڑے بڑے مشائخ صوفیاء نے تاریخ کے دھارے بدلے ہیں یا نئی تاریخ رقم کی ہے ان میں سلسلہ عالیہ اندرابیہ سادات کے عظیم المرتبت بزرگ حضرت سید محمد اشرف اندرابی قادری کی ذاتِ گرامی بہت نمایاں اور ممتاز حیثیت کی حامل ہے۔ ایک خاص بات جو آپ کو بیشتر خانوداگانِ فقر سے امتیازی حیثیت عطا کرتی ہے وہ یہ ہے کہ آپ نے اپنی جماعت میں روحانی و عرفانی تعلیمات کا اسپرٹ پیدا کیا۔آپ کی جماعت عملاً صوفیاء کی جماعت ہے۔اندرابی خاندان نے اپنی جماعت کو صحیح اسلامی خطوط پر چلایا اور ہمیشہ غیر اسلامی طاقتوں کے خلاف نبرد آزما رہا۔ یہ خاندان اسلامی اخوت اور قومی اتحاد کا پاسبان ہے۔

اندرابی صاحب مرحوم نے خانقاہی نظام میں پیدا ہوجانے والی تمام بدعات و رسوم کا قلع قمع کیا اور اس میں نکھار پیدا کیا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو مقبولیت ومحبوبیت کا ایسا بلند درجہ عطا فرمایا جہاں جید علمائے کرام، مفتیان وقت، متشدد مزاج علماء، خطباء اور مدرسین سمیت عوام الناس نے ایک

دوسرے سے بڑھ کر عقیدت کی گردنیں جھکائیں۔ المصباح کا زیرِ نظر شمارہ حضرت علامہ سید محمد اشرف اندرابی عاصمؔ قادری کے حالاتِ زندگی پر مشتمل تذکرہ ہے۔ اس میں آپ کی تبلیغی اور اصلاحی کوششوں، ذوقِ عبادت، روحانی واردات اور آپ کی ہمعصر روحانی، علمی اور سیاسی تاریخ کا عکسِ جمیل سمٹ کر آ گیا ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ ہم نے پچھلی ایک صدی میں ملت کے مسائل سے زیادہ اکابر ملت کے ذکر و تعارف پر اپنی توجہات مرکوز رکھی ہیں۔ ہمارے اس عمل کا کوئی شخصیت پرستی سے تعبیر کرے یا زندہ قوم کی علامت سے، بہرحال سچائی یہی ہے۔ اس کے ساتھ ہمیں اس حقیقت کا بھی اعتراف کرنا چاہیے کہ اہل سنت و جماعت اپنی مذہبی سرگرمیوں کا بڑا حصہ شخصیتوں کے محاسن و مناقب اور افکار و خدمات کی اشاعت میں خرچ کرنے کے باوجود، اپنی بے شمار شخصیتوں کا تعارف نہیں کرا سکے۔ اساطین امت کی ایک طویل فہرست میرے پیش نظر ہے، جنھوں نے اپنے زمانے میں اپنے علم و فضل، فکر و نظر اور تاریخی کارناموں سے امت کی پیشوائی کی، لیکن موجودہ عہد ان کے ناموں سے بھی واقف نہیں یا محض ان کے ناموں سے ہی آشنا ہے۔ ایسی شخصیتوں کی ایک بڑی تعداد ہے جن کے افکار و نظریات، تعلیمات و خدمات، تصنیفات و تالیفات اور سوانحی تفصیلات سے کتب خانے خالی پڑے ہیں، جس کا بدیہی نتیجہ یہ نکلا کہ یہ عبقری شخصیتیں یا تو گمنامی کے پردے میں چلی گئی یا پھر دوسرے مکاتب فکر کی جھولی میں۔ یہاں پر یہ بات یاد رکھیں کہ جب کوئی عہد ساز شخصیت پردۂ گمنامی میں جاتی ہے تو اکیلے نہیں جاتی بلکہ امت کے ایک زریں عہد کو بھی ساتھ لے جاتی ہے۔ اہل سنت کی ہر بڑی شخصیت حسب مراتب ہمارا سرمایہ ہے اور ان کے افکار و تعلیمات اور تعارف

و تذکرے کی اشاعت ہمارا فرض ہے۔اس لیے ہماری ترجیحات میں امت کے مسائل کے ساتھ ان شخصیات کے ذکر و تعارف پر بھی توجہ ہونی چاہیے جن کی تاریخی خدمات و کارنامے شعوری بے توجہی یا غیر شعوری تساہلی کے سبب فراموش کیے جاتے رہے۔قائد اہل سنت حضرت علامہ سید محمد اشرف اندرابی عاصمؔ قادری (۱۹۲۷ء۔ ۲۰۱۶ء) کا نام بھی انہی پاکباز تاریخی و عہد ساز شخصیتوں میں شمار ہوتا ہے۔ ان کی خدمات اور کارناموں کا دائرہ مختلف شعبوں کو محیط ہے۔حضرت علامہ اندرابی صاحب نے تقریباً چھ دہائیوں تک سیاست،خطابت، رشد و ہدایت،تحریر وصحافت،تنظیم وتحریک اور دعوت و تبلیغ کے ذریعے امت مسلمہ کی قیادت کی اور اپنے علم وفن،فکر ونظر،تدبر و ذہانت اور قوت فیصلہ سے اپنے عہد کے مسائل کا حل پیش کیا۔آج جب قائد اہل سنت کی حیات و خدمات پر ایک وقیع گوشہ ہم مرتب کر رہے ہے تو اندازہ ہو رہا ہے کہ ہماری موجودہ نسل ہی نہیں بلکہ اس سے پہلے کی پیڑھی بھی ان کی خدمات سے بہت زیادہ واقفیت نہیں رکھتی۔یہی وجہ ہے کہ ہم قائد اہل سنت کی پہلی برسی پر المصباح کا خاص نمبر شائع کرنے سے قاصر رہے۔اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ زیر نظر وقیع اور ضخیم شمارہ پیش کر کے ہم نے اسلاف شناسی کا حق ادا کیا ہے۔اس خصوصی شمارے کی ترتیب وتزئین میں جہاں ایک ٹیم کی ضرورت ہوتی ہے وہاں مجھے یہ کام اکیلے میں کرنا پڑا۔جن حضرات کا قلمی تعاون شامل رہا ہے ہم ان تمام حضرات کے بے حد ممنون ہیں۔

اللہ کرے قائد اہل سنت کا یہ خاص شمارہ ہماری مغفرت کا باعث بنے۔

❖❖❖

پیغام

منجانب محترم المقام حاجی الحرمین میاں بشیر الدین صاحب نقشبندی
مجددی لاروی مدظلہٗ العالی، سجادہ نشین
درگاہِ حضرت باباجی صاحبؒ لاروی کنگن کشمیر

حضرت علامۃ الوریٰ سیادت پناہ میر سید اشرف صاحب اندرابیؒ کا سانحہ ارتحال ایک عبقری عربی شاعر کے اس شعر کے مصداق ہے ؎

وَمَا کَانَ قیسٌ ھُلکہٗ ھُلکم واحدٍ
ولٰکنّہٗ بُنیانٌ قومٍ تھرماً

(ترجمہ: قیس کی وفات ایک شخص واحد کی وفات نہیں تھی بلکہ اس حادثہ سے قوم کی بنیادیں ہل گئیں)۔

راقم الحروف خادمِ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ نظامیہ ہے۔ موصوف اگرچہ سلسلہ عالیہ قادریہ سے وابستہ تھے مگر انہوں نے ایک ملاقات میں اس نسبت کا اظہار فرمایا تھا کہ اُن کے جدامجد حضرت قدوۃ العارفین میر سید احمد اندابی (مدفون گجرانوالہ پاکستان) سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ میں حضرت بابا فقیر محمد چوراہی کے خلیفۂ خاص تھے۔ بابا صاحب حضرت پیر سید جماعت علی شاہ صاحب علی پوری کے بھی مرشد تھے اس لحاظ سے ان حضرات کو سلسلہ عالیہ مجددیہ کے ساتھ خاص ارتباط تھا۔ چنانچہ زندگی کے ایام میں اشرف صاحب

بار بار سرہند شریف جا کر اس دار الارشاد رشد و ہدایت و فیضان باطنی کے انوار سے مشرف ہوئے تھے۔ سابق خلیفہ روضہ شریف حضرت پیر طریقت سید محمد یحییٰ نقشبندی و مجددی کے ساتھ گہرے مراسم تھے۔ لہٰذا آپ کی وفات حسرت آیات اگر جہانِ ایک طرف علم و فضل کے لیے نا قابلِ تلافی نقصان ہے اور دوسری جانب ہم خدام سلسلہ مجددیہ کے لیے بھی نقصان عظیم ہے۔

❖ ❖ ❖

پیغام

منجانب سجادہ آرایِ قادریت میر سید مجتبیٰ گیلانی قادری (مدظلہٗ)
نبیرۂ حضرت قطب عصر سید شاہ نورالدین احمد قادری گیلانیؒ
سجادہ نشین ریاضت ٹینگ خانیار شریف سرینگر

محترم المقام جناب فاضل نبیل انجینئر نذیر احمد میر پانپور (دامت فیوضکم)

یہ سن کر مجھے بے حد مسرت ہوئی کہ آپ قائدِ اہل سنت حضرت علامہ سید محمد اشرف صاحب اندرابیؒ کی حیات و کارنامہ پر ''المصباح'' کا علامہ اندرابی نمبر شائع کر رہے ہیں۔ امید ہے یہ نمبر حضرت کی جامع صفات شخصیت کے شایانِ شان ہوگا۔ وہوالمراد۔

حال ہی میں والدِ عظیم المرتبت حضرت میر سید غلام جیلانی گیلانی قادری سجادہ آرایِ قادریت کے سانحۂ ارتحال کے تناظر میں حضرت اندرابی صاحب موصوف پر کچھ لکھنے سے قاصر ہوں۔ پھر بھی شنیدہ داستان پارینہ بزرگان دین کے منظر پسِ منظر

ا۔ میرے جدّ امجد حضرت قطب عصر سید شاہ نور الدین احمد گیلانی قادریؒ حضرت شیخ العرب والعجم سید پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑوی (گولڑہ شریف، راولپنڈی پاکستان) کے خلیفۂ خاص تھے۔ حضرت علامہ سید محمد

اشرف صاحب کے جدّ مادری حضرت میر سید احمد صاحب بھی حضرت گولڑوی کے خلفاء میں سے تھے۔ اس لحاظ سے اشرف صاحب قبلہ مرحوم کو دادا صاحب کے ساتھ خاص عقیدت تھی۔ چنانچہ اشرف صاحب اپنے دورۂ پاکستان کے دوران ہمیشہ گولڑہ شریف جاتے تھے۔

۲۔ سادات گیلانیہ اور سادات اندرابیہ کے تعلقات کی داستان خاصی طویل ہے۔سلسلہ عالیہ قادریہ کے ساتھ ساداتِ اندرابی کی وابستگی اظہر من الشّمس ہے۔فلہٰذا موصوف کو حضرت دادا صاحب اور والدِ مرحوم کے ساتھ آخری دم تک استوار رہے۔

۳۔ آخری ایام میں آپ بار باران حضرات کے ذکر خیر سے مجالس کو معطر رکھتے تھے۔

۴۔ حضرت سید نور الدین گیلانیؒ نے سالہا سال کی گوشہ نشینی کے باوجود آپ کی دعوت پر خانقاہ معلیٰ (مرکزِ اسلام کشمیر) میں اُس جلسہ کی صدارت کی جس میں آپ نے رسالہ ختم نبوت اجراء کیا۔

۵۔ حضرت گیلانیؒ کے انتقال پُرملال پر آپ کے قلبی تاثرات، آپ کے قلمی افادات سے روشن وعیاں ہیں۔انشاءاللہ العزیز آئندہ کسی صحبت میں طویل مضمون میں یہ سرگذشتِ اکابر قلمبند ہوگی۔

والسلام بالاحترام

میر سید مجتبیٰ احمد گیلانی قادری

سجادہ نشین نور زہر میٹج ،نشاط سرینگر

علامہ اشرف صاحب اندرابی
بحیثیت عالم وصحافی

ڈاکٹر پیرزادہ مقصود احمد
شعبہ عربی

وادی کشمیر کے ایک نامور عالم علامہ سیّد محمد اشرف اندرابیؒ کے یوم وصال پر ادارہ شاہ ہمدان پانپور ماہنامہ ''المصباح'' کا ایک خصوصی شمارہ شائع کر رہے ہیں۔ ماہنامہ کے لائق وفائق مدیر اور میرے قریبی دوست برخوردار ڈاکٹر تنویر حیات نے مجھے اندرابی صاحب مرحوم کی شخصیت اور خاص طور پر ان کی صحافت کے حوالے سے کچھ لکھنے کے لیے کہا۔ تعمیل حکم کے طور پر میں درج ذیل سطور سپرد قلم کر رہا ہوں۔

یوں تو علامہ مرحوم سے میری زیادہ ذاتی واقفیت نہیں، صرف چند بار بالمشافہ ملاقات رہی ہے۔ یہ ملاقاتیں ویری ناگ میں میرے ہم زلف پیر محمد شفیع سابقہ ڈائریکٹر پلاننگ کے گھر پر ہوئیں۔ لیکن چند ہی ملاقاتوں میں انہوں نے میرے ذہن پر انمٹ نقوش چھوڑے۔ میں نے مرحوم کو ایک وجیہہ، پُروقار، معتبر، مدبر، منکسر المزاج، حلیم اور بُردبار شخصیت پایا۔ پیشے کے لحاظ سے اصلاً ایک اُستاد تھے، محض مولوی نہ تھے، لہٰذا جب بھی بات کرتے علم

کی روشنی میں کرتے۔ اُن کا صرف ایک بار خطاب سننے کا موقع ملا تو اندازہ ہوا کہ وہ عام عالموں کی طرح زور بازو کے بل پر بات منوانے کے قائل نہ تھے بلکہ انتہائی نرمی اور انکساری کے ساتھ اپنی بات پیش کرتے اور ہر ہر بات پر دلیل ان کا ہتھیار تھا، بغیر دلیل کے بات کرنا اُن کا شیوہ نہ تھا، دوراز کار اور لاحاصل قصے کہانیاں سنا سنا کر سامعین کا وقت ضائع کرنا شاید ہی اُن کے خطابات کا حصہ رہا ہوگا، ایسا مجھے صرف ایک خطاب سن کر محسوس ہوا اور پھر اُن کے متوسلین اور مجالس وعظ سننے والوں نے اس بات کی تائید کی۔ حالانکہ افسوس کے ساتھ میں یہ بات لکھ رہا ہوں کہ اہل سُنت کے اکثر و بیشتر علماء اپنی مجالس تبلیغ و تشہیر دین کے دوران غیر علمی وطیرہ اور اسلوب اپنانے کے عادی ہو چکے ہیں جس کی وجہ سے سامعین کی فکری تربیت اور فہم میں کوئی اضافہ ممکن نہیں البتہ ایسی مجالس میں وہ سیدھے سادھے سامعین سے ضرور واہ واہ اور داد و دہش حاصل کرتے ہیں۔ تاہم اس لحاظ سے اندرابی صاحب ایک منفرد شان لیے ہوئے تھے اور ان کا طرز عمل اس روایت غیر رضیہ سے ہٹ کر تھا۔

میری عادت رہی ہے کہ جب کبھی بڑے درجے کے علماء اور دانشوروں سے ملاقات ہوئی۔ میں ضرور کچھ نہ کچھ ایسے مسائل پر گفتگو کی کوشش کرتا ہوں، جو مختلف فیہ رہے ہیں تاکہ اُن اختلافی مسائل کے حوالے سے ان کا نقطہ نظر جان لیا جائے اور اُن کی عالمانہ شان اور ان کی علم کے حوالے سے انصاف پسندی کا اندازہ ہو جائے۔ لیکن میں ایمانداری کے ساتھ یہ بات لکھ رہا ہوں کہ علامہ اندرابی صاحب کی صحبت میں دل نے اس بات کی اجازت نہ دی۔ اس کی وجہ محض ان کا علمی وقار، تمکنت، ان کی سادہ شخصیت اور ان کا وضع قطع تھا۔ میں نے بھانپ لیا کہ ان کے پہلو میں ایک ایسی پُروقار شخصیت چھپی ہوئی

ہے جو دور حاضر کے اکثر علماء کی ظاہر داری کے برعکس سلف صالحین کی ایک جیتی جاگتی تصویر ہے۔ میں نے ہندوستان کے کئی چوٹی کے علماء کے سامنے زانوئے تلمذ بھی تہہ کیا اور شرف ملاقات بھی رہی ہے جن میں سرفہرست عالمی شہرت یافتہ عالم اور مورخ مولانا ابوالحسن علی ندوی مرحوم اور مشہور دیوبندی عالم منظور احمد نعمانی وغیرہ شامل ہیں۔

علامہ اندرابی صاحب ہندوستان کی مشہور دینی درسگاہ دارالعلوم دیوبند سے فارغ التحصیل ہونے کے باوصف اعتقاداً انتہائی معتدل شخصیت تھی۔ راہ اعتدال ان کا منہج تھا۔ وہ انتہائی حساس ملت مرحوم کے درد کو پہلو میں لیے اساطین اہلسنت کے منبع اور شان لیے ہوئے تھے۔ درآنحالیکہ دور جدید میں برصغیر ہندوپاک کے اکثر و بیشتر چوٹی کے علماء، اسلام کی چودہ سو سالہ علمی و اعتقادی تاریخ سے بڑی حد تک برگشتہ ہو کر وہابی اثرات اور خارجیت جدیدہ کی رو میں بہہ کر مسلمانوں میں افتراق و انتشار کا شعوری یا غیر شعوری طور پر باعث بن گئے۔ پچھلی سوا سو سالہ تاریخ اس بات پر شاہد عادل ہے جب اتحاد و اتفاق امت کی نعمت پر تیشہ زنی کی گئی اور اعتقادی فساد کی بناء رکھ کر ملت کے شیرازہ کو منتشر کر کے رکھ دیا۔ ریاست جموں و کشمیر کی حد تک علامہ اشرف صاحب، اپنے اسلاف کی روش پر قائم و دائم رہ کر اپنی انفرادیت کو برقرار رکھنے اور دین کے صحیح اور معتدل پیغام کو عوام الناس تک پہنچانے میں گنتی کے چند علماء کے ساتھ موثر طور پر کامیاب رہے اور اس کی سب سے بڑی اور اہم وجہ دنیا پرستی، حرص، لالچ اور مادی فوائد سے ان کی حد درجہ بے اعتنائی ہے۔

علامہ بحیثیت صحافی

میری دانست میں جموں و کشمیر کی موجودہ تاریخ میں مولانا قاسم شاہ

بخاری قاضی غلام محمد اور اُن کے فرزند ڈاکٹر قاضی نثار شہید کے بعد علامہ اشرف صاحب مرحوم وہ شخصیت ہے جنہوں نے مذہبی صحافت کو پروان چڑھانے میں اہم اور مثبت کردار ادا کیا۔ مسجد و منبر کی رونق بڑھانے کے ساتھ ساتھ علامہ ہمیشہ اپنی آراء کا اظہار قلم و قرطاس کے حوالے سے کرتے رہے۔ لیکن ان کی مذہبی صحافت کا دائرہ بہت وسیع تھا۔ دورِ جدید کے صحافتی تقاضوں کے عین مطابق امت کو درپیش روزمرہ مسائل خواہ وہ سیاسی ہوں یا مذہبی، معاشی ہوں یا معاشرتی ان تمام مسائل پر حسب ضرورت اپنی آراء کو عوام الناس تک آسان، غیر مبہم اور موٴثر انداز میں پہنچانے کا فریضہ ریاست جموں و کشمیر میں جس حسن و خوبی کے ساتھ علامہ نے نبھایا وہ انہی کا حصہ ہے۔ دور حاضر میں زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں رہا جہاں مادیت نے اپنے نامبارک اور منحوس پنجے نہ گاڑھ دیئے ہوں۔ لہٰذا صحافتی شعبہ بھی اس ادبار و تنزل سے محفوظ نہ رہ سکا۔ یہ ہر عام و خاص کا مشاہدہ ہے کہ اکثر و بیشتر صحافی الا ماشاءاللہ اب اس صحافت کے علمبردار بنے ہوئے ہیں جس کو صحافتی زبان میں زرد صحافت (yellow journalism) کے نام سے جانا جاتا ہے۔ اس تمام صورتحال کے پس منظر میں مادی فوائد کا حصول اور اصحاب حل و عقد اور اہل اقتدار کی کاسہ لیسی ہے۔

علامہ اشرف صاحب اندرابی صحافت میں بھی حق پسندی کے علمبردار اور بلاکم و کاست بغیر خوف لومۃ لائم ملت اسلامیہ کے مسائل پر لکھتے رہے اور ان کے مسائل کے حوالے سے اُن کے ازالے اور حل کے لیے بھی اپنی تجاویز پیش کیں۔ گو کہ جیسا کہ خود ان کو اعتراف ہے، اُن کی یہ نحیف سی آواز نقار خانے میں طوطے کی صدا جیسی رہی، لیکن بے باک و بے لوث صحافی کا کام

حالات و واقعات اور اسباب و علل کا ایماندارانہ تجزیہ تحلیل کر کے اصل حقائق کو منظر عام پر لانا اور عوام تک پہنچانا ہے اور بس! اور یہ کام اشرف صاحب اندرابی مرحوم و مغفور نے بحسن خوبی انجام دیا۔ چونکہ جیسا کہ شروع میں میں نے کہا کہ علامہ کی صحافت اصلاً مذہبی طرز کی صحافت تھی لہٰذا انہوں نے مذہبی و دینی اثرات کے ماتحت اعلیٰ اخلاقی معیار اور دیانت داری کے معیار کو ہمیشہ قائم و دائم رکھا ہے۔ انہوں نے جس مسئلے پر بھی بات کی ہے دل کھول کر بات کی ہے، جو بھی لکھا ہے بغیر کسی ابہام کے لکھا ہے۔ مسائل کے تہہ تک پہنچنے کی ایماندارانہ کوشش کی ہے۔ حقائق کی روشنی میں لکھا ہے، اپنے ذاتی میلانات اور اغراض سے ہمیشہ اجتناب کیا ہے۔ بعض اوقات صحافتی مجبوریوں کے پیش نظر اجمال سے ضرور کام لیا ہے، لیکن حق یہ ہے کہ جس موضوع پر قلم اٹھایا ہے اس کا حق ادا کر دیا ہے۔ ''المصباح'' میں ان کے اداریے پڑھ کر میری اس بات کی کوئی بھی انصاف پسند قاری مبالغے پر محمول نہیں کرے گا۔ بلکہ حقیقت کو تسلیم کرنے پر خود کو مجبور پائے گا ماسوائے اس شخص کے جو تعصب کی بلا میں مبتلا ہو اور کسی خاص رنگ کی عینک سے دیکھنے کا عادی ہو۔

مولانا مرحوم نے ابتداءً انجمن تبلیغ الاسلام کے آفیشل آرگن ''التبلیغ'' اور ''الاعتقاد'' میں لکھنا شروع کیا اور پھر ''تبلیغ الاسلام'' کے مدیر اعلیٰ کی حیثیت سے فرائض انجام دیئے اور آخر الامر شاہ ہمدان میموریل ٹرسٹ پانپور کے ماہنامہ ''المصباح'' کے مؤسس و بانی کار کی حیثیت میں تا زیست اس کی ادارت سنبھالی اور مسلسل ماہنامہ کے جاندار اور شاندار اداریے تحریر کرتے رہے۔ 'المصباح' کے کسی بھی شمارے کو دیکھئے تو صاف معلوم ہوگا کہ دنیا و فیہا سے بے نیاز ایک بے لوث مرد قلندر نے اپنے جادو نگار قلم سے علم و حقائق کی

پوری روشنی میں اسلام کی حقانیت، پیغمبر اسلام کی محبت و وفاداری اور اطاعت شعاری نیز تعظیم و تکریم کے باب میں مُسکت اور خوبصورت دلائل و براہین سے مخالفین کا منہ بند کر دیا ہے۔ اسی طرح دشمنان اسلام، باطل پرست اور طاغوتی قوتوں کے لیے اُن کے بے لاگ تبصروں کا ایک ایک لفظ تیر و تفنگ کا کام کرتا دکھائی دیتا ہے۔ وہ جب مسلمانوں کی باہمی چپقلش اور رسہ کشی پر بات کرتے ہیں تو ان کا درد اور اُن کے دل کی کسک دیدنی ہوتی ہے۔ ایسے مضامین پر رائے زنی کرتے ہوئے وہ بعض اوقات بجا طور پر مایوس بھی دکھائی دیتے ہیں۔ وہ مسلمانوں کے دو بڑے گروہوں شیعہ اور سُنی کے درمیان خلیج کو پاٹنا چاہتے ہیں۔ وہ اگر سُنیت کے عقائد کی پاسبانی کرتے ہوئے نظر آتے ہیں تو مملکت ایران اور وہاں کی شیعہ حکومت کے حوالے رطبُ اللسان بھی ہیں۔ مولانا اپنی ان تحریروں کے حوالے سے صرف حق کے پاسبان اور ترجمان ہیں۔ وہ جب خارجیت اور اس کی تباہ کاریوں کا پردہ چاک کرتے ہیں تو وہ دورحاضر کے مجدد اور شیخ الاسلام ڈاکٹر طاہر القادری مدظلہ العالی کے ہم خیال و ہم نوا بن کر خارجیت جدیدہ پر مضبوط قوت استدلال اور قرآن و حدیث نیز تاریخ کی روشنی میں برق صاعقہ بن کر گرتے ہیں۔ جب تحریک وہابیت پر بات کرتے ہیں تو ایک خبیر و آگاہ مرد آہن کی صورت نظر آتے ہیں۔ وہابی آئیڈیالوجی اور فلسفہ و فکر پر قارئین کو مُسکت دلائل سے مستفید کیا ہے اس طور پر کہ نہ تو وہ اس سلسلے میں کسی بڑی سے بڑی شخصیت اور سلطنت کا لحاظ کرتے ہیں اور نہ ہی ان کے نام نہاد دعویٰ توحید و سنت کے نعرے سے مرعوب ہو کر یا جی حضوری میں کسی مداہنت کے شکار ہوتے ہیں اور یہ سب کرشمہ ہے، جیسا کہ میں پہلے ہی لکھ چکا ہوں، درہم و دینار اور پڑوڈالر سے ان کی بے رغبتی اور

زاہدانہ طرز زندگی کا۔ ورنہ میں نے کتنے ہی سر برآوردہ لوگوں، علماء اور اسکالروں کو دیکھا ہے کہ محض خیرات کے چند ٹکوں کو حلال کرنے کی خاطر خلیجی بادشاہوں اور خاص طور پر سعودی حکمرانوں کی تعریف وتوصیف میں زمین و آسمان کے قلابے ملاتے ہیں اور مصیبت یہ کہ اس کو دین کی خدمت سمجھتے ہیں۔سعودی حکمرانوں اور او۔آئی۔سی (O.I.C.) کی مداہنت اور امریکہ و اسرائیل اور صیہونی طاقتوں کے سامنے ان کا بے بس ہونا بلکہ اُن کی کاسۂ پسی کرنا مولانا سے برداشت نہیں ہوتا اور اس موضوع پر لکھتے ہوئے ان کا نوک قلم، عالم اسلام کے اس رستے ہوئے ناسور پر تیشہ زنی کرتا ہے تاکہ اسے خون فاسد کو نچوڑ لیا جائے اور اسلام کا روئے تابدار اپنی تمام تر رحمتوں اور امن وآشتی، صلح وصفائی اور دینی و دنیوی برکتوں کے ساتھ ایک بار پھر مصائب اور غم والم کی ماری انسانیت کے سامنے اپنی پوری آب وتاب اور چمک دمک اٹھے اور دنیا کو احساس ہوجائے کہ اسلام دہشت گردی کا نہیں بلکہ امن وسلامتی کا پیغامبر ہے اور رحمت عالمیاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے علمبردار اور اتم واکمل مظہر ہیں۔ تاہم علامہ اشرف صاحب عالم کفر کے مقابلہ میں امت اسلامیہ کے تمام مکاتب ہائے فکر کو متحد دیکھنا چاہتے ہیں اور اس سلسلے میں اتحاد بین المسلمین کے زبردست حامی ومؤید ہیں۔اُن کے اپنے الفاظ میں اس داستان غم والم اور کربناک صورت حال کو ملاحظہ فرمائیے۔لکھتے ہیں:

''گذشتہ تقریباً ایک صدی سے (جنگ عظیم اول اور خلافت عثمانیہ کے بعد) یہ شیرازہ پھر منتشر ہونے لگا۔صیہونی سامراج کا جادو اپنا کام کر گیا اور مسلمان نہ صرف حصول اقتدار اور مناصب کے حقیر مفادات کی خاطر باہم دگر کشمکش میں مبتلا ہو گئے بلکہ مذہب کے نام پر علمائے

سوٴ نے الگ الگ فرقے قائم کر کے بظاہر نہ ختم ہونے والے اختلافات کی طرح ڈالی۔آج پورا عالم اسلام جس تباہی کے دہانے پر کھڑا ہے وہ ان ہی اختلافات کی دین ہے۔کفر ملت واحدہ بن کر اسلام اور مسلمانوں کو مٹانے پر کمر بستہ ہے اور یکے بعد دیگرے ممالک اسلامیہ کو تاخت و تاراج کرنے کی انتہائی سفاکارانہ کاروائیاں کرر ہا ہے اور مسلمان چھوٹے چھوٹے مسائل کے اختلاف پر اور اپنی نام نہاد کرسیٔ اقتدار پر براجمان رہنے کے لیے باہم جنگ و جدل میں مصروف ہیں''۔

علامہ مرحوم امت اسلامیہ کی شیرازہ بندی کرنے اور امت مسلمہ کے منتشر گیسوؤں کو سنوارنے کی خاطر اپنے دل کی کسک کو مختلف اوقات پر مختلف پیرائیوں میں بیان کرتے ہیں۔صرف اس لیے تاکہ امت مرحومہ کے خفتہ ضمیر کو بیدار کیا جاسکے اور ان کی توانائیاں اور صلاحیتیں آپسی کشت وخون، بازار گرم کرنے کے بجائے ملت کے دشمنوں اور قاتلوں کی سرکوبی کے لیے روبہ عمل لائیں جائیں۔اس ضمن میں ان کے اداریے قابل دید ہیں اور پڑھنے سے متعلق ہیں۔اُن کا زور بیان، ان کے الفاظ کی در و بست، چابکدستی اور انتخاب ایک بے دار مغز اور حساس قاری کے لیے یقیناً مہمیز کا کام کرتا ہے اور بعض اوقات ان کا طنز آمیز اسلوب دل وجگر کو پاش پاش کرنے کے لیے کافی ہوتا ہے۔مثال کے طور پر درج ذیل اقتباس پڑھیے جس میں وہ سید الشہداء سیدنا امام حسینؑ کی شہادت کا تذکرہ کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

''روح حسینؓ پکار پکار کر کہتی ہے میرے مقدس نانا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کلمہ پڑھنے والو! مجھ سے حیات جاودان کا درس لینے والو! میں نے تم کو حق

کے لیے سرفروشی کا گر سکھایا تھا، خرمن باطل کے لیے برق بے اماں بننے کا طریقہ بتایا تھا۔ تم آج کہاں بھٹکتے پھر رہے ہو؟ بے شک تم آج بھی اپنی جوان مردی کے جوہر دکھاتے ہو لیکن کس کے لیے؟ اپنے تراشیدہ بتوں کے لیے فرقہ واریت کے بُت، قومیتوں کے بُت، وطنیت کے بُت، ہوس و اقتدار کے بُت، علاقائیت کے بُت، خود ساختہ سیاسی نظاموں کے بُت، غرض بے شمار بُت ہیں جن کی خاطر بھائی بھائی کا گلا کاٹتا ہے، اسلامی اخوت و مروّت کے رشتوں کو پامال کیا جاتا ہے، غیروں کے ساتھ مل کر اپنوں کے ساتھ جنگ کی جاتی ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کے جس محبوب اور عظیم الشان پیغمبر کے تم امتی ہونے کا دعویٰ کرتے ہو اس نے تو حجۃ الوداع کے خطبے میں ان تمام بتوں کو اپنے پائے نازنین کے تلے روند ڈالنے کا اعلان فرمایا تھا۔ تم نے حبل اللہ (اللہ کی رسی) کو توڑ کر جسدِ ملت کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے۔ افسوس آج تم کروڑوں کی تعداد میں ہونے کے باوجود ننگ انسانیت صیہونیت کے لیے بازیچۂ اطفال بنے ہوئے ہو۔ اغیار کی سازشوں کا شکار ہو کر تم خود اپنے ہی خون سے اپنے اوطان کو لالہ زار بنانے پر تلے ہوئے ہو، کل تک جو قومیں تمہارے اشاروں پر جبین سائی کرنے پر فخر کرتی تھیں آج تم ان کے اشاروں پر ناچنے میں کوئی عار محسوس نہیں کرتے''۔

اندازہ کیجئے اور مذکورہ بالا اقتباس کے ایک ایک لفظ کو دھیان کے ساتھ بار بار پڑھیئے اور غور کیجئے کہ کس طرح علامہ اندرابی صاحب نے اسلام کی پوری تاریخ کو چند سطروں میں سمیٹ لیا ہے۔ مجھے اندازہ ہے کہ اگر افراد

ملت کا ضمیر خوابیدہ ہوتا تو علامہ کے الفاظ کے یہ تیر توپ وتفنگ سے بھی زیادہ کارآمد ہوتے اور خفتہ ضمیر ضرور انگڑائی لے کر جاگ اٹھتا لیکن افسوس صد افسوس کہ امت کا ضمیر اب خوابیدہ نہیں شاید مردہ ہو چکا ہے اور مردے کو جگانا ناممکنات میں سے ہے سوائے اس امر کے کہ دمِ عیسیٰؑ رکھنے والا کوئی مقدس و پاکباز متنفس آئے اور مردہ نفوس میں پھر اس کی مسیحائی سے حیات نو کے آثار پیدا ہوں اور جہاں تک میرا خیال ہے علم و تحقیق کی روشنی میں یہ کام اب آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کوئی وارث ہی انجام دے سکتا ہے۔ چاہے آپ اس شخصیت کا نام مہدیؑ رکھیں، مسیح موعود یا مہدی منتظر رکھیں، امام غائب کے نام سے موسوم فرما دیں یا نام کوئی اور رکھ دیں، وہ علم واعتقاد کی روشنی میں آپ کا حق ہے لیکن دُنیا کو گہوارہ امن بنانے کے لیے آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سوا یہ کوئی اور ہو نہیں سکتا۔ بہرحال یہ بات توضمناً آ گئی۔ کاش علامہ کی آواز کو کوئی سننے والا ہو اور کاش کوئی عمل کرنے والا مل جائے تاکہ علامہ کے خواب پریشان کی تعبیر نکل آئے مگر کسی نے کیا خوب کہا ہے ؎

اے بسا آرزو کہ خاک شدہ است

اشرف صاحب اندرابی اسلام کے درج بالا سنہری حروف سے لکھے جانے کے قابل اقتباس کو پڑھ کر میرے ذہن میں اتفاقاً قرآن مجید کی سورہ فتح کی آیت ’’محمد رسول اللہ والذین معہٗ اشداءُ علی الکفار رحماء بینھم ‘‘ گونجنے لگی۔ جس میں حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فداکاروں کی ایک صفت خاصہ کا تذکرہ اور نشاندہی کی گئی ہے کہ مومنین کفار کے مقابل میں سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں اور بہت سخت ہیں لیکن آپس میں بہت زیادہ نرم اور شفیق۔ لیکن وائے برحال ما! اب صورت حال عملاً اس کے برعکس اور اس کا

الٹ ہے۔''اشداء علی الکفار'' کے بجائے 'رحماء علی الکفار' اور 'رحماء بینھم' کے بجائے 'اشداءُ بینھم' کا منظر ہر روز عرب وعجم میں دیکھنے کو ملتا ہے۔''کل ارض کربلا'' اور''کل یوم عاشورا' کی اندوہناک اورکربناک صدائیں ہر طرف سے بلند ہورہی ہیں، چاہے وہ پاکستان ہو یا عراق، شام ہو یا یمن، بحرین ہو یا مصر، فلسطین ہو یا کوئی اور سرزمین، مسلمانوں کے خون سے زمین کا چپہ چپہ لالہ زار بن رہا ہے۔اغیار سے زیادہ اپنے ہی خون سالم کے رسیا ہو چکے ہیں اور حد تو یہ ہے کہ بعض انجام سے بے خبر اورضمیر فروش غداران دین وایمان وملت فروش جَونما گندم فروش مسلمان اس خونریزی کو دخول جنت کے لیے واجبی اور لازمی گردانتے ہیں الامان والحفیظ! جب میں یہ سطور لکھ رہا ہوں تو سرزمین پاکستان سے تقریباً ڈیڑھ سو سے زیادہ فرزندان توحید کی بم دھماکوں میں شہادت کی کربناک خبر آئی۔ انا اللہ وانا الیہ راجعون ۔ یہ خارجیت جدیدہ نہیں تو اورکون سا نام دیں گے۔افسوس ہے ان جبّہ و دستار زیب تن کئے نام نہاد علماء پر جواب تک ان گھناؤنے اور ننگ انسانیت جرائم پر خاموش ہیں اور بعض تو ایسی قوتوں کی در پردہ سرپرستی بھی کررہے ہیں۔اللہ کی لاٹھی بے آواز ہوتی ہے۔آخر کار مظلومین کا خون رنگ لائے گا اوراس شب تارکی سحر ضرور ہوگی۔

علامہ صاحب کی حق پسندی اور بیدار مغزی کا ایک اور بیّن ثبوت ان کے ایک اداریہ المرقوم مئی ۲۰۰۵ء بعنوان''ہمارے اعراس'' میں دیکھا جاسکتا ہے۔خودکو صاحب نسبت، اولیاء اللہ کے گرویدہ اور صلب تصوف وطریقت کہنے والے اصحاب نے''اعتقاد'' اور''خوش عقیدگی'' کے نام پر غیر شرعی اورغیر اسلامی اطوار اپنانے کو ہی اپنے طور پردین سمجھ لیا ہے اور عملاً ایسے عالم نُماجُہلاء

نہ صرف اہلسنت اور خوش اعتقاد رکھنے والے مسلک سوادِ اعظم کی بدنامی کا باعث بنے ہوئے ہیں بلکہ ایسے حضرات کی وجہ سے وہابی فرقہ کی طعن و تشنیع اور دست درازیوں کا بھی شکار ہو رہے ہیں۔شاید کشمیر کی حد تک علامہ صاحب وہ واحد شخصیت ہیں جنہوں نے اس دکھتی ہوئی آگ کو چھیڑا ہے اور بے رو رعایت چھیڑا ہے اور ایسے واعظین ،خوش گفتار اور مبلغین ، باکردار کو تنبیہ کی ہے۔آپ انہی کے الفاظ میں اس تکلیف دہ صورت حال کو سنیے۔فرماتے ہیں:

''تصوف کے دیگر اعمال و اشغال کی طرح عرس بھی اپنی سیدھی سادھی اور مطابق شرع ہیت پر قائم نہ رہ سکا۔تلاوت کلام اللہ اور اوراد و اذ کار مسنونہ کی جگہ سماع نے لے لی اور سماع بھی ارباب سلوک کے مقرر کردہ شرائط کی حدود میں نہ رہ سکا اور اس نے غنا (گانا) کی وہ شکل اختیار کی جس کی رونق ہی منکرات شرعیہ کے دم سے قائم ہے۔ ہر طرح کے لوگوں کا ہجوم،مرد و زن کا بے حجاب اجتماع اور لہو لعب کے نظارے، بڑے بڑے بزرگان دین کے عرسوں کے گویا لوازمات میں شامل ہیں۔کہیں کہیں علماء کے مواعظ کا اہتمام بھی ہوتا ہے لیکن وہ بھی بس رسمی ہی ہوتا ہے۔ پیشہ ورقسم کے واعظ بزرگان دین کی کرامات کو جذباتی انداز اور غنائی لے میں بیان کر کے سامعین سے واہ واہ کا خراج حاصل کرتے ہیں۔لاکھوں روپے نقد اور جائیداد کی صورت میں مقابر و مآثر اولیائے کرام پر عقیدت مند بطور نذرانہ پیش کرتے ہیں۔اس نذرانے میں کتنی رقم ان بزرگان دین کے مشن کی آبیاری اور قرآن وسنت کی تعلیمات کی اشاعت پر صرف ہوتی ہے تو آپ کو جواب نفی میں ملے گا۔

پھر انتہائی تلخ انداز میں ان منکرات شرعیہ کا تذکرہ یوں کرتے ہیں:

''طریقت کے نام پر ہماری ریاست میں جو ''زندقہ'' پھیلایا جارہا ہے اس کی بیخ کنی کے لیے بزرگان دین کی عقیدت کا دم بھرنے والے کیا سعی کرتے ہیں۔ بڑے بڑے بقعات عالیہ کے قرب و جوار میں وقتاً فوقتاً ایاّم اعراس میں خصوصاً ان فقیر نما غارت گرانِ ایمان کی ٹولیاں آکر گانے بجانے کی محفلیں سجا کر رات بھر چرس اور دیگر منشیات میں مست ہوکر بزعم خود شب خوانی کرتے ہیں نہ نماز، نہ روزہ، نہ ذکر واذکار۔ ان اعراس میں عام وخواص کی ایک بڑی تعداد محبت وعقیدت کے جذبات سے سرشار ہوتی ہے لیکن یہاں آکر انہیں صحیح روحانی غذا دینے کا کوئی اہتمام نظر نہیں آتا لیکن کوئی ایسا ہوتا ہے جو ملت کی زبوں حالی اور دینی شعائر کی بے حرمتی پر آنسو بہائے وغیرہ وغیرہ۔

ایسا تجزیہ صرف ایک غیرت مند اور سیرت مصطفوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سچا پروانہ ہی کرسکتا ہے ورنہ جن لوگوں کو اپنی تجوریاں بھرنے کی فکر ہو وہ عوام کی خوش عقیدگی کا استحصال کرکے ان سے نذر و نیاز اینٹھنے کی فکر میں سرمست ہوتے ہیں بلکہ ایسے لوگوں کو جو اولیاء اللہ کے مشن اور تعلیمات سے عوام کو باخبر کریں، بقول علامہ کے ایسے لوگوں سے مجاورین ناراض ہوتے ہیں۔ انہیں بقعات میں خطاب کرنے نہیں دیتے۔ علامہ کا تجزیہ سو فیصد صحیح ہے اور راقم کو خود ایک ایسا تجربہ ہوا ہے جب اسلام آباد ئی بستی میں چند سال قبل کچھ جاننے والوں اور خیرخواہوں نے سلطان العارفین شیخ حمزہ مخدومی کشمیریؒ کے عرس پر اپنی مسجد میں بعد نماز مغرب تبلیغ کی دعوت دی۔ چنانچہ میں نے سلطان العارفین کے کشف وکرامات کے حوالے سے کچھ نہ کہا بلکہ اولیاء اللہ کی شان میں وارد بخاری شریف کی مشہور حدیث قدسی ''من عادیٰ لی ولیاً فقد آذنتہٗ

باالحرب''کو بالتفصیل پیش کیا اور اس کی روشنی میں عظمت و مقام اولیاء اللہ کو مبرہن کیا۔ چنانچہ نشست کے بعد نماز عشاء کے اختتام پر دو بزرگ اشخاص نے مجھے قدرے افسردہ لہجہ میں بتایا کہ جناب آپ نے تو مخدوم پاک کے بارے میں کچھ نہ کہا اور یوں وہ ناخوش و ناراض نظر آئے۔ میں نے جواب میں انا للہ و انا الیہ راجعون پڑھا اور تھوڑی دیر کے لیے اس طرز فکر پر دل برداشتہ ہوا کہ قوم کس حد تک قرآن و سنت سے بے نیاز ہوکر محض کشف و کرامات کو سننے کی عادی ہوچکی ہے۔ اور اولیاء اللہ کی سیرت سے کنارہ کشی محض اُن کے مآثر و مقابر پر سرِ نیاز کو خم کرنے میں ہی عافیت اور اسی کو عقیدت سمجھتے ہیں ع

تھا جو ناخوب بتدریج وہی خوب ہوا

بہرحال یہ تھا مشتے نمونہ از خروارے۔ علامہ کے حوالے سے میں نے جو کچھ لکھا، جو کچھ سمجھا، پوری ایمانداری کے ساتھ لکھا۔ میں مدحت سرائی کا قائل نہیں بلکہ اسے اپنے لیے اور ممدوح کے لیے بھی سم قاتل سمجھتا ہوں۔ لیکن حقیقت کا اعتراف نہ کرنا بھی کنجوسی اور بخل کے دائرے میں آتا ہے اور بخیلی سب سے بڑا عیب ہے۔ علامہ کی شخصیت ہمہ جہتی ہے۔ وہ گوناگوں صلاحیتوں کے مالک تھے۔ شاید قوم کی بدقسمتی کہ وہ گندم نما جَو فروشوں کی موجودگی میں ان جیسے علماء و فضلاء کی کماحقہٗ قدر نہ پہچان سکے اور نہ ہی فائدہ اٹھا سکے۔ یہ ہمارا قومی المیہ ہے ہم نے اپنے محسنوں کی قدر نہ جانی اور شریروں، دھوکہ بازوں اور استحصالی عناصر کی ریشہ دوانیوں کے ہر وقت شکار ہوئے اور نتیجہ ہمیشہ دین و دنیا کی پسماندگی، بدحالی اور مصائب و مشکلات کی صورت میں ہمارے سامنے ہے۔ ہم نے ایسے لوگوں کو شرف قبولیت بخشا جو

اس لائق نہ تھے۔ ہماری تاریخ کا یہ المیہ نیا نہیں، اتنا ہی قدیم ہے جتنی اسلامی تاریخ ورنہ یزید پلید جیسے لوگ امت مُسلمہ کی نمائندگی کا شرف نہ پاتے اور نہ یزید اور اس کے پیروکاروں کے ہاتھوں محسن انسانیت، سالار امت، ہادی دو جہاں، پیغمبر اعظم و آخر سید الاولین والآخرین، شفیع الُاساۃ والمذنبین احمد مجتبیٰ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آل و عزت صدر اسلام سے لے کر آج تک تلوار کی نوک پر نہ ہوتی اور برسر ممبران نفوس قدسیہ پر سب و شتم کیا جاتا اور نہ اُن کی اہانتیں ہوتیں۔ جس امت کو حکم الٰہی تھا کہ وہ آلِ رسول کے ساتھ بس محبت و مؤدّت کا وطیرہ اپنائیں تاکہ اجر رسالت کی ادائیگی جو ناممکنات میں سے ہے مگر حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قلب و جگر کی کچھ خوشنودی کا سامان فراہم ہوتا۔ مگر افسوس صد افسوس! واویلا واحسرتاہ! ایسا نہ ہوسکا اور قرآن مجید فرقان حمید کی آیت مبارکہ ''قل لا اسئلکم علیہ اجراً الا المودۃ فی القُربیٰ'' آج تک پکار پکار کر اُمت مسلمہ کو صدا دے رہی ہے کہ کیا اہل بیت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تم نے حق محبت ادا کیا۔ مؤدت کا لحاظ دکھایا عداوت کا راستہ اپنایا۔ تاریخ پکار پکار کر جواب دے رہی ہے۔ محبت نہیں عداوت، شفقت نہیں شقاوت۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمیں سچ سمجھنے اور بولنے کی توفیق عطا کرے۔ آمین۔ وما علینا الّا البلاغ المبین۔

❖ ❖ ❖ ❖

حضرت سید مولانا محمد اشرف اندرابی قادری رحمۃ اللہ علیہ

پیرزادہ عبدالعزیز قادری
غوثیہ کالونی، پانپور

احقر عبدالعزیز قادری کو عرصہ زائد از پچاس سال سے حضرت مولانا سید محمد اشرف صاحب اندارابی سے ملاقات کا شرف اُن کی حیات تک حاصل رہا ہے۔اُن کی بہترین خیالات اور حالات صحبت سے مستفید ہو چکا ہوں۔اور شرف حاصل کر چکا ہوں اور اکثر سال ہا سال سے زیارت پیر دستگیر صاحب خانیار کے حجرہ مبارک کے اندرونی دروازہ کی جگہ جہاں صرف دو آدمیوں کی جگہ بیٹھنے کی تھی۔ راقم اور مولانا صاحب مذکور و مغفور بیٹھا کرتے تھے۔ جہاں متعدد بار بہت سے بزرگ حضرات سے بھی شرف ملاقات ہوتی تھی۔ اور اُن سے فیض یاب ہوتے تھے۔اس کے علاوہ مولانا صاحب بہت سی زیارت گاہوں پر حاضری دیا کرتے تھے۔اور اُن کا احترام کرتے تھے۔اور بہت سے بزرگ حضرات سے ملاقات فرماتے تھے۔راقم کو کئی بار بہت سے بزرگ حضرات کی ملاقات مولانا صاحب موصوف کے ساتھ جا کر شرف حاصل ہو چکا ہے۔اس کے علاوہ راقم کو بھی بہت سے بزرگ ہستیوں سے

شرف ملاقات اور باہمی گفت وشنید سے مستفید ہونے کی سعادت حاصل ہوچکی ہے۔

حضرت مولانا اشرف صاحب اور راقم الحروف کو کچھ خاص مشائخ وقت بزرگ حضرات کے ساتھ ملاقات ہوچکی ہے۔ جن کے کچھ تبرکات اور وظائف سے بھی ہم مستفید ہوچکے ہیں۔ ان میں سے کچھ باکمال بزرگان کی ذکر کررہا ہوں جن میں سے ایک حضرت سید حفیظ اللہ صاحبؒ اندرابی گنڈ ہیں دوئم جناب حضرت شریف صاحب نقشبندی قادری ترال ہیں جو ابدال وقت تھے۔ اور جناب حضرت غلام رسول ساحب کامگار کشتوار ہیں۔ جناب کامگار صاحب کا ایک واقعہ یاد ہے۔ شائد سال ۱۹۷۲ء کا واقع ہے۔ جن دنوں راقم ضلع ڈوڈہ میں بحیثیت اسسٹنٹ کمشنر تعینات تھا۔ عرسِ پاک حضرت فرید الدین صاحب بغدادیؒ کے آستان عالیہ در کشتوار پر حاضری کے لیے راقم کچھ ساتھیوں کے ساتھ چلا گیا۔ جب میں آستان عالیہ پر حاضر ہوا۔ تو ختمات المعظمات کا وِرد چل رہا تھا۔ میں نے دیکھا کہ مولانا اشرف صاحب اور کوئی بزرگ حضرت پیشوائی کررہے تھے تو مجھ پر ان کی نظر پڑ گئی۔ تو کسی آدمی کو میرے پاس بھیج کر مجھے اپنے پاس بلایا۔ اختتام پر میرا تعارف ان دوسرے بزرگ حضرات جو کہ اس وقت تقریباً سو سال کی عمر کے تھے۔ کروایا۔ یہی حضرت غلام رسول صاحب کامگار تھے۔ اس کے بعد ہم تینوں اور کچھ حضرات ساتھ ہی وہاں کے سجادہ نشین کے دولت خانے پر چلے گئے۔ اور وہاں حلوہ چائے وغیرہ نوش فرمائی اور کچھ لطیف گفت وشنید ہوئی اور کچھ راز و نیاز کی باتیں ہوئیں۔ دونوں حضرات نے مجھے ارشاد فرمایا کہ آج حضرت فرید الدین صاحب بغدادیؒ کا عرس پاک ہے تو بعد نماز عصر زیارات متبرکہ حضرت

شیخ سید القادر جیلانی حضرت پیر دستگیرؒ صاحب کی نشاندہی کی جائے گی تو آج آپ یہاں حاضر ہیں۔تو آپ کے ہی ہاتھوں زیارات متبرکہ کی نشاندہی ہوگی کیونکہ آپ کو خانیار شریف میں اس کی نسبت سے تعلق ہے۔ میں نے معذرت ظاہر کی کہ مجھ گنہگار کی یہ ہمت نہیں ہے کہ میں زیارت مقدسہ کی نشاندہی کراؤں۔لیکن انہوں نے فیس نہیں مانگا۔اور بالآخر بعد نماز عصر زیارت فرید الدین صاحب بغدادیؒ پر حاضر ہو کر تبرکاتِ حضرت پیر دستگیر صاحبؒ جن میں ایک باریک وزن کا چغہ شریف اور ایک کلاہِ مبارک تھا۔ کی نشاندہی راقم کے ہاتھوں کرائی گئی۔ اور جہان اور زئرین کے علاوہ حضرت کامگار صاحب اور مولانا اشرف صاحب اندرابی بھی موجود تھے۔ یہ ملاقات کا سلسلہ بعد میں دو تین سال تک چلتا رہا۔ اور اس دوران کچھ وظائف حاصل ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ انہی دنوں رسا جاودانی صاحب جو موقع بدھرواره ڈوڈہ کے مشہور شاعر تھے سے بھی ملاقات کا شرف حاصل ہوتا رہا۔

ضلع ڈوڈہ سے میری واپسی پر مولانا اشرف صاحب اندرابی کے ساتھ وقتاً فوقتاً ملاقاتیں ہوتی رہتی تھیں۔ اور ان کی اچھی صحبت کا اثر چلتا رہا۔ اور ان کے اور باقی پیرِ کاملان کے وظائفات، کلمات، تبرکات وغیرہ کا سلسلہ چلتا رہا۔ اس کے تقریباً تیس سال کے بعد راقم اپنے برادرِ اکبر پیرزادہ غلام جیلانی صاحب کے ساتھ موضع جڈورہ علی محمد صاحب بٹ ساکنہ جڈورہ میں ایک سوشل اور سیاسی کارکن تھے۔ اور اپنے علاقہ کے سیاسی رہنما تھے۔ کے کسی تعزیہ پرسی کے سلسلہ میں اُن کے گھر جڈورہ چلے گئے تو وہاں حضرت مولانا محمد اشرف صاحب بھی اُن کے دولت خانہ پر شرف ملاقات کے لیے حاضر ہوئے۔ تو وہاں میں نے جناب اشرف صاحب اندرابی سے باتوں باتوں

میں عرض کیا کہ جو کچھ عنایات، وظائفات ہمیں اپنے بزرگ پیر کاملان سے حاصل ہوا ہے اور اجازت مل گئے ہیں۔ کیا وہ اب اپنے ساتھ ہی زمین میں دفن کر سکے یا کئی اور کو اجازت دے کر فیض حاصل کریں گے۔ تو انہوں نے جواباً فرمایا کہ کوئی حرج نہیں کہ اگر کسی کو عنایت کر سکے اور ثواب دارین حاصل کر سکے اور بزرگوں کا فیض بھی جاری رہے گا۔ چنانچہ یہ اُن کے دعاؤں کا اثر ہی تھا کہ مولانا صاحب کے وفات کے بعد ایک روز اُن کے ہی معتقد خاص جلال الدین صاحب بٹ جو کہ شاہ ہمدان ٹرسٹ پانپور کے ساتھ منسلک ہیں اور ٹرسٹ کو چلانے میں اُن کا پورا ہاتھ و دلچسپی ہے۔ میرے گھر واقع غوثیہ کالونی پانپور میری بیماری کے بعد خبر پرسی کے لیے آ گئے۔ تو باتوں باتوں میں ان وظائف کا ذکر آ گیا۔ تو بٹ صاحب مذکورہ نے کچھ وظائف عنایت کرنے کے لیے عرض کر دیا۔ چونکہ یہ کچھ باطنی ہی حضرت مولانا اشرف صاحب اندرابی کا بٹ صاحب مذکورہ کے ساتھ وابستگی کا اثر تھا کہ میں نے بھی کچھ وظائف کی اجازت بٹ صاحب مذکورہ کو دی۔ اور یہ آگے شاہ ہمدان ٹرسٹ کے اور مولانا اشرف صاحب اندرابی کے ساتھ باطنی انسیت کا اثر ہی تھا کہ اُن کو ہی پہلی دفعہ یہ اجازت نصیب ہوئی۔ اللہ قبول فرمائے۔ آمین۔

بمقام ترال جناب حضرت شریف صاحب کی خدمت میں حاضری دیا کرتے تھے۔ انہوں نے تقریباً بارہ دفعہ زیارت بیت اللہ شریف کی ہے۔ ایک دفعہ مولانا اشرف صاحب کے سامنے راقم نے جناب شریف سے عرض کی۔ کہ حج (زیارت بیت اللہ شریف) پر جانا ایک دفعہ فرض ہے لیکن آپ بار بار جا رہے ہیں تو یہ کیا وجہ ہے۔ انہوں نے جواباً فرمایا کہ میرے پیر کامل پاکستان ملتان شریف میں رہتے ہیں جس کا اسم شریف جناب حضرت رسول

شاہ صاحب ہے۔ دراصل وہ یہاں نہیں آسکتے ہیں اور نہ میں وہاں جاسکتا ہوں۔ وہ ہر سال حج پر جاتے ہیں تو میں بھی اُنہی کی ملاقات کے لیے ہر سال زیارت پر جاتا ہوں اور اُن کی ملاقات بھی ہوتی ہے اور زیارت بیت اللہ شریف بھی نصیب ہوتی ہے۔ راقم ہر سال اُن کی خدمت میں بذریعہ پیر کامل شریف صاحب پانپور کا زعفران بھیجتا تھا تو بقول شریف صاحب ترال وہ یہ زعفران حاصل کر کے آپ کے لیے دعائے خیر سے یاد کرتے ہیں۔ سال ۱۹۷۲ء میں راقم کے برادرِ اکبر پیرزادہ غلام جیلانی زیارت بیت اللہ شریف پر چلے گئے تو بقول اُن کے وہاں مکہ شریف میں بازارِ منیٰ میں اُنہوں نے اور اُن کی اہلیہ نے جناب حضرت پیر رسول شاہ صاحب سے ملاقات کی ہے۔ جہاں پیر کامل کے سامنے پاکستان اور باقی ملکوں سے ہزاروں مسلمان ان کے سامنے دوزانو بیٹھے تھے اور فیض حاصل کرتے تھے۔

ایک اور واقعہ یاد ہے یہ کہ راقم اور مولانا اشرف صاحب اندرابی کے درمیان تقریباً بارہ سال کی عمر میں فرق تھی۔ وہ مجھ سے عمر میں بڑے تھے۔ شاید سال ۱۹۴۶ء، ۱۹۴۷ء کا واقع ہے۔ ان ایام میں راقم اور مولانا محمد اشرف صاحب اندرابی کے درمیان زیادہ قربت نہیں تھی۔ لیکن مجھے یاد ہے کہ میں سرینگر اسلامیہ ہائی اسکول راجوری کدل میں زیر تعلیم تھا۔ تو ساتھ ہی وہاں اسلامی اورینٹل کالج قائم تھا۔ جہاں جناب مولانا یوسف صاحب وترہلی بحیثیت پرنسپل تعینات تھے۔ جو کہ اعلیٰ درجہ کے بزرگ، متقی، پرہیزگار، عابد، زاہد، مشائخ وقت مانے جاتے تھے۔ اور اُنہیں دنوں کشمیر میں حضرت مولانا میر واعظ کشمیری مولوی یوسف شاہ صاحب ہے۔ ایک اعلیٰ دینی مبلغ ریاست کے میر واعظ کے عہدہ پر فائز تھے اور دونوں سکول اسلامیہ ہائی سکول راجوری

کدل اور اورینٹل کالج کے سربراہ تھے۔ میرے اُن سے قریبی تعلقات تھے اور مجھے اُن کی شفقت شامل حال تھی۔ یہ ہر دن ظہر نماز کے لیے اکٹھے مل کر جامع مسجد سرینگر تمام سکول کے لڑکوں کو ساتھ لاکر نماز ظہر ادا کرتے تھے۔ چونکہ میرے اور میر واعظ مولانا محمد یوسف صاحب کے فرزند محمد یاسین صاحب کے قریبی دوستانہ تعلقات تھے۔ ہم دونوں اکٹھے ایک ہی جماعت میں پڑھتے تھے۔ اس کے علاوہ ہمارے میر واعظ خاندان کے ساتھ قریبی خاندانی قرابت بھی تھی اور اس لیے بھی مولانا صاحب کی زیادہ ہی شفقت اور محبت مجھ پر فیضان تھیں اور اس ناطے جناب وترہیلی صاحب کے فیض و محبت سے مستفید ہوتا تھا۔ یہ دونوں مولانا صاحب دیوبند کالج میں جناب حضرت انور صاحب لولابیؒ کے شاگرد رہ چکے ہیں۔ یہیں مجھے تھوڑا سا یاد ہے کہ شاید مولانا محمد اشرف صاحب اندرابی بھی اورینٹل کالج میں زیر تعلیم تھے اور دونوں مولانا حضرات جناب میر واعظ محمد یوسف صاحب اور مولانا یوسف صاحب وترہیلی کے زیر اثر تھے اور اُن سے بھی فیضیاب ہوتے تھے۔

مولانا صاحب مرحوم سید محمد اشرف صاحب اندرابی آج کل کے حالات لڑائی، جھگڑوں، قتل و غارت کے خلاف تھے اور عموماً ایک صحت مند ماحول، محبت، اخوت، باہمی اتحاد، اتفاق، اسلامی برادری، اچھے عادات کے حامی اور ان چیزوں کے اتحاد و اتفاق کے حامی ہونے کے ناطے عام طور پر مجالس میں اعلانات اور تبلیغ میں وعظ و نصیحت فرماتے تھے اور عام انسانوں خاص کر مسلمانوں کے باہمی اتفاق اور برادری، اتحاد کے حامی ہونے کے ناطے ہمیشہ بڑے بڑے اجتماعات میں وعظ نصیحت فرماتے تھے اور انہی عادات کے لیے عوام خاص کر مسلمان ان کو ہاتھوں ہاتھ لیتے تھے۔ اور ان کو عزت و

احترام سے پیش آکر ان کی وعظ ونصیحت سے مستفید ہوتے تھے۔ جناب مولانا صاحب مرحوم سستی شہرت اور جاہ حشمت کے قائل نہیں تھے۔ اُن کی وفات کشمیر کے لیے ایک صدمہ عظیم ہونے کے ساتھ ساتھ ان ہزاروں ہمنواؤں کے لیے قیامت صغریٰ سے کم نہیں تھا۔ تقدیر الٰہی کے سامنے ہر ایک کو سرِ خم تسلیم کر کے وداع کرنا ہی پڑتا ہے۔ اللہ تعالیٰ مولانا اشرف صاحب کو اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے صدقے جوارِ رحمت میں جگہ عطا کرے۔ اور ان کے صدقے احقر کو مغفرت فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

❖ ❖ ❖ ❖

علم بردار حق

حضرت علامہ سید محمد اشرف اندرابیؒ

ڈاکٹر عنایت اللہ بابا
ایسوسی ایٹ پروفیسر شعبۂ اسلامیات

اس خاکدانِ عالم پر لوگ آتے اور چلے جاتے ہیں۔ ان میں سے زیادہ تر لوگ وہی ہوتے ہیں کہ ان کے جانے کے بعد ان کا ذکر بھی کوئی نہیں کرتا اور وہ نسیاً منسیاً ہوجاتے ہیں مگر کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں کہ ان کے جانے کے بعد بھی ان کا ذکر کیا جاتا ہے اور ان کے کارنامے یاد کئے جاتے ہیں۔ ان کی تعریف وتوصیف سے دل کو سکون ملتا ہے اور زندگی میں آگے بڑھنے اور کچھ کرنے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ حضرت علامہ سید محمد اشرف اندرابیؒ ان ہی باکردار اور جامع علم وعمل علمائے حق ومشائخ عظام میں سے تھے جن کی یاد ان کے جانے کے بعد بھی آتی رہے گی۔ نہ آپ کو بھلایا جاسکتا ہے اور نہ ہی آپ کی خدمات کو فراموش کیا جاسکتا ہے۔

حضرت علامہ سید محمد اشرف اندرابی صاحب کی شخصیت محتاج تعارف نہیں۔ آپ کا تعلق زڈورا پلوامہ کے اندرابی سادات سے ہے اور آپ حسبی نسبی سیّد ہیں۔ آپ اہلسنت والجماعت کے جید عالم دین اور طالبانِ علم کے

لیے ایک مشفِق استاد تھے۔ آپ نے ریاست جموں و کشمیر کے محکمہ تعلیم میں بطور استاد کافی خدمات انجام دی ہیں۔ محکمہ تعلیم سے سبکدوش ہونے کے بعد آپ انجمن تبلیغ الاسلام سے وابستہ ہو گئے جس کے بانی وسربراہ ریاست جموں و کشمیر کے ایک نامور عالم دین حضرت مولانا سید محمد قاسم شاہ بخاریؒ تھے۔ حضرت مولانا سید محمد قاسم شاہ بخاریؒ کے دوش بدوش تبلیغ و اشاعت اسلام کے کام میں آپ نے بڑا اہم رول ادا کیا۔ انجمن تبلیغ الاسلام کے ترجمان رسالہ ''التبلیغ'' و ''الاعتقاد'' میں مختلف موضوعات پر مقالات لکھتے رہے اور حضرت سید محمد قاسم شاہ صاحب کے انتقال کے بعد ماہنامہ ''التبلیغ'' کے مدیر اعلیٰ کی حیثیت سے اہم مسائل پر فکر انگیز مقالات آپ کے نوک قلم سے منصہ شہود پر آتے رہے جنہیں ملک بھر میں پسند کیا گیا اور ہندوستان کے کئی شہروں کے جرائد نے ان کو چھاپا۔ مولانا اندرابی صاحبؒ نے دعوت وتبلیغ کی ذمہ داریوں کو پوری تندہی اور عظم و ہمت سے ادا کر کے تعلیمات اسلام کو عام کیا اور لوگوں کی اصلاح کے لیے اسلامی شعور بیدار کرنے کی تحریک شروع کی۔ آپ نے اپنی عملی جدوجہد سے فکری بے راہ روی، بے دینی اور قنوطیت کی آندھیوں میں عشق وعرفان، صحیح و درست اعتقاد اور جہد مسلسل کی مشعل فروزاں کی جس کی روشنی میں انسان جادۂ مستقیم پر ثابت قدم رہ کر اعلیٰ مقام حاصل کر سکتا ہے۔

حضرت مولانا سید محمد اشرف اندرابیؒ ایک عالم باعمل، فاضل اجل بلند قامت روحانی شخصیت تھی۔ آپ علم بردار حق اور دشمن باطل تھے، مزاج طاغوت، محافظ شریعت، مشعلِ ہدایت اور پیکر عشق ومحبت تھے۔ اسی لیے اپنی گونا گوں صفاتِ جلیلہ و اوصافِ حمیدہ کی وجہ سے آپ مرجع خاص و عام

تھے۔آپ کے انوار کا پرتو کشمیر کے اطراف و جوانب میں پڑا اور لوگ آپ کی بزرگی وعظمت کے معترف ہو گئے۔

حضرت مولانا اندرابی صاحبؒ کی بصیرت، تفقہ فی الدین، مبلغ علم کی بلندی، خوش عقیدگی، حق گوئی و بے باکی، نرم گفتاری و خوش روئی، وعظ و خطابت غرض ہر چیز قابل تعریف ہے۔

حضرت مولانا محمد اشرف اندرابی صاحبؒ اپنی عمر کے آخر پر شاہ ہمدان میموریل ٹرسٹ پانپور اور دارالعلوم غوثیہ پلوامہ کے سرپرست اعلیٰ کی حیثیت سے اپنے فرائض انجام دیتے رہے۔ شاہ ہمدان میموریل ٹرسٹ پانپور کا ترجمان ماہنامہ ''المصباح'' کے مدیر اعلیٰ کی حیثیت سے آپ کی خدمات آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہے۔آپ اپنے اداریوں میں ملتِ اسلامیہ کے مسائل اجاگر کرتے تھے اور ان کے حل کے لیے تجاویز اور آراء پیش کرتے تھے۔مسلمانوں کی پستی اور عالم اسلام میں پھیلی ہوئی بدامنی اور سامراجی طاقتوں کی طرف سے کی جانے والی سازشوں کے سدباب کے لیے غور وخوض کرنے اور مثبت اقدام اٹھانے پر زور دیتے تھے۔آپ مسلمانوں کے باہمی انتشار اور تفرقہ سے ملول اور افسردہ رہتے تھے جس کی گواہی ''المصباح'' کے اوراق سے ملتی ہے۔

حضرت مولانا اندرابی صاحب ہمیشہ اسلاف کے طریقے پر چلتے رہے۔ آپ ایک سچے عاشق رسولؐ تھے۔تقریر، تحریر، تدریس، غرض ہر میدان کے غازی تھے۔اسی کے ساتھ ساتھ بہت ہی خاکسار اور شیرین مقال بھی تھے۔ ان کی سادگی وخوش اخلاقی، شیرین کلامی، علم وعمل کی پختگی کو دیکھ کر قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں کی یاد تازہ ہوجاتی تھی۔ پیرانہ سالی میں بھی ان کی

قوتِ حافظہ بہت ہی قابلِ رشک تھی۔

ملت اسلامیہ کے ایک غم خوار کی حیثیت سے مولانا اندرابی صاحبؒ کا دل ہمیشہ دھڑکتا رہتا تھا۔ بابری مسجد کا تنازعہ ہو یا قادیانیت کی آفت کا پھیلاؤ، عیسائی مشنریوں کی تعلیم کے نام پر مرتد بنانے کا سلسلہ ہو یا وادی کشمیر میں تباہ کن حالات اور ظلم و بربریت کا ننگا ناچ، مولانا وحید الدین خان دہلوی کے خیالات ہوں یا وہابیوں دیوبندیوں کے گمراہ کن عبارات، مسلم اداروں کی بدنظمی اور بدانتظامی ہو یا مسلم علماء و قائدین کی آپسی رشہ کشی اور اختلافات مولانا سید محمد اشرف اندرابی صاحب نے بغیر کسی دھونس دباؤ اور مصلحت کے ہر موضوع پر بے لاگ تبصرہ کیا اور اپنی عالمانہ رائے کو پیش کیا۔ جب بھی اسلامی شعائر بزرگان دین یا خوش عقیدگی پر کسی ظالم نے ضرب لگانے کی کوشش کی تو آپ کا قلم ہمیشہ دفاع کے لیے حرکت میں آیا۔ آپ دشمنانِ دینِ متین کے سر پر ایک شمشیر برہنہ تھے جس سے دشمنانِ دین لرزاں اور ترساں تھے۔ دعا ہے کہ رب کائنات حضرت مولانا اندرابی صاحب کو کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے اور ہم کو آپ کے دکھائے ہوئے راستے پر چلنے کی توفیق بخشے۔ آمین ثم آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

❖❖❖❖

ادارہ اوقاف اسلامیہ کی اصلاح کے تئیں علامہ محمد اشرف اندرابی صاحب کا کردار

سرتاج احمد صوفی
ریسرچ اسکالر شاہ ہمدان انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک اسٹڈیز، یونیورسٹی آف کشمیر

جو قوم اپنی تاریخ نہیں پڑتی بہت جلد اُس قوم کی جغرافیہ بدل جاتی ہیں۔ اس بات کو مدِ نظر رکھ کر جب ہم حنفی المذہب وصوفی المشرب مسلمانوں کے ''ادارہ اوقاف اسلامیہ'' کا تاریخی جائزہ لیتے ہیں تو یہ بات اظہر من الشّمس کی طرح عیاں ہوتی ہے کہ ہم نے اپنی تاریخ کو بُلا دیا ہے۔ جس کا منطقی نتیجہ یہ ہوا کہ ادارہ اوقاف اسلامیہ آج ''وقف بورڈ'' کی صورت اختیار کر گیا۔ یہ ادارہ مذہبیت سے لادینیت کی شکل اختیار کر چکا ہے۔ ادارہ اوقاف اسلامیہ اور مسلم اوقاف ٹرسٹ کب اور کیسے وقف بورڈ بنا؟ اس کے پیچھے کیا وجوہات کارفرما ہیں۔ اس کی پوری تاریخ سے سُنی حنفی مسلمان بالکل کورے دکھائی دے رہے ہیں۔ یہاں کے حنفی المذہب وصوفی المشرب مسلمانوں میں سے کسی ایک عالم، فاضل، محقق ومصنف نے آج تک اس سنگین اور ضرورتِ وقت مسئلے کی طرف توجہ نہیں دی۔ یہاں کی پوری تاریخ میں کسی نے اس مسئلے پہ بات نہیں کی۔ ایسا لگتا ہے جیسے یہ کوئی مسئلہ ہی نہیں ہیں۔ دریں حالانکہ اس جیسا سنگین مسئلہ سُنی صحیح العقیدہ کشمیریوں کے لیے شاید ہی کچھ اور ہوگا۔

روایتی مدارس کے علماء میں سے اس مسئلہ پر بڑی سنجیدگی سے غور کرنا،

اس کو ارباب حل وعقد تک پہنچانا اور عوام الناس کو اس مسئلے سے واقف کرانے والی شخصیت کو ہم علامہ سید محمد اشرف اندرابی کے اسم گرامی سے جانتے ہے۔ علامہ موصوف صرف ایک شخص نہیں بلکہ اپنی ذات میں ایک کارواں کی حیثیت رکھتے ہیں۔ وہ اپنے دور کے عالم، فاضل، صوفی، واعظ، مدرس اور مصنف ہونے کے ساتھ ساتھ زمانے کے سیاسی وسماجی حالات پر بھی گہری بصیرت رکھتے تھے۔ احقر کے قلیل تحقیق کے مطابق علامہ موصوف وہ پہلا اور آخری سُنی عالم دین ہے جنہوں نے پہلی بار ''ادارہ اوقاف اسلامی سے وقف بورڈ تک'' تاریخی روداد بیان کی۔ اس سے جڑے تمام مسائل کو صریحاً بیان کر دیا۔ عوام تو عوام، علماء ومبلغین کو بھی اس کی طرف متوجہ کرنے کی سعی کی۔ اور ساتھ ساتھ حکومت وقت کو بھی متنبہ کرتا رہا۔ اس سلسلے میں علامہ موصوف نے ''المصباح'' کے اداریے میں تین بار اس مسئلے کو مشتہر کیا۔ ان اِدارت کے عنوانات کچھ یوں ہیں:

(۱) ادارہ اوقاف اسلامیہ سے وقف بورڈ تک (ستمبر ۲۰۰۴ء)
(۲) مسلم اوقاف ٹرسٹ کے زیر اہتمام اسلامک یونیورسٹی کا قیام (ستمبر ۲۰۰۵ء)
(۳) کچھ ذکر مسلم اوقاف ٹرسٹ مرحوم کا (ستمبر ۲۰۰۹ء)

اول الذکر ''ادارہ اوقاف اسلامیہ'' کی تاریخی روداد سے متعلق ہے۔ ۱۹۴۰ء سے لے کر ۲۰۰۳ء تک کی پوری داستان کو بیان کر دیا ہیں۔ یوں کہیے کہ مذہبیت سے لادینیت کی تاریخ کو بڑی تفصیل سے بیان فرمایا۔ ادارہ اوقاف اسلامیہ سے وقف بورڈ تک کی ساری روداد اور اس پر کف افسوس اور حنفی عوام کی اس سے ناواقفیت کی ساری بحث کو جامع الفاظ میں نذر قرطاس کر دیا ہیں۔

علامہ موصوف کے مطابق مجاورین حضرات، غیر احناف، ملحقہ مساجد کے ائمہ وخطباء اور قلیل التعداد صاحب عام لوگوں کی بے بضاعتی اور بے توجہی کے نتیجے میں مسلمانوں کا بڑا ادارہ جس کو بقول علامہ موصوف کے عام المسلمین نے اپنے خون پسینے کی کمائی سے قائم کیا اور جس کی سالانہ آمدنی کروڑوں روپے ہیں، اسلام اور ملّت اسلامیہ کی کوئی خدمت انجام دینے کے بجائے سیکولر حکومت کے ایک محکمہ میں تبدیل ہو گیا۔

ثانی الذکر ادارے میں علامہ نے ادارہ اوقاف اسلامیہ کی مسخ شدہ صورت اور اس کے تئیں عوام حنفی المذہب کی سرد مہری کا اظہار کیا۔ ساتھ ساتھ اوقاف کے زیر اہتمام اسلامک یونیورسٹی کے قیام کے حوالے سے حکومت کے ناپاک عزائم کو طشت از بام افشاں کر دیا۔

آخر الذکر اداریے میں علامہ صاحب نے کھل کر سرکار کی شدید الفاظ میں مخالفت کی۔ اور حکومت وقت کے اقدام کو مخالفت فی الدین قرار دیا۔ تمام دیگر مذہبی جماعتوں کے اوقاف کو چھوڑ کر صرف حنفی اوقاف پر ہی شب خون کیوں مارا۔ اس مسئلے کو لے کر علامہ صاحب تمام عمر بے قرار رہے اور وقتاً فوقتاً حکومت اور عوام کو اسی کی طرف متوجہ کرتا رہا۔ افسوس اس بات پر ہوتا ہے کہ آج تک علماء احناف خاص کر سُنی صحیح العقیدہ لوگوں نے کیونکر اس سنگین مسئلے کو نظر انداز کیا اور کرتے آرہے ہیں۔ جس کے خاطر علامہ موصوف نے اپنی پوری زندگی جہاد بالقلم اور جہاد باللسان جاری رکھا۔ میں اس اُمید کے ساتھ اس مضمون کو یہی پہ اختتام کر رہا ہوں کہ دیر سے صحیح مگر حنفی العقیدہ مسلمان ضرور اس مسئلہ کی طرف متوجہ ہو کر اس کے اصلاح کی سعی بلیغ کو جاری وساری رکھیں گئیں۔ آمین بجاہ النبی المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم۔

❖ ❖ ❖

قائد اہلِ سنّت علامہ سید محمد اشرف اندرابی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ

میری سرگذشت

نذیر احمد میر پانپوری

یہ ۱۹۸۷ء کی بات ہے کہ میں اور میرے ایک دوست محمد یاسین میر آف چکِ سردار نے جمعہ کی نماز پلوامہ میں ادا کی، جب ہم بس اسٹینڈ پر واپس پہنچے تو دیکھا کہ کچھ لوگ ایک باریش نورانی بزرگ کے اردگرد کھڑے ہیں، میں نے جونہی اس بزرگ کو دیکھا تو ان کی نورانی صورت اور ہنس مکھ چہرہ دیکھ کر ہی گرویدہ ہوگیا، میں نے اپنے دوست سے اُن کے متعلق دریافت کیا تو اُس نے جواب دیا یہ بہت بڑے عالمِ دین مولانا سید محمد اشرف اندرابی ہیں اور جڈورہ میں رہتے ہیں۔ اکثر پاکستان جاتے رہتے ہیں۔اس وقت جامع مسجد میر صاحب وشہ بیگ پلوامہ میں جمعہ امامت وخطابت کا فریضہ ادا کرکے آئے ہیں۔

اس کے بعد ایک روز اسلامک لائبریری کدلہ بل پانپور (جو کہ ۱۹۷۷ء میں وجود میں آئی تھی) کے ایک رکن غلام محمد لون جونیئر نے تمام ممبران کو دھوبی مسجد میں جمعہ ادا کرنے کی یہ کہہ کر دعوت دی کہ وہاں مولانا سید محمد اشرف اندرابی کا خطاب ہونے والا ہے۔ چنانچہ دیگر ممبران کی طرح میں بھی وہاں پہنچا تو لون صاحب نے حضرت مولانا کا تعارف کراتے ہوئے عوام سے یہ

بھی کہا کہ یہ بہت بڑے عالمِ دین ہیں، ہمارے قصبہ کے میر واعظ مولانا یاسین ہمدانی صاحب اِن کی نہایت عزت وتکریم کرتے ہیں۔

یہ تھی وہ ساعت جب کدلہ بل پانپور میں مولانا اندرابی صاحب کا تعارف ہوا۔ پھر حضرت مولانا کے ساتھ کدلہ بل پانپور کے نوجوانوں کا مستقل رابطہ رہا، چند ایک نوجوان آپ کے مرید بھی ہوگئے اور آپ کے کچھ اور تبلیغی پروگرام بھی کدلہ بل میں طے پائے۔

پھر ۱۹۹۰ء میں راقم کے تحریر کردہ ''اللہ کی نشانیاں'' رسالے کا مسودہ دیکھ کر حضرت مولانا نے راقم کی کافی حوصلہ افزائی فرمائی اور پھر اسلامِک لائبریری کے اہتمام سے وہ رسالہ شائع کرکے مفت تقسیم کیا گیا۔

اس کے بعد ۱۹۹۱ء میں جب راقم کا اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خانؒ کے تعارف پر مبنی 'دعوتِ فکر' نامی رسالہ دہلی سے چھپ کر آ گیا تو میں نے اس پر علامہ ارشد القادریؒ کے تقدیمی کلمات دیکھ کر ناپسندیدگی کا اظہار کیا اور مکتبہ جام نور دہلی کی جانب سے مزید دو تین صفحات کا معاوضہ بارِگراں محسوس کیا۔ بہرحال وہ رسالہ جب میں نے مولانا اندرابی صاحب کی خدمت میں پیش کیا۔ آپ نے اسے دیکھ کر کافی مسرّت کا اظہار کیا لیکن جب اس پر علامہ ارشد القادری صاحبؒ کے لکھے ہوئے تقدیمی کلمات دیکھے تو حیران ہوکر میری جانب ٹکٹکی باندھ کر سوالیہ انداز سے دیکھنے لگے اور فرمایا: کیا تم جانتے ہو کہ تمہارے اس رسالے پر یہ تقدیمی کلمات لکھنے والے عالم کون ہیں؟ میں ابھی جواب سوچ ہی رہا تھا کہ خود ہی فرمانے لگے: یہ عالم اسلام کی بہت بڑی ہستی ہے، یہ ورلڈ اسلامِک مشن کے جنرل سیکرٹری ہیں، ان کے تمہاری کتاب پر لکھے ہوئے یہ کلمات تمہارے لیے ایک بہت بڑا اعزاز ہے۔ میں سنتا ہی رہ

گیا اور دل ہی دل میں اپنی کم فہمی پر شرمندہ ہو کر رہ گیا۔

۱۹۹۲ر میں مولانا موصوف نے دُرسو پلوامہ میں ’’دارالعلوم نعمانیہ‘‘ کے نام سے ایک مدرسہ قائم کرنے کا پروگرام بنایا۔ مدرسہ کی ایک منزلہ عمارت جب مکمل ہوئی تو ایک مخصوص فکر سے وابستہ چند تنگ نظر اور متعصب بندوق برداروں نے ہلہ بول کر اسے ایک سازش کے تحت منہدم کر دیا۔ اس واقعہ سے مولانا موصوف اور ان کے رفقاء کو سخت صدمہ ہوا۔ چنانچہ بعض حلقوں نے اس مرحلہ پر تخریب کاروں کے خلاف کاروائی اور احتجاج کرنے کی صلاح دی مگر مولانا موصوف نے کمال صبر و استقامت کا مظاہرہ کر کے اس نازک مرحلے پر یہ تاریخی الفاظ بیان فرمائے: ’’ہم یہ زہر کا پیالہ صبر واستقلال کے ساتھ حلق سے اُتار کر ایسی کسی بھی کاروائی سے گریز کریں گے جس سے ملت کے بکھرے ہوئے شیرازے کو اور زیادہ نقصان پہنچے اور اس وجہ سے ہمیں بارگاہِ صمدیت میں جواب دہ ہونا پڑے، ہم یہ معاملہ اللہ تعالیٰ جل مجدہ کی بارگاہ میں پیش کر کے خوشگوار اور خوش آئندہ فیصلہ کا انتظار کریں گے، چنانچہ مدرسہ کے انہدام کی اس حرکت کی مختلف حلقوں میں شدید مذمت کی گئی اور مولانا اندرابی صاحب کے صبر و تحمل کی داد دی گئی۔

پھر ۱۹۹۳ء میں ہی راقم الحروف نے چھ رسائل پر ایک مجموعہ بنام ’’مشعلِ راہ‘‘ ترتیب دے کر شائع کیا اور اس کا ابتدائی حصہ ’’درسِ اتحاد‘‘ مولانا اندرابی صاحب کے سامنے پیش کیا۔ آپ نے اس کی ادبی خامیاں دور فرمائیں اور ہم نے مشعلِ راہ شائع کر کے وادیٔ کشمیر کے گوشے گوشے میں اس کو پہنچایا۔

دریں اثنا مولانا سید محمد اشرف اندرابی صاحب پانپور اپنے ایک معتقد

کے ہاں تشریف لائے، ہم ان کی خدمت میں گئے اور دارالعلوم کے قیام کا ذکر بھی کیا۔ انہوں نے حوصلہ افزائی فرمائی۔ ان دونوں چونکہ میر واعظ مولانا محمد یاسین صاحب ہمدانیؒ بسترِ علالت پر تھے، لہٰذا مولانا اندرابی صاحب، ہمدانی صاحب کی عیادت کے لیے چند نوجوانوں کو ہمراہ لے کر اُن کے دولت خانے پر چلے آئے۔ اندرابی صاحب نے ان کو باتوں باتوں میں ہمارے دارالعلوم قائم کرنے کے پروگرام سے بھی آگاہ کیا اور انہیں ہماری سرپرستی کرنے کی طرف توجہ دلائی۔ لیکن مولانا یاسین ہمدانی صاحبؒ نے علالت کا عذر فرما کر مولانا اندرابی صاحب سے ہی سربراہی نبھانے کی خواہش ظاہر کی۔

جب دارالعلوم کے خیالی خاکے کو زمین پر منتقل کرنے کا وقت آیا تو دو کمروں ایک ہال اور ایک غسل خانہ پر مشتمل ایک منزلہ عمارت کی بنیاد ۲۹ نومبر ۱۹۹۳ء کو زمین کی کھدائی کے ساتھ شروع ہوئی اور سنگِ بنیاد ڈالنے کے لیے پانپور کے مشہور بزرگ محترم احسن شاہ صاحبؒ کی خدمت میں جا کر انہیں اس کارِ خیر کے واسطے تیار کیا۔ انہوں نے غیر رسمی طریقے سے کھجور کی ایک گٹھلی پر دَم کر کے فرمایا: ''جاؤ اِسے بنیاد میں ڈال دو اور خلوص، جواز اور ضرورت کے تحت اس نیک کام کا آغاز کرو''۔

چنانچہ ۲۴ رجمید الثانی ۱۴۱۴ھ مطابق ۹ دسمبر ۱۹۹۳ء اس دارالعلوم کی سنگِ بنیاد ڈالی گئی۔ اسی دسمبر کی ۱۲ تاریخ کو مولانا یاسین ہمدانی صاحبؒ کا انتقال ہوا۔

نومبر ۱۹۹۴ء میں دارالعلوم انتظامیہ نے اس امر کی ضرورت کو محسوس کیا کہ دارالعلوم کے کام چلاؤ کے لیے ایک ٹرسٹ تشکیل دیا جائے۔ اس وجہ سے چند سرکردہ حضرات کے دولت خانوں پر اجلاس بلائے گئے اور اس تجویز

پر تبادلہ خیال ہوا۔ بالآخر ۱۱ر دسمبر ۱۹۹۴ء، بروزِ اتوار ایک نشست ہوئی اور ٹرسٹ تشکیل دیا گیا۔

راقم الحروف کی یہ تمنا تھی کہ کسی بھی طرح جلد از جلد دارالعلوم کو چالو کرنے کا خواب رُو بہ عمل آئے گا اور یہاں ننھے ننھے حافظِ قرآن، سروں پر سفید ٹوپیاں پہنے نظر آئیں۔ لیکن انتظار کی گھڑیاں طویل ہوتی جارہی تھیں۔ ایک روز میں نے حضرت اندرابی صاحبؒ سے جذباتی انداز میں عرض کیا کہ اگر امسال دارالعلوم چالو نہ ہوگا تو میں خودکشی کروں گا۔ آپ نے یہ سنتے ہی دانتوں میں انگلی دبا کر فرمایا: فوراً توبہ کرلو۔ چنانچہ میں نے اسی وقت توبہ کی۔ فرمایا: ایسی بات کبھی زبان سے نہیں نکالنی چاہیے''۔ اس روز میں ''پہلے تولو پھر بولو'' والی کہاوت پریکٹیکل طور سمجھ گیا۔

۱۹۹۵ء میں جب راقم نے ''موئے مقدس کی عظمت'' رسالہ لکھ کر آپ کے سامنے رکھا تو آپ کافی خوش ہوئے اور رسالہ کا مسودہ اپنے ساتھ لے لیا، پھر ایک جاندار تقریظ لکھ کر مجھے واپس کردیا۔ یہ میری کسی کتاب پر آپ کی پہلی تقریظ تھی۔ تقریظ میں آپ نے میری کاوش کو سراہا اور میری خوب حوصلہ افزائی فرمائی۔ چنانچہ اس کتاب پر آپ کی لکھی ہوئی تقریظ دیکھ کر مولانا شوکت حسین کینگ صاحب نے اس کتاب کا بغور مطالعہ کیا اور مجھے ایک خط لکھ کر مبارک باد دی اور بالخصوص قائد اہل سنت کی تقریظ کو میرے لیے ایک سند کے مترادف قرار دیا۔

دارالعلوم شاہ ہمدان کی باضابطہ رسمِ افتتاح بروز اتوار ۴ر اگست ۱۹۹۶ء مطابق ۱۸ر ربیع الاول ۱۴۱۷ھ کو مولانا اندرابی صاحب کے مبارک ہاتھوں انجام پائی۔ اس روز دارالعلوم ھٰذا کے اہتمام سے مسجد ہمدانیہ کدلہ بل

پانپور میں میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ایک جلسہ منعقد کیا گیا۔ رسمِ افتتاح کے بعد مولانا موصوف کو ایک پُروقار جلوس کی صورت میں مسجد ہمدانیہ لے جایا گیا اور وہاں موصوف کے علاوہ دیگر علماء کے خطابات ہوئے۔

۱۹۹۷ء میں میری اگلی کتاب ''اللہ والوں کی نشانیاں'' قائد اہل سنت کے شاندار پیشِ لفظ کے ساتھ شائع ہوئی۔ یہ کتاب مولانا سید قاسم شاہ بخاری صاحب کی نظروں سے بھی گزری۔ چنانچہ میں نے اپنی زندگی میں پہلی مرتبہ مولانا بخاری صاحب سے جامع مسجد سیکہ ڈافر سرینگر میں ملاقات کی جب آپ وہاں قیلولہ فرما رہے تھے، تو انھوں نے پوچھا کیا نام ہے اور کہاں رہتے ہو؟ جب میں نے اپنا نام بتایا اور پھر پانپور کا نام لیا۔ تو کچھ سوچ کر فرمانے لگے: کیا نذیر احمد میر پانپوری ہو، جس نے ''اللہ والوں کی نشانیاں'' لکھی ہے۔ میں نے اثبات میں سر ہلایا۔ تو آپ نے پرمسرت مکھڑے اور مسکراتے لبوں کے ساتھ میری طرف محبت و شفقت کے ساتھ دیکھا اور میری پشت پر تھپکی دے کر فرمایا شاباش شاباش۔ جب مجھے وہ واقعہ یاد آتا ہے تو اُس حوصلہ افزا تھپکی کا لمس آج بھی مجھے اپنے کمزور اور ناتواں کندھوں پر محسوس ہوتا ہے اور وہ شاباشی آج بھی میرے ڈگمگاتے قدموں کو مضبوط سہارا فراہم کرتی ہے۔ پھر میں تڑپ تڑپ کر خوب رونا چاہتا ہوں کہ یہ سب قائدِ اہلِ سنت مولانا اندرابی صاحبؒ کی شفقت و مروت کا نتیجہ ہے جس نے پیش لفظ لکھ کر میری بے مایہ تحریروں کو علمائے کرام کی بارگاہوں تک پہنچا دیا۔ ورنہ میں کیا اور میری تحریر کیا۔

حضرت اندرابی صاحبؒ کی شفقت و محبت مجھ پر ایسی تھی اور اعتبار مجھ پر اتنا تھا کہ ایک دفعہ عید کی نماز اپنے آبائی گاؤں جڈورہ میں پڑھائی، دورانِ

خطاب عوام الناس کے مجمع میں پانپور کے کسی نوجوان کا نام لے کر تذکرہ چھیڑا اور اتنی تعریفیں بیان کیں کہ لوگ اُس نوجوان کو دیکھنے کے متمنی ہو گئے۔ جب یہ بات وہاں کے رشتہ داروں نے مجھے بتائی تو میں پتے کی طرح لرزنے لگا۔ میں خود تو اپنے عیوب کے لحاظ سے اپنی تعریفیں قبول نہ کر سکا لیکن آپ کی زبان سے نکلے ہوئے الفاظ کو آپ کی شان کے لحاظ سے رَد نہ کر سکا۔

سانحہ چرارشریف کے بعد جب وہاں نئی تعمیر مکمل ہوئی تو قائد اہل سنت نے وہاں پیر غلام نور الدین فاتحہ خوان کے مخلصانہ تعاون سے ہر سال ''جلسہ سیرت و مجلس توبہ واستغفار'' کے لیے ایک شبِ جمعہ مقرر فرمایا۔ اس شب میں وادی کے گوشے گوشے سے لوگ آکر شمولیت کرتے۔ لیکن اُس روز وہاں حسب روایت شب جمعہ ہونے کی وجہ سے مستورات کی بھی خاصی تعداد ہوتی، لہٰذا میری طبیعت چاہتی تھی کہ آستانِ عالیہ کے بجائے ہمارے جلسہ خانقاہِ عالیہ کی متبادل جگہ پر ہو۔ تاکہ مخالفین جو اعتراضات ہم پر وارد کرتے ہیں کہ مزارات پر مردوں اور عورتوں کا اختلاط ہوتا ہے، وہ اعتراض ہم پر نہ آئے۔ لیکن حضرت کے سامنے یہ تجویز رکھنے کی کبھی جرأت نہ کر سکا۔ ایک دفعہ میں نے مولوی محمد امین شاہ صاحب پلوامی کی وساطت سے یہ تجویز بھیجی کہ ہمارا اجتماع زیارت گاہ کے بجائے خانقاہ میں ہونا چاہیے۔ لیکن اس تجویز کا کوئی جواب نہ آیا اور مجھے بھی مولانا صاحب کے ساتھ حسب سابقہ بقعہ عالیہ میں ہی تقریر کرنی پڑی۔ اگلے سال میں نے تہیہ کر لیا کہ اگر اجتماع زیارت گاہ میں ہوا تو میں شرکت نہیں کروں گا یا کم سے کم تقریر نہیں کروں گا۔ اور ہوا بھی یہی، میں نے مولوی محمد امین صاحب کے سامنے تقریر سے صاف انکار کر دیا۔ اس نے جواباً کہا

کہ حضرت مولانا تم سے ناراض ہو جائیں گے۔لیکن میں نے نہ مانا۔ عجیب بات یہ تھی کہ مولانا صاحب نے مجھے کبھی یہ محسوس ہی نہ ہونے دیا۔ جب یہ سال گزر گیا تو اگلے سال میں پھر تھک ہار کر بلا کسی انکار کے تقریری پروگرام میں واپس شامل ہو گیا۔ اس سال جب حضرت مولانا توبہ واستغفار کرانے لگے تو خوب روئے اور فرمایا: لوگو! مجھ سے وعدہ کرو، میں زندہ رہوں نہ رہوں، تم لوگ ہمیشہ توبہ و استغفار کی یہ روایت قائم رکھنا۔ اسی طرح ہر سال اس دربارِ عالیہ میں ایک شب حاضری دیا کرنا۔ سب نے وعدہ کیا۔لیکن آپ نے بارِ دیگر وعدہ کرواکے فرمایا: سب لوگ غور سے سن لو! میں خانقاہِ عالیہ میں نہیں کہتا۔ بلکہ اسی جگہ شیخ العالمؒ کے پاس، اسی دربار گہربار میں وعدہ کرو، میں رہوں نہ رہوں۔

میں اس وقت آپ کی کرسی کے ایک طرف نیچے ساتھ میں بیٹھا تھا اور آپ کے قدموں کو پکڑے ہوئے تھا، مجھے لگا کہ آپ گویا یہ سب مجھے ہی مخاطب ہو کر فرما رہے تھے اور میرے سوالوں کا جواب دے رہے تھے، توبہ و استغفار کی اس ساعت میں تمام لوگ رو رہے تھے اور حضرت کی ہچکیاں کچھ اس طرح لگ رہی تھیں جیسے کوئی چھوٹا بچہ بلک بلک کر چیختا ہے۔ میں تڑپ تڑپ کر روتا رہا، دھاڑیں مار مار کر روتا رہا اور آنسوؤں کی لڑیاں تھمنے کا نام نہیں لیتی تھیں۔

پھر ایک روز مجھ پر آشکار ہوا اور مجھے محسوس ہو گیا کہ شیخ العالمؒ کے دربار میں حاضر ہو کر اللہ تعالیٰ کی بارگاہِ اقدس میں توبہ واستغفار کرانے کا کیا راز کیا تھا۔ حالانکہ آپ نے متعدد مرتبہ اس بات کا اظہار فرمایا تھا وہ یہ کہ جب یکم مارچ ۱۹۹۰ء پورے کشمیر سے لاکھوں لوگوں کی ریلی چرار شریف پہنچی تو

وہاں پر عسکری لیڈروں کی تقریریں ہوئیں اور ان تقریروں میں ندامت و رجوع الی اللہ، اور اللہ تعالیٰ سے فتح و نصرت طلب کرنے کے بجائے، یہی نعرے لگائے اور لگوائے گئے۔ کہ لوگو! تمہارے گھر جلائے جائیں گے، تیار ہو؟ لوگ کہتے جارہے تھے ہم تیار ہیں۔ نعرے لگتے تھے لوگو! تمہارے بچے قتل کئے جائیں گے، تیار ہو؟ لوگ کہتے جاتے ہم تیار ہیں۔ نعرے لگتے تھے لوگو! عصمتوں کی قربانیاں دینی پڑیں گی، پیچھے ہٹو گے؟ لوگ کہتے جاتے پیچھے نہیں ہٹیں گے، ہم تیار ہیں، نعرے لگتے، لوگو! خون کی ندیاں بہیں گی، تیار ہو؟ لوگ کہتے ہم تیار ہیں۔ گویا کشمیری عوام فیض و رحمت طلب کرنے کے بجائے خود ہی تجاویز لے کر آ گئے تھے اور گویا دعویٰ کے انداز میں اُن ہی تجاویز پر علمدارِ ملکِ کشمیر رحمۃ اللہ علیہ سے دستخط چاہتے تھے۔ پھر کیا ہوا؟ یہی کچھ ہوا اور ہو بہو ہوا اور ابھی بھی ہو رہا ہے، کہاں جا کر تھمے گا اور کب تھمے گا کچھ معلوم نہیں ہو پا رہا ہے۔ قائد اہل سنت کی فراستِ مومنانہ بھانپ گئی کہ لوگوں نے عہد و پیمان کرنے اور کرانے میں فکر و فہم کے بجائے جذبات سے کام لیا ہے۔ کیوں نہ اُسی دربار میں پھر جا کر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ صمدیت جل و علیٰ میں توبہ و استغفار کیا جائے، اور اپنی ناتوانی اور عاجزی کو پیش کیا جائے اور رحمت و فیض و برکت کے طلبگار ہو جائیں تا کہ یہ ملک کشمیر دنیوی اور اُخروی آزادی و نجات کا پروانہ حاصل کرے۔

آخری ایامِ علالت میں حضرت مولانا کا حال کچھ عجیب محسوس ہوا۔ آپ کو میں نے باریک بینی سے دیکھا، نہ ہی کوئی آہ کبھی آپ کے دہن سے نکلی اور نہ کوئی شکایت، نہ کبھی سسکے نہ کراہے۔ بالکل خاموش ہو کر پتہ نہیں کن کن خیالات میں محو رہتے تھے اور کبھی زیرِ لب مسکراتے جو مسکراہٹ مجھے کافی معنی

خیز محسوس ہوتی تھی۔ شاید قدرتِ خداوندی کے وسیع مطالعہ میں مگن دکھائی دیتے، نگاہیں ایسے پھرتے گویا فضاؤں میں کچھ مطالعہ کرتے یا پھر مشاہدہ کرتے۔

آپ کے انتقال سے لگ بھگ دو ماہ پہلے رجب المرجب کے مہینے میں شب جمعہ کو مجھ پر ایک عجیب کیفیت طاری ہوگئی۔ میں گہری سوچ میں پڑ گیا اور اپنی زندگی کے شب و روز اور ڈھلتی ہوئی زندگی کے پیشِ نظر اپنا محاسبہ کرنے لگا لیکن خود کو تہی دست پا کر ماہی بے آب کی مثل بے قرار ہوگیا، اپنی جوانی کا سنہرا دور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معرفت سے بے بہرہ رہا، اور موجودہ دور رکھ رکھاؤ، ریا کاری، خو بینی و خودنمائی میں ضائع ہوتا دکھائی دیا، خود کو خود رَو درخت سمجھ کر بہت پچھتانے لگا۔ اسی حالت میں صبح کی نماز مع اورادِ فتحیہ درود وسلام اور دُعا کے بعد بلا کچھ کھائے پیئے سیدھے پیدل نکل گیا۔ چاہا کہ دونوں ہاتھ گھاس کی رسی سے باندھ کر مولانا صاحب کے پاس جاؤں، معاً سوچا کوئی دیکھ لے گا تو مکاری سمجھے گا، بہرحال ذکر و تسبیح، توبہ و استغفار کرتا ہوا پیدل چلتا گیا، بالآخر ساڑھے تین گھنٹے کے بعد جڈورہ میں واقع مولانا صاحب کے دولت خانے پر پہنچا، آپ کے کمرے میں داخل ہوا تو آپ کو چارپائی پر سوئے ہوئے پایا۔ کمرے میں اور کوئی موجود نہ تھا۔ میں خاموش بیٹھا رہا، کچھ وقت گزر گیا کہ آپ آرام سے بیدار ہوئے، اس حالت میں کہ نہ کروٹ بدلنے کی قوت تھی اور نہ ہی زیادہ باتیں کرنے کی سکت تھی۔ میں اٹھا اور آپ کے پاس آکر سلام کیا، آپ کو کروٹ بدلنے میں سہارا دیا۔ تھوڑی دیر کے بعد فرمایا صبح صبح کیسے آئے ہو؟ میں نے عرض کیا پیدل آیا ہوں، ہاتھ جوڑ کر آیا

ہوں، میں شرمندہ ہوں، مجھے معاف فرمائیں، میں نہ اپنے لیے کچھ کر سکا اور نہ آپ کی توقعات پر پورا اُتر سکا اور نہ ہی دین وملت کی کوئی خدمت انجام دے سکا۔ اب میں جان گیا ہوں کہ میرا لکھنا بس ایک مشغلہ ہے، میرا تبلیغ وتقریر کرنا فقط ادارکاری ہے، میں ڈونگی ہوں، میں ریاکار ہوں، میں اب آج سے نہ ہی تبلیغ کروں گا اور نہ ہی کچھ لکھوں گا، بلکہ اپنی زبان بند رکھوں گا اور اپنا قلم توڑ دوں گا، کیونکہ میں نہ کسی استاد کے اجازت کے تحت لکھتا ہوں اور نہ ہی کسی خاص ارشاد کی تعمیل میں تبلیغ کرتا ہوں۔ میں ایک مجرم ہوں اور خودساختہ مبلغ وقلمکار ہوں۔ اب میں آپ کے پاس آکر ان تمام امور سے دستبردار ہونے کا اعلان کرتا ہوں، میرے لئے دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ مجھے بخش دے اور خود آپ بھی مجھے معاف فرمائیں۔ یہ سب کہتے کہتے میں زاروقطار روتا رہا اور اتنا رویا یہاں تک کہ میرے رونے کی قوت بھی ختم ہوگئی اور آنسو بھی روتے روتے سوکھ گئے۔ آپ میری حالت دیکھ کر اپنے ہاتھوں کو ہلا ہلا کر مجھے چپ کرانے کی کوشش کرتے رہے۔ آخر میں فرمایا دیکھو تمہاری تبلیغ کرنا بھی اچھا ہے اور کتابیں تحریر کرنا زیادہ اچھا ہے۔ کیونکہ تبلیغ تو لوگ بھول بھی جاتے ہیں لیکن کتاب موجود رہتی ہے۔ تم ان میں سے کوئی بھی کام بند نہ کرنا۔ یہ جاری رہنا چاہیے۔

میری تسلی دینے کے بعد پھر پوچھا: آج کون سا دن ہے؟ میں نے عرض کیا: جمعہ کا دن ہے۔ فرمانے لگے تم اُٹھو اور مسجد میر صاحب (جامع مسجد وشہ بگ پلوامہ) جاؤ اور وہاں میری جگہ خطاب کرو، مولوی محمد امین شاہ سے کہہ دینا کہ تجھے تبلیغ کرنا ہے۔ میں یہ سن کر حیران و پریشان خاموش ہوا کہ میں کیا

کرنے آیا تھا اور مولانا صاحب کیا ارشاد فرماتے ہیں۔ کچھ دیر کے بعد فرمانے لگے اب جلدی جاؤ پھر دیر ہو جائے گی۔ میں خاموشی سے اُٹھا اور جامع مسجد میر صاحب کی جانب قدم بڑھائے۔

آپ کے ساتھ رفاقت کا حال، آپ کی شخصیت اور آپ کی علمی بلندی، اور آپ کے فرمودات کا مزید تذکرہ آئندہ کسی نشست میں کروں گا۔ البتہ ہاں اس بات کا اعتراف یہ نابکار و عاجز علی الاعلان کرتا ہے کہ اُس وسیع بحرالعلوم سے میں وہ لعل و گہر حاصل نہ کر سکا جو کہ مجھے ایک مدت تک آپ کی قربت میں رہنے کے لحاظ سے مجھے حاصل کرنا چاہیے تھا۔

❖❖❖❖

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

مورخہ ۱۴ر جمادی الاول ۱۴۳۸ھ

مطابق ۱۲رفروری ۲۰۱۷ء

مکرمی ومحترمی جناب انجینئر نذیر احمد میر صاحب (معاون مدیر ماہنامہ المصباح)

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

کسی شاعر نے بہت خوب فرمایا ہے ؎

جن سے دنیائے دل منور تھی اُن اُجالوں کی یاد آتی ہے
باعثِ رشک مہر و ماہ تھے جو ان ہلالوں کی یاد آتی ہے
جانے والے کبھی نہیں آتے جانے والوں کی یاد آتی ہے

جب کشمیر کی تقریباً ایک صدی پر پھیلی معروف وعلمی شخصیت حضرت مولانا محمد اشرف اندرابی صاحب کا انتقال ہو گیا تھا تو میں نے انہی دنوں ان کے بارے میں ایک مضمون لکھ دیا تھا، جسے بعد میں میں نے اسے خود ہی کمپوز کروا کر حسب دستور اسے پھر دو مقامی اخبارات کے ای میل ایڈرس پر اشاعت کی غرض سے بھیج دیا تھا، لیکن ان میں سے ایک اخبار کے مدیر صاحب نے کسی نامعلوم وجہ کی بنیاد پر اسے شائع کرنے سے معذرت ظاہر کی تھی اور دوسرے اخبار کے مدیر صاحب کی طرف سے کچھ پتہ نہیں چل سکا کہ آخر انہوں نے میرے اس مضمون کو شائع کیوں نہیں کیا؟ جب کہ آج تک میں نے جتنے بھی مضامین ان اخبارات کے ایڈرس پر بھیج دیئے ہیں وہ سب کے سب کسی اختلاف وتعارض کے بغیر شائع ہیں اور یہ سلسلہ ہنوز جاری ہے۔

بلکہ میں نے پچھلے چند سالوں سے کشمیر کی معروف مذہبی شخصیات پر لکھنے کا بی سلسلہ شروع کیا ہوا ہے۔ اور اب تک چند شخصیات پر میرے مضامین انہی اخبارات میں شائع بھی ہو چکے ہیں اور اسی سلسلہ کی ایک کڑی مولانا اندرابی صاحب پر لکھا گیا مضمون بھی تھا۔ لیکن بد قسمتی سے یہ مضمون ابھی تک شائع نہیں ہو سکا۔ اور مجھے اس بات کی قطعاً اُمید نہیں تھی کہ ہمارے صحافتی ادارے بھی گروہی تعصب و تنگ نظری کے شکار ہیں اور ان اخبارات میں انہی شخصیات پر لکھے گئے مضامین کو ترجیحی بنیادوں پر شائع کیا جاتا ہے جو مدیران اخبار کی پسندیدہ شخصیات ہیں۔ اگر چہ مجھے اپنے اس مضمون کے شائع نہ ہونے پر کافی دکھ اور افسوس ہوا تھا مگر میں کر بھی کیا سکتا تھا؟ اس لیے اب صرف اس بات کا انتظار تھا کہ شاید کسی وقت مولانا اندرابی صاحب کے حالات و واقعات اور ان کے دینی و علمی خدمات پر ماہنامہ المصباح کا کوئی خصوصی نمبر شائع ہوگا، تب میں اپنے اس مضمون کو اشاعت کی غرض سے آپ کی خدمت میں روانہ کر دوں گا۔

اللہ کا کرنا تھا کہ چند روز پہلے صورت کے برادر و عزیز القدر بلال احمد زرگر کا فون آیا اور انہوں نے یہ اطلاع دی کہ مولانا اندرابی صاحب پر عنقریب ایک خصوصی نمبر شائع ہونے والا ہے اور جس پر کام چل بھی رہا ہے اور وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ میں نے مولانا اندرابی صاحب پر پہلے ہی ایک مضمون لکھ رکھا ہے، اس لیے انہوں نے مجھے اپنے مضمون کو بھیجنے کے لیے کہا ہے اور انہوں نے مجھے ایک ای میل ایڈرس بھی دے دیا ہے۔ خدا نے چاہا تو میں ایک دو دن کے اندر اپنے اس مضمون کو بذریعہ ای میل بھیج دوں گا اور آپ سے گذارش ہے کہ مضمون کو ضرور دیکھئے گا اور اگر کسی لائق لگا اور اس میں کوئی

مفید مطلب بات نظر آئے تو مجھے بڑی خوشی ہوگی اور یہ بھی چاہوں گا کہ آپ اسے کسی کاٹ چھانٹ اور عنوان میں کسی تصرف کے بغیر خط ہذا سمیت من و عن شائع کر کے ممنون فرمائیں گے۔

آخر پر عرض ہے کہ مولانا اندرابی صاحب سے جو دلّی عقیدت و محبت تھی اور وہ جس خلوص و خندہ پیشانی سے ہر عمر والے کے ساتھ گفتگو اور تبادلہ کرتے تھے اور ان کے علم دوستی اور اہل علم کے ساتھ خیر خواہی کے جو جذبات موجزن تھے، وہ سب قابل تقلید نمونہ رکھتے تھے اور وہ اپنے اس طرز فکر و عمل میں اپنی مثال آپ تھے۔ ان سے روبرو ایک ملاقات اور کئی بار فون پر گفتگو اور اس کے علاوہ ان کی کئی تصانیف اور المصباح میں شائع ان کے قلم سے کئی مضامین دیکھنے سے میں ان کی کمی اور ان کا خلا بڑی شدت سے محسوس کرتا ہوں اور دُعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت اور ان کو جوارِ رحمت میں جگہ نصیب فرمائے اور جو لواحقین و محبین ہیں ان کو صبر جمیل عطا فرمائے اور ان کے خلا کا نعم البدل عطا فرمائے۔

کیا مرد مجاہد تھے، جو راہ وفا سے گزر گئے
جی چاہتا ہے نقش قدم چومتے چلیں

والسلام

دُعا گو و طالبِ دُعا

غلام نبی کشافی

آنچار (صورہ) سرینگر کشمیر ۱۹۰۰۱۱

9419734878

حضرت مولانا سید محمد اشرف اندرابی

کشمیر کی صدی کی شخصیت

غلام نبی کشافی
آنچار (صورہ) سرینگر (9419734878)

اس دنیا میں نہ جانے کتنے افراد روزانہ آخرت کے سفر پر روان ہوتے ہیں لیکن ایسے لوگ خال خال ہی ہوتے ہیں، جن کی وفات کو اسلامی دنیا کے ہر خطہ میں بڑا حادثہ اور بڑا نقصان تصور کیا جاتا ہے۔ جن کی جدائی سے ہر مسلمان مغموم ہوتا ہے اور جن کے اٹھ جانے سے وہ لوگ بھی اشک بار ہوتے ہیں جو کبھی زندگی میں ان کی صورت تک نہ دیکھ سکے ہوں۔ بلاشبہ اسی نوعیت کی ریاست جموں وکشمیر کی معروف و برگزیدہ اور تقریباً ایک صدی پر پھیلی شخصیت حضرت مولانا سید محمد اشرف اندرابی کی بھی تھی جن کا ۱۹ اگست ۲۰۱۶ء کو اس دنیا سے ۹۰ برس کی عمر میں انتقال ہوگیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

چھپ گیا آفتاب شام ہوئی
اک مسافر کی رہ تمام ہوئی

حضرت مولانا کے انتقال کے چند روز بعد ان کے بارے میں بعض مقامی اخبارات میں جو تعارفی اشتہار شائع ہوا ہے اس کے مطابق ان کا تعلق سادات اندرابیہ سے تھا۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت امیر کبیر میر سید علی ہمدانی

(۱۴۷ھ/ ۱۳۱۴ء۔ ۷۸۲ھ/ ۱۳۸۵ء) کے ہمراہ آٹھویں صدی ہجری میں سادات اندرابیہ وارد کشمیر ہوئے اور جنہوں نے اپنے امیر کبیر کے ساتھ دعوتی و تبلیغی خدمات انجام دے کر کشمیر کی آبادی کا ایک بڑا حصہ اسلام میں داخل کرانے میں اہم کردار ادا کیا۔ چنانچہ انہی سادات اندرابیہ کے خاندان کے چشم چراغ حضرت مولانا اندرابی بھی تھے۔ اور یہی وجہ ہے کہ ان کو خدمت دین کی تحریک اور جذبہ ورثہ میں ملا تھا اور جس کی پیروی وہ زندگی کی آخری سانس تک کرتے رہے۔

حضرت مولانا پلوامہ کے ایک گاؤں جڈورہ پلوامہ میں ۶ ستمبر ۱۹۲۶ء میں پیدا ہوئے۔ ان کی ابتدائی تعلیم گھر پر ہوئی تھی۔ مگر بعد میں انہوں نے عربی و فارسی کی تعلیم حاصل کرنے کے لیے تقسیم ہند سے پہلے جامعہ عربی گجرانوالہ میں داخلہ لیا تھا اور وہاں کچھ عرصہ گزارنے کے بعد انہوں نے مزید تعلیم حاصل کرنے کے لیے دارالعلوم دیوبند میں بھی داخلہ لیا تھا اور وہیں سے پھر تعلیم کی فضیلت و فراغت حاصل کی تھی۔ اور اس حصول تعلیم کے سفر کے دوران انہوں نے برصغیر کے چوٹی کے علماء سے علمی فیض حاصل کیا اور کئی مقتدر علماء سے یا تو شرف تلمذ پایا یا پھر ان کی صحبت و ملاقات نصیب ہوئی۔ جن میں چند کے نام یہ بتائے جاتے ہیں۔ حضرت مولانا انور شاہ کشمیری، حضرت مولانا اشرف علی تھانوی، مولانا حسین احمد مدنی اور مفتی شریف الحق امجدی وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

حضرت مولانا کی پہچان اپنے عنفوان شباب ہی کے دور سے بعض علمی حلقوں میں بنی ہوئی تھی۔ یہاں تک ان کے اندر پختہ ذہن اور علمی و فکری استعداد پیدا ہوگئی تھی، اس کو سراہتے ہوئے اس وقت کی عالمی شہرت یافتہ

شخصیت اور بانئ جماعت اسلامی حضرت مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے بھی ان کی حوصلہ افزائی کی تھی۔ اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی اور مولانا محمد منظور نعمانی جیسی گراں قدر شخصیات سے بھی ان کا بعض اختلافی امور میں مراسلت کی صورت میں تبادلہ خیال ہوا، جس کے بارے میں بتایا جاتا ہے کہ دلائل کے اعتبار سے ان کا نقطہ نظر غالب رہا، اور جس سے ان کی علمی تبحر وقوت استدلال اور غیرت حق کی بھرپور عکاسی ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ انہوں نے چند چھوٹی بڑی کتابیں بھی لکھی ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ حضرت مولانا کی تحریروں میں تنقیدی پہلو بھی نمایاں طور پر نظر آتا ہے۔ اس کی ایک واضح مثال یہ ہے کہ انہوں نے عصر حاضر کے معروف دانشور مولانا وحیدالدین خان کے افکار و نظریات پر تنقیدی نظر ڈال کر ایک کتاب ''سائنٹفک اِسلام یا ماڈرن ارتداد'' کے نام سے شائع کی ہے۔ اس کے علاوہ انہوں نے مرزائیت کا پوسٹ مارٹم اور مرزا غلام احمد قادیانی کے باطل عزائم کو خوب واضح کر کے ختم نبوت کے موضوع پر ایک تحقیقی رسالہ تحریر فرمایا اور اس کے علاوہ متعدد تحقیقی مقالات ومضامین بھی شائع کئے۔

حضرت مولانا کا پانپور میں دارالعلوم شاہ ہمدان کا قیام بھی ایک بڑا کارنامہ ہے۔ جس کی بنیاد ۱۹۹۳ء میں ڈالی گئی تھی اور جو بعد میں وسعت پا کر ایک بڑے ٹرسٹ کی صورت میں اختیار کر گیا، کہا جاتا ہے کہ یہ تعلیمی ادارہ وادئ کشمیر میں علم وآگہی کا ایک نیا باب رقم کرنے کی دوڑ میں کوشاں ہے۔

اس طرح حضرت مولانا کی پوری زندگی جہد مسلسل کی ایک کھلی کتاب کی مانند تھی اور انہوں نے جو دینی وتعلیمی خدمات انجام دیئے اور تحریر وتصنیف کے میدان میں اپنے قلم کو جو حرکت دی، وہ ہمارے لے مشعل راہ ہے۔ وہ

اگرچہ اب اس دنیا میں نہیں ہیں مگر ان کے نقوش اور ان کے رہنما اصول ان کی موجودگی کا احساس ہر وقت دلاتے رہیں گے بلکہ اہل فکر ونظر اس حقیقت کو اچھی طرح جانتے اور مانتے ہیں کہ موت اختتام زندگی نہیں بلکہ دوام زندگی حاصل ہونے کا واحد ذریعہ ہے۔علامہ اقبال نے بجا فرمایا ہے ؎

موت کو سمجھے ہیں غافل اختتام زندگی
ہے یہ شام زندگی، صبح دوام زندگی

میں ذاتی طور پر حضرت مولانا اندرابی کو ۲۰۱۰ء سے جانتا ہوں۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب میں نے مولانا وحیدالدین خان کے الرسالہ مشن سے علاحدگی اختیار کر کے ان کی تنقید میں ایک کتاب ”مولانا وحیدالدین خان اور دعوائے مسیحیت ومہدویت“ کے نام سے لکھی تھی اور جسے مولانا محمد منظور نعمانی کے فرزند مولانا خلیل الرحمان سجاد نعمانی نے اپنے ہی ادارے ”نعمانی اکیڈیمی“ لکھنو سے شائع کیا تھا اور اس کی ایک کاپی حضرت مولانا اندرابی کو بھی بھیجی گئی تھی اور جس کے پڑھنے کے بعد انھوں نے فون کے ذریعہ اپنے گراں قدر تاثرات سے نوازا تھا۔ اور میری خوب حوصلہ افزائی بھی فرمائی تھی۔ پھر ان سے کبھی کبھی فون پر ہی تبادلہ خیال کا سلسلہ جاری رہا۔ دو سال پہلے کی بات ہے کہ خانیار کی شیخ عبدالقادر جیلانی کے نام سے مشہور درگاہ میں رمضان المبارک کے مہینہ میں ایک روزہ جلسہ تھا جس میں ریاست سے باہر کے علماء کے علاوہ خصوصیت کے ساتھ حضرت مولانا بھی بلائے گئے تھے۔ چنانچہ ان کی طرف سے مجھے بھی اطلاع دی گئی کہ میں ان کی خدمت میں ملاقات کی غرض سے حاضر ہو جاؤں۔تو پھر میں نے اپنے دوسرے کاموں کو موقوف کر کے سیدھے خانیار کی درگاہ میں حاضر ہوا۔اور وہاں چند علماء کی تقاریر سننے کے بعد اچانک ایک بزرگ چند

افراد کے سہارے منبر پر آ گئے۔ میں نے پاس ہی ایک آدمی سے دریافت کیا، یہ کون بزرگ تشریف لائے تو معلوم ہوا کہ یہ حضرت مولانا اندرابی ہیں۔ چونکہ میں نے اس سے پہلے حضرت مولانا کو کبھی نہیں دیکھا تھا۔ چنانچہ چند منٹ کے بعد ایک آدمی جسے میں جانتا تھا، میرے پاس آیا اور مولانا کی خدمت میں حاضر ہونے کے لیے کہا، تو میں اس وقت منبر کے پاس آیا اور وہیں پر حضرت مولانا سے مجھے پہلی بار بالمشافہ ملاقات کا موقع ملا۔ اور وہ میرے ساتھ اس طرح سے ملے کہ ایسا محسوس ہوتا تھا کہ ان کے اور میرے درمیان برسوں کی جان پہچان اور روابط و مراسم رہے ہوں۔ کیونکہ انہوں نے بڑی خندہ پیشانی اور خلوص و محبت کے ساتھ باتیں کیں اور بڑی بے ساختگی سے ماضی، حال اور مستقبل کے حوالے سے کئی مفید باتیں اور مشورے فرمائے۔ اس دوران میں چاہ رہا تھا کہ ان سے دعا کی درخواست کروں مگر وہ مجھ سے ہی دُعا کی درخواست کرتے رہے اور آخر میں کہا کہ میں ان کے تعلیمی ادارے میں حاضر ہو جاؤں اور یہ بھی کہا تھا کہ اگر آپ چاہیں گے تو ہم آپ کی غیر مطبوعہ ساری کتابیں شائع بھی کرائیں گے۔ میں ان کے ان خلوص و محبت سے بھرپور جذبات و احساسات سے انتہائی ممنون و محظوظ ہوا اور اس وقت ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ چند منٹوں کے اس ملاقات میں میں ان کا گرویدہ بن گیا۔ چونکہ نماز ظہر کا وقت بہت قریب تھا اس لیے منبر کے پاس گفتگو کو طول دینا مناسب بھی نہیں تھا۔ اس لیے میں نے اس مختصر ملاقات کے آخر میں ان سے خصوصی دُعا کی درخواست اور مصافحہ کر کے اپنی جگہ پر آ کر بیٹھ گیا۔ چنانچہ کچھ دیر بعد اذان ہو گئی اور پھر حضرت مولانا نے ظہر کی نماز خود پڑھائی اور پھر چند افراد کے سہارے چلے گئے اور میں نماز ظہر کے بعد ایک گھنٹہ تک وہیں بیٹھا رہا اور پھر میں بھی چل پڑا۔

اس کے بعد پھر حضرت مولانا سے فون پر اکثر تبادلہ خیال ہوتا تھا۔لیکن پچھلے دو ماہ سے وہ کافی علیل تھے، جسمانی طور پر کافی ضعیف ونحیف ہو چکے تھے تو اس دروان میں نے حضرت مولانا کے خاص عزیزوں سے اصرار کیا تھا کہ میں بھی حضرت مولانا کی عیادت اور ملاقات کرنا چاہتا ہوں، مگر رمضان المبارک کی وجہ سے ایسا ممکن نہیں ہو پایا اور جب رمضان المبارک کے بعد ارادہ کیا تھا جانے کے لیے تو کشمیر کے حالات انتہائی خراب ہو گئے اور یہ بھی حقیقت ہے کہ سب سے زیادہ حالات کے خراب ہونے کی خبریں پلوامہ اور اس کے ملحقہ علاقوں کے بارے میں ہی آ رہی تھیں۔اس لیے میں دوسری بار حضرت مولانا سے ملاقات کرنے سے محروم رہ گیا اور یہاں تک کہ وہ اس دنیا سے چلے گئے۔بہرحال اللہ کی مرضی کے آگے کسی کی نہیں چلتی اور اس کے علم میں ہر انسان کے موت کا وقت متعین ہے۔مگر کوئی انسان اپنی موت کے ٹھیک وقت سے آگاہ نہیں، جب کہ موت کے اس اٹل اور قانون فطرت سے کسی کو انکار نہیں، کسی نے بجا فرمایا ہے ؎

موت سے کس کو رستگاری ہے
آج وہ کل ہماری باری ہے

میں حضرت مولانا سے خاص طور پر دو افراد کے ذریعہ متعارف ہوا ہوں اور اتفاق سے دونوں ہم نام ہیں۔ایک مولانا بلال کرمانی (قمرواری) اور دوسرا بلال احمد زرگر (صورہ) اور یہ دونوں مجھے حضرت مولانا کے علمی و دینی خدمات کے بارے میں اکثر بتاتے رہتے تھے۔جس سے میرے قلب و ذہن میں حضرت مولانا کی بڑی قدر و منزلت بڑھ گئی تھی۔

میں حضرت مولانا کے بارے میں جتنا کچھ جانتا ہوں تو میں یہی کہوں گا

کہ وہ بہت ہی ملنسار، خوش گفتار، شگفتہ خاطر اور علم دوست انسان تھے اور وسیع المطالعہ ہونے کی وجہ سے ان کے اندر تعصب و تنگ نظری کا کوئی شائبہ تک بھی نہیں تھا۔ اس لیے وہ مسلکی جھگڑوں اور تفرقہ بازی سے ہمیشہ دور رہتے تھے۔ لیکن جب بعض علماء و مفتیان کی طرف سے کسی مسلکی جھگڑے کی بنیاد پر شدت پسندی کا مظاہرہ ہوتا تھا تو اس وقت وہ ناگزیر صورت میں اپنا جوابی ردعمل ضرور ظاہر فرماتے تھے مگر اس بات کا خاص خیال رکھتے تھے کہ اپنی بات علم اور دلیل کی زبان میں پیش کرتے تھے۔ اس طرح صحیح معنوں میں جب ایسا انسان اس دنیا سے چلا جاتا ہے تو بڑا دکھ اور خلا محسوس ہوتا ہے۔ کسی شاعر نے اسی جذبہ کی ترجمانی اپنے ایک شعر میں اس طرح کی ہے ؎

اچھے انسان کا صدیوں میں جنم ہوتا ہے
ایسا انسان چلا جائے تو غم ہوتا ہے

حضرت مولانا کے اس وسیع المشربی کا ایک ثبوت یہ بھی ہے کہ انہوں نے میرے بارے میں یہ جاننے کی کبھی کوشش نہیں کی کہ میں کس مکتب فکر سے تعلق رکھتا ہوں، حالانکہ وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ میرے مضامین کن رسائل میں شائع ہوتے ہیں بلکہ وہ اس بات سے بہت خوش ہوتے تھے کہ ہماری اس وادی کشمیر میں کچھ نوجوان مذہبی معاملات میں لکھنے کی شد بد رکھتے ہیں، اس لیے وہ ایسے نوجوانوں کی دل سے حوصلہ افزائی کرتے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ میں نے حضرت مولانا کے اندر نوجوانوں کے حوالے سے علامہ اقبال کے ان اشعار کا عکس محسوس کیا ہے ؎

وہی جواں ہے قبیلے کی آنکھ کا تارا
شباب جس کا ہے بے داغ، ضرب ہے کاری

حیا نہیں ہے زمانے کی آنکھ میں باقی
خدا کرے کہ جوانی تری رہے بے داغ

میں نے مولانا بلال کرمانی سے سنا ہے کہ حضرت مولانا موجودہ دور کے شکم پرور مولویوں اور نام نہاد مفتیوں سے سخت بیزار رہتے تھے اور ان کے نزدیک اسلام اور مسلمانوں کو سب سے زیادہ نقصان انہی لوگوں کے ذریعہ پہنچا ہے۔ بہت پہلے حضرت عبداللہ بن مبارک نے یہی بات اپنے اس عربی شعر میں کہی تھی ؎

هل افسدت الدين الا الملوك
احبار سوء و رهبانها

(دین کو صرف بادشاہوں، علماء سوء اور درویشوں کے ذریعہ نقصان پہنچا ہے)۔
کشمیر میں علماء کی قلت ہر دور میں رہی ہے جس کا ایک ثبوت یہ ہے کہ ہمارے یہاں جو دینی لٹریچر اور ہر مہینہ میں جو رسائل دستیاب ہوتے ہیں وہ سارا کا سارا باہر سے آتا ہے اور یہ سلسلہ اب بھی ہنوز جاری ہے اور جس کی وجہ سے اکثر جگہوں پر مسجدوں کے منبر و محراب اور دینی اداروں کی کمانڈ ایسے افراد کے ہاتھوں میں ہے جو اس کی اہلیت نہیں رکھتے ہیں ان کے اندر مطالعہ و کتب بینی اور تحقیق و تنقید کا ذوق وشوق ہے اور نہ ان کو تحریر و تصنیف کا کوئی ملکہ اور شد بد ہے۔ البتہ وہ اپنے آپ کو نمایاں رکھنے کے لیے ایسی تقریریں کرتے ہیں جن سے دینی رہنمائی ملنے کے بجائے گمراہ ہونے کا زیادہ خطرہ لاحق رہتا ہے۔ ایسے واعظین اور ائمہ حضرات کی کسی شاعر نے خوب خبر لیتے ہوئے بجا فرمایا ہے ؎

ملے گا دام تو روئیں گے ذکرانِ حسین
ہزار لیں گے تو چہکیں واعظانِ عظام

بکی ہوئی ہیں نمازیں، بکی ہوئی ہے اذان
بکا ہوا ہے مؤذن، بکا ہوا ہے امام

اس سلسلہ میں ایک حدیث میں انتہائی غور طلب پیشنگوئی ان الفاظ کے ساتھ آئی ہے۔

عن عبداللہ بن عمرو بن العاص، قال سمعتُ رسول اللہ ﷺ ان اللہ لا یقبض العلم انتزاعاً ینتزعہ من العباد، ولٰکن یقبض العلم بقبض العلماء، حتیٰ اذا لم یبق عالم، اتخذ الناس رؤوساً جہالاً فسئِلوا فافتوا بغیر علم فضلوا واضلوا (البخاری، کتاب العلم حدیث نمبر ۱۰۰، مسلم کتاب العلم، حدیث نمبر ۶۷۹۶)۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا، اللہ علم کو اس طرح نہیں اٹھائے گا کہ اس کو بندوں سے چھین لے، بلکہ وہ (پختہ کار) علماء کو وفات دے کر علم کو اٹھائے گا۔ یہاں تک کہ جب کوئی (پختہ کار) عالم باقی نہیں رہے گا تو لوگ جاہلوں کو پیشوا بنالیں گے، ان سے مسائل دریافت کریں گے، تو وہ بغیر علم کے فتوے دیں گے، جس سے وہ خود بھی گمراہ ہوں گے اور لوگوں کو بھی گمراہ کریں گے۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آخری زمانے میں پختہ دماغ اور تقویٰ شعار علماء ختم ہوجائیں گے اور ان کی جگہ پر نااہل اور پست ذہنیت قسم کے لوگ مدعیان علم بن کر آگے آجائیں گے اور وہ اپنی ظاہری وضع قطع اور لباس و حلیہ کے ذریعہ خود کو علماء ومفتیان کی حیثیت سے پیش کرنے والے ہوں گے، جس سے لوگ غلط فہمی کا شکار ہوکر ان سے دینی مسائل کے بارے میں

سوالات کریں گے، مگر وہ اپنی جہالت وکم علمی اور شرعی احکام سے نابلد ہونے کے باوجود اپنے غلط فتوؤں کے ذریعہ خود بھی گمراہ ہوں گے اور لوگوں کو بھی گمراہ کر کے چھوڑ دیں گے۔

اس طرح اس پیشنگوئی پر غور کرنے سے یہ تلخ حقیقت سامنے آتی ہے کہ اب ہر جگہ سے علماء ربانی میں نمایاں کمی نظر آرہی ہے، تاہم اگر ہم کشمیر کی تاریخ پر نظر ڈالیں تو یہاں پہلے سے ہی ہر دور میں علماء کی اتنی قلت رہی کہ ان کو انگلیوں پر گنا جاسکتا ہے۔ قرآن وحدیث کے حوالے سے کوئی تحقیقی تحریر و تصنیف کا وجود بھی ناپید نظر آتا ہے۔ حالانکہ ایسا نہیں کہ ہمارے یہاں ٹیلنٹ یا قابلیت نہیں پائی جاتی ہے، چونکہ جب ہماری اس وادی میں حضرت علامہ انور شاہ کشمیری جیسی عظیم، عبقری اور بحر العلوم شخصیت پیدا ہوسکتی ہے تو اور علماء کیوں نہیں پیدا ہوسکتے۔ یہاں تک کہ علامہ اقبال اور مولانا ثناء اللہ امرتسری جیسے معروف علماء کے آباء واجداد بھی کشمیری ہی بتائے جاتے ہیں۔ مگر سچائی یہ ہے کہ ہمارے یہاں اچھے اور معیاری تعلیمی اداروں یا تعلیمی ماحول کا ہمیشہ فقدان رہا ہے جب کہ غربت و افلاس کی وجہ سے عام لوگ اپنے بچوں کو معیاری تعلیم دینے سے قاصر رہتے تھے اور وہ ان کو شال بافی اور دست کاری کی طرف دھکیل دیتے تھے۔ تاکہ گھر کا کچھ گزارہ ہوجائے جس سے وہ خاص طور پر تعلیم کے لحاظ سے بہت پیچھے رہ گئے اور جس کے نتیجہ میں پختہ کار اور صاحب قلم علماء بہت کم تعداد میں پیدا ہوتے رہے، تاہم اگرچہ آج کشمیر میں تعلیمی اداروں کی تعداد کافی حد تک بڑھ گئی ہے، کالجوں، یونیورسٹیوں اور دارالعلوموں کی تعداد بھی تسلی بخش ہے، اور دینی و دنیاوی تعلیم کو بھی کافی فروغ مل رہا ہے اور تعلیم یافتہ افراد میں بھی غیر معمولی اضافہ ہورہا ہے، مگر اس کے

ساتھ ساتھ یہ تلخ حقیقت بھی ہے کہ آج ہمارے یہاں علماء و اہل فکر کی کمی بڑی شدت سے محسوس ہوتی ہے اور اسی مایوس کن صورت حال میں اس وقت اور زیادہ اضافہ ہو جاتا ہے کہ جب گنے چنے علماء ایک کے بعد ایک اس دار فانی سے کوچ کرتے جا رہے ہیں اور جس کے نتیجہ میں اب ہر مکتب فکر اور دینی جماعتوں میں علماء کی تعداد بہت کم رہ گئی ہے۔ جب کہ واعظین وخطباء کی بھر مار ہے۔ اس سلسلہ میں ایک اور پیشنگوئی ایک حدیث میں اس طرح آئی ہے:

عن ابی هریرہ عن رسول اللهﷺ قال سیأتی علی اُمّتی زمان، تکثر فیه القراء و تقل الفقهاء و یقبض العلم (الحدیث، المستدرك علی الصحیحین کتاب الفتن والملاحم، حدیث نمبر ۸۴۱۲)

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میری امت پر ایک ایسا زمانہ بھی آئے گا کہ قرآن کے قاریوں کی بہتات ہوگی، پختہ کار علماء بہت کم ہوں گے اور علم اٹھا لیا جائے گا۔

اس حدیث کی مزید وضاحت حضرت علی کے اس ارشاد گرامی سے ہوتی ہے۔

عن علی انه قال، یا حملة القرآن اعملو به فان العالم من عمل بما علم و وافق عمله علمه و سیکون اقوام یحملون العلم لا یجاوز تراقیهم یخالف سریرتهم علانیتهم، و یخالف عملهم علمهم یجلسون حلقاً فیباهی بعضهم بعضاً حتّی ان احدهم لیغضب علی جلیسه حین یجلس إلی

غيره و يدعه، أُولئك لا تصعد اعمالهم في مجالستهم تلك إلى الله (كنزل العمال، كتاب العلم، ج١، ص ١٦٥، حديث نمبر ٢٩٤١٩)

حضرت علیؑ فرماتے ہیں: اے حاملین قرآن، اس (قرآن) کے مطابق عمل کرو، کیونکہ حقیقی عالم وہی ہے جو علم پر عمل کرے اور اس کے علم و عمل میں مطابقت ہو، عنقریب وہ زمانہ آنے والا ہے کہ بہت سارے ایسے لوگ حاملین علم ہوں گے جن کا علم صرف زبانی ہوگا، ان کے ظاہری و باطنی سیرتوں میں عدم مطابقت ہوگی اور ان کے علم و عمل میں تضاد ہوگا، وہ لوگ حلقوں میں بیٹھ کر ایک دوسرے پر علمی تفاخر جتائیں گے اور نوبت یہاں تک پہنچ جائے گی کہ وہ اپنے ہمنشین پر صرف اس لیے ناراض ہوں گے کہ وہ کسی دوسرے عالم کی مجلس میں کیوں حاضر ہوا اور اس کو چھوڑ دیا۔ یہ وہ لوگ ہوں گے جن کی مجالس کے اعمال کی رسائی اللہ تعالیٰ تک نہ ہوسکے گی۔

اگرچہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے عالم اسلام میں مکمل طور پر ابھی اس طرح کا دور نہیں آیا ہے اور مسلم ممالک کے ہر شہر میں ہزاروں کی تعداد میں علماء پائے جاتے ہیں اور جو اشاعت اسلام کی خدمات کو بحسن وخوبی انجام دے رہے ہیں مگر کئی ایسے خطے اور شہر بھی ہیں جن میں ایک کشمیر بھی ہے، جہاں علماء کی تعداد گھٹتی چلی جارہی ہے۔ جس کی وجہ سے خاص طور پر مسجدوں کے منبر و محراب پر ایسے لوگ براجمان ہو رہے ہیں جو اپنی جہالت و نا اہلیت سے فرقہ بندی کو ہوا دے کر اسلامی تعلیمات کے فروغ اور اصلاح معاشرہ کے حوالے سے بڑی رکاوٹ بنے ہوئے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ علامہ اقبال نے ایسے ہی خطباء و ائمہ حضرات کے بارے میں یہ دو فکر انگیز اشعار کہے ہوں گے ؎

میں جانتا ہوں جماعت کا حشر کیا ہوگیا
مسائلِ نظری میں الجھ گیا ہے خطیب
قوم کیا چیز ہے، قوموں کی امامت کیا ہے
اس کو کیا سمجھیں، یہ بیچارے دو رکعت کے امام

حقیقت یہ ہے کہ کشمیر میں پہلے بھی علماء کا فقدان تھا اور آج بھی ہے اور علماء کی جو تھوڑی بہت تعداد تھی، وہ بھی اب اپنے آخری سفر کی اور رواں دواں ہے۔ اس طرح علماء کی یہ قلت انتہائی تشویشناک ہے۔ چنانچہ حضرت مولانا اندرابی بھی علماء کشمیر کے اسی سلسلہ کی ایک کڑی تھے اور آج کے اس ماڈرن ارتداد، جہالت اور خدا بیزاری کے زمانے میں ان کی ذات ہر اعتبار سے غنیمت تھی۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں گوناگوں علمی وفکری صلاحیتوں سے نوازا تھا اور جب اس طرح کا کوئی صاحب فکر ونظر انسان اس دنیا سے چلا جاتا ہے تو وہ اپنی بہت سی خصوصیات بھی اپنے ساتھ لے جاتا ہے اور ان خصوصیات کا حامل کوئی دوسرا شخص بھی میسر نہیں آتا۔ بلاشبہ حضرت مولانا اندرابی بھی اپنی بہت سی خصوصیات اپنے ساتھ لے گئے اور اپنے پیچھے اپنے حلقے میں ایک ایسا خلا چھوڑ گئے جس کی بھرپائی بہت ہی مشکل ہے اس طرح کے لوگوں کے بارے میں کسی نے صحیح فرمایا ہے ؎

ڈھونڈیں ہم اب نقوشِ سبک رفتگاں کہاں؟
اب گرد کارواں بھی نہیں، کارواں کہاں؟

آخر پر دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ حضرت مولانا اندرابی کو کروٹ کروٹ مغفرت فرمائے، انہیں جنت الفردوس میں جگہ نصیب فرمائے، ان کی نسبی اور روحانی پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائے اور ان کی حسنات میں ان کی تقلید اور ان کے نقش قدم پر چلنے کا جذبہ عنایت فرمائے۔ آمین۔ ❖❖❖

حضرت علامہ سید محمد اشرف اندرابی صاحبؒ اوران کا زمانہ

ڈاکٹر تنویر حیاتؔ

جس دور میں ہم سانس لے رہے ہیں یہ حشر بداماں دور ہے۔ انسانیت مرگئی ہے، انسان زندہ لاش کی مانند زمین کے سینے پہ بوجھ بنا ہوا ہے۔ آدمیت زندہ درگور ہوگئی ہے۔ حسد و بغض کے انگاروں نے گلشنِ مہر و وفا کو بھسم کر دیا ہے۔ حضرت رومیؒ کا دور تو خیر و برکت کا دور تھا اب تو چراغ رُخ زیبا لے کر نکلو۔ شہر و بستی پھرو۔ دست نوردی کرو شاید ہی کوئی حضرت انسان ملے۔ بھری دنیا میں خال خال وہ صاحب قال و حال ملتے ہیں جنہیں دیکھ کر خدا یاد آتا ہے۔ اور بے قرار دل قرار پاتا ہے۔ انہیں صاحبِ قال و حال بزرگوں میں ایک قابل صد رشک شخصیت مرحوم علامہ سید محمد اشرف اندرابیؒ صاحب کی ذات تھی۔ اندرابی صاحب بلند پایہ عالم دین اور اخلاق عالیہ اور اوصاف حمیدہ کے مالک تھے۔ کشمیر میں اندرابی صاحبؒ نے اپنے وقت میں مذہب اہل سنت والجماعت کی مدافعت میں کارہائے نمایاں انجام دیئے۔ عظیم حوصلے اور خداداد بصیرت و بصارت کو بروئے کار لا کر درس وتدریس، وعظ وتبلیغ اور دعوت و ارشاد قسم کے مختلف محاذوں پر وقت کی خوفناک یلغار کا مقابلہ کیا۔ سید محمد

اشرف صاحب اندرابیؒ پلوامہ کے ایک مشہور گاؤں جڈورہ میں ۶ ستمبر ۱۹۲۷ء میں پیدا ہوئے۔1 کشمیر میں ان دنوں ڈوگروں کی حکومت تھی۔ ڈوگروں نے انگریزوں سے یہ سرزمین (بشمول گلگت اور بلتستان) ۷۵ لاکھ مروجہ سِکوں میں خریدی۔ یہ سیاسی تجارت خوبصورت وادی کشمیر کے ساتھ ساتھ اس کے مظلوم باشندوں کے اجساد و ارواح سمیت ان کی مطلق ناواقفیت کی حالت میں امرتسر کے مقام پر طے ہوئی۔ قلندر لاہور علامہ محمد اقبال مرحوم نے اسے سودابازی سے تعبیر کیا ؎

دہقاں و کشت وجوئے و خیاباں فروختند
قومے فروختند و چہ ارزاں فروختند

ظاہر ہے جن حکمرانوں نے یہاں کی سرزمین اور اس کے بسنے والوں کو لوٹنے کی غرض سے خریدا تھا وہ اس سے کیا دے سکتے تھے۔ ڈوگروں نے تقریباً ایک صدی تک (1846-1947) کشمیر پر حکومت کی۔ یہ مدت بالخصوص اس کا ابتدائی دور تاریخ کشمیر کا ہیبت ناک اور دل ہلا دینے والا دور گزرا ہے۔ اس دور کی حالت کا اندازہ ان سفرناموں سے لگایا جا سکتا ہے جو مغربی سیاحوں نے اپنے اپنے دورۂ کشمیر کے موقع پر قلمبند کیں ہیں۔ ان سفرناموں میں ایسے واقعات درج ہیں جنہیں پڑھ کر ہر اس شخص کے رونگھٹے کھڑے ہوجاتے ہیں جن میں انسانیت کی معمولی رمق موجود ہو۔ Sir Arthur Brinkman برطانوی حکومت کو آگاہ کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ ''ہر سال سینکڑوں کشمیری ظلم و جبر اور عام بدنظمی کی تلخی سے نجات پانے کی غرض سے اپنا وطن، اہل و عیال اور گھر بار چھوڑ کر پہاڑوں کی طرف بھاگتے ہیں۔2 موصوف آگے بیان کرتا ہے:

''غلامی اپنی تمام حیثیتوں سے کشمیر میں موجود ہے۔کوئی بھی کشمیری اپنی کسی چیز کا مالک نہیں ہے۔ زمین، پانی، لکڑی یہاں تک کہ اس کی روح بھی اس کی اپنی نہیں ہے۔ یہ لوگ تمام حقوق سے محروم ہیں۔ یہ سب کچھ ڈوگرہ راجاؤں کے بدولت ہورہا ہے۔3 ہر جگہ لوگوں کا بُرا حال تھا۔ مالیہ کے نام پر ساری پیداوار چھین لی جاتی تھی۔ زمین جابجا ویران پڑی تھی۔ جب اس کے جوتنے میں کسی کو فائدہ نہ تھا تو زمیندار کیوں کھیت تیار کرتے۔ قصائی، تانبائی، ہانجی، لکڑ ہارے تک کو Tax ادا کرنا پڑتا تھا۔ جو شخص جج مقرر ہوتا تھا اس سے بجائے تنخواہ لینے کے تیس ہزار روپے سالانہ ادا کرنا پڑتا تھا۔ بیگاری پر کشمیریوں کو مہینوں بر وادی کے باہر بھیجتے تھے۔ ان کے اہل خانہ پیٹ پر پتھر باندھ کر زندگی گذارتے تھے۔ نوے فیصدی رعایا پریشان اور اپنے حقوق کی پامالی پر نالاں تھے۔ تنگ آ کر جب رعایا نے حقوق طلبی کے لیے آئینی جدوجہد شروع کی تو ان پر وحشیانہ تشدد کیا گیا۔ کم سن بچے اور عورتیں بھی ڈوگرہ حکمران کی حیاسوز مظالم سے محفوظ نہ رہ سکے۔4 مظلوم عوام اپنے اوپر ہاوی ظلم وتشدد کو بے زبان ہو کر برداشت کرتی رہی۔ ظلم و جبر اور لوٹ کھسوٹ کی مسلسل ڈیڑھ سو سالہ حکومت سے کشمیر جیسی چھوٹی سی مملکت کے باشندوں کا معاشرہ اور کردار و عمل معتدل رہنا ناممکن تھا۔ ابتداء میں انہوں نے تھوڑی سی مزاحمت ضرور کی مگر بہت جلد ظلم کے آگے اس حد تک سپر انداز ہوئے کہ غیروں کے نزدیک ''ظلم پرست'' کہلانے لگے۔5

ان ناگفتہ بہ حالات میں کشمیر میں کسی علم وفن بالخصوص اسلامی فنون کا پنپنا یا رواج پانا بعید از عقل تھا۔ ماہرین تعلیم نے علمی ترقی کے لیے سیاسی امن وسکون، اطمینانِ قلب اور خوشحالی لازمی شرطیں قرار دی ہیں اور یہ وہ چیزیں

تھیں جنہیں افغان، سکھ اور ڈوگرہ حکمرانوں نے اولین فرصت میں نیست و نابود کرڈالا تھا۔اس سے علم وفکر کے سوتے دیکھتے دیکھتے خشک ہوئے، مدارس اُجڑ گئے۔مسجدوں اور خانقاہوں پر تالے چڑھ گئے۔ جو قوم اپنی ذہانت اور عقلمندی میں پوری دنیا میں مشہور تھی یکا یک فاسد اوہام، باطل عقائد اور جھوٹے عجوبات کی اسیر ہوگئی۔ مذہبی پیشواؤں کی جگہ اُن لوگوں نے لے لی جنہوں نے سیدھے سادھے لوگوں کو جنتر منتر کے چکر میں الجھادیا۔علم وتحقیق کی جگہ قصہ خوانی نے لے لی، قرآن وحدیث اور فقہ اور عقائد جیسے علوم کے بدلے رمل وجفر اور عملیات رواج پانے لگے۔اب وہ واعظ منبر ومحراب پر نمودار ہونے لگے جو تصوف اور تزکیہ نفس کے نام پر زندگی سے نفرت اور فرار اختیار کرنے کی تبلیغ کرتے تھے۔اس قسم کے مواعظ سے مسلمانوں سے قوت ارادی، کشمکش زندگی، مذہبی حمیت اور عزتِ نفس کی حس دیکھتے دیکھتے نابود ہوگئی۔ دورِ حاضر میں دوسری مسلمان مملکتوں کی طرح کشمیر بھی متعدد عصری تحریکات سے متاثر ہوا۔مگر بدقسمتی سے کسی قابل ذکر فائدے کے بجائے کئی افسوسناک نقصانات کا شکار ہوا۔سیاسی بے چینی نے مخلص دینی راہنماؤں کے نقوش خاک میں ملا ڈالے۔ مذہبی جماعتیں اور انجمنیں اس چھوٹے سے خطۂ زمین میں برساتی کیڑوں کی طرح پھوٹ گئیں مگر عملاً سوداگری سے آگے نہیں گزریں۔ دینی جماعتوں نے پیشہ ور تاجروں کی طرح اپنی اپنی دکانیں لمبے لمبے خوشنما لیبلوں سے سجائیں مگر علم وفکر اور اخلاص وللٰہیت سے محروم ثابت ہوئیں۔کسی نے حضرت میر سید علی ہمدانیؒ کا مشن آگے بڑھانے کا دعویٰ کیا مگر مسلمانوں کو اوہام فاسدہ اور خرافات پرستی سے نکالنے کی بجائے انہیں ان میں اور زیادہ مبتلا کردیا۔کسی نے تجدید اور احیائے دین کا علم بلند کیا مگر اولیاء اللہ

اور ائمہ دین سے لوگوں کے تعلق و محبت پر ضربیں مارنے کے سوا کچھ نہیں کیا، انھوں نے سادہ لوح لوگوں کو بڑی مکاری سے اکابر اسلام کی غلامی سے نجات دلا کر اپنی غلامی کی زنجیروں میں جکڑ دیا۔ کسی نے اتحادِ اسلامی کا صور پھونکا اور اس کے لیے اسلام اور اسلامی شعائر کا کھل کر استحصال کیا۔ مگر ساری تحریک کا لُب لباب اقتدار پر قابض ہونا تھا۔ کسی نے عدمِ تقلید کا شور مچایا مگر آمین بالجہر اور قرأت خلف الامام کے جائز و ناجائز ہونے کے فتنے قائم کر کے حیران و سرگرداں مسلمانوں کو متحد کرنے کے بجائے ایک دوسری خانہ جنگی میں مبتلا کر ڈالا۔

ان تمام نام نہاد مصلحوں اور مبلغوں میں چند اشخاص پر نظر پڑتی ہے جنہوں نے کشمیر میں مسلمانوں کی مِلی اور مذہبی تشخص قائم رکھنے میں ناقابل فراموش خدمات انجام دیں۔ ان اشخاص میں ایک سرکردہ شخصیت مرحوم اندرابی صاحب کی تھی۔ اندرابی صاحبؒ ایک قانع انسان تھے۔ خودی کے وقار کو قائم رکھ کر زندگی بسر کی۔ زمانے کی سِتم رانیوں اور سختیوں کا کبھی شکوہ نہ کیا۔ ذوق و شوق کے چشمے زندگی میں خشک نہ ہونے دیے۔ بے تعلقی، وارفتگی اور باریک بینی کا سرمایہ جمع رکھا۔ حضور قلب اور ذکر الٰہی کے تنویرات سے تنہائی کو منور اور آراستہ کیا۔ ان کا منشور حیات یقیناً ان کے ساتھ ساتھ مظلوم اور بے بس کشمیری عوام کے لیے بھی نافع ثابت ہوا۔ سید محمد اشرف اندرابی کوئی خشک مزاج مدرس یا سخت طبیعت مولوی نہیں تھے، بلکہ خوش اخلاق، نرم گفتار، وسیع القلب، وسیع الظرف اور ایک مثالی انسان تھے۔

اگر کبھی کوئی بات ان کی طبیعت کے خلاف ہو جاتی تو وہ اس کو کمال حوصلے کے ساتھ برداشت کر لیتے۔ دوسروں کا شکوہ کرنے کی بجائے رضاءِ رب پر

راضی رہتے۔ یہی کمال ان کو ان کے معاصرین میں بلند رکھتا تھا۔ ان کی زندگی میں بہت مرحلے ایسے بھی آئے جہاں پیمانہ صبر لبریز ہو کر چھلک سکتا تھا مگر ان کی عالی ظرفی برضا رہنے کی عادت نے ان کا پیمانہ صبر چھلکنے کی نوبت نہ آنے دی۔ بلکہ نہایت ہی نفیس انداز میں یہ سب برداشت کر گئے اور اپنے آپ کو مطمئن رکھا۔ اندرابی صاحبؒ حق گو اور بے باک تھے۔ دین کے معاملے میں بلاخوف و ملامت بڑوں بڑوں کے سامنے حق بیان فرمادیتے تھے۔ اگرچہ آپ کا انداز ناصحانہ ہوتا تھا۔ لیکن حق بات منہ پر کرنے سے ہرگز ہرگز گریز نہیں فرماتے تھے۔ اندرابی صاحبؒ کی سیرت پکار پکار کر اعلان کر رہی ہے کہ جب کسی اصلاحی کوشش میں عوام کی بہبود سے زیادہ خودنمائی کا جذبہ کروٹیں لینے لگے گا تو اس کی ناکامی یقینی ہے۔

اندرابی صاحب اپنے آپ کو تعمیری کاموں میں لگانا چاہتے تھے۔ گنبد کے بجائے بنیاد سے اپنے کام کا آغاز کرنا چاہتے تھے۔ انقلابی پوسٹر چھاپنے کے بجائے خاموش جدوجہد کو اپنا شعار بنانا چاہتے تھے۔ ملت کا جھنڈا بلند کرنے کے بجائے فرد کی اصلاح پر محنت کے قائل تھے۔ سیاسی ہنگامہ چھیڑنے کے بجائے غیر سیاسی میدان میں اپنے کو مشغول کرنا چاہتے تھے۔ اندرابی صاحب کے ان نظریات سے مولویوں کو سرکاری رسد بند ہونے کا قوی یقین تھا۔ اسی لیے ان سرکاری مولویوں نے فی سبیل اللہ اندرابی صاحب کی مخالفت کی۔

حسد کے آتشِ دوزخ نے کس کس سینے کو داغ داغ نہیں کیا۔ کتنے ہیں جو حسد کی وادی پُرخار سے دامن بچا کے نکلے ہیں۔ حرص و ہوس کی دہکتی ہوئی بھٹیوں کے شعلوں نے قلوب و اذہان کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے۔ کئی کوہ و

قامت ذروں کو مسلنے میں اپنی بلند قامتی کا راز سمجھتے ہیں۔ یہاں تک کہ محدثین کو یہ اصول وضع کرنا پڑا کہ ہمعصر کی جرح قابل قبول نہیں۔ جو شخص ہمیں آج ملا، غور سے دیکھا تو اس کا سلسلہ صدیوں قبل گذرے ہوئے پاکباز انسانوں سے جڑا ہوا تھا۔ سینہ ہر قسم کے کینے اور حسد سے پاک تھا۔ کمال تھا وہ شخص کہ اس دور میں بھی حرص و ہوس سے بھری ہوئی دنیا میں صاف صاف گزر گیا۔ آخری سانس لینے تک اندرابی صاحب نے دین کی خدمت کے عوض کسی سے ایک روپیہ بھی نہیں لیا۔ یہ انکی بے مثال خوبی تھی جس کی آج نظیر ملنی محال ہے۔ اس دور میں دینداری کم اور دکانداری زیادہ ہے۔ مولوی لاکھوں کروڑوں کی جاگیر کے مالک ہیں۔ دنیا بہت کمائی ہیں اگرچہ اپنی اپنی آخرت بُرباد کیں۔ مرحوم اندرابی صاحبؒ اکثر فرماتے تھے کہ ''جب تک مسلمان بالخصوص اہل مناسب امیری میں فقیری کی زندگی گذارتے رہے اس وقت تک ان کا معاشرہ فساد و بگاڑ سے محفوظ رہا اور اسلامی مزاج اور تمدن و ثقافت پھلتے پھولتے رہے اور جوں ہی انہوں نے امیری میں فقیری کا احساس کھو یا تو انہوں نے دنیاوی شکوہ بھی کھو ڈالا اور معنوی وجود بھی برباد کیا''۔ اندرابی صاحب کو تاریخ کے ان موقعوں، زاویوں اور تیوروں سے آگاہی تھی کہ قومیں بنتی کس طرح ہیں اور زوال کا شکار کیوں ہوئی ہیں۔ فلسطین، شام، اُردن، عراق اور افغانستان میں سامراجی طاقتوں کے مظالم بیان کرنے کے بعد اس کا علاج بھی بتاتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ ہمیں اب بھی یقین ہے کہ اگر مسلمان خود غرضی اور ذاتی مفادات سے بالاتر ہو کر اختلافات کی دیواروں کو گرا کر ایک بُنیانٌ مرصوص بن جائیں تو دنیا کی کوئی طاقت انہیں زیر نہیں کر سکتی۔

دشمنان اسلام مسلمانوں کے اندر انتشار و افتراق پیدا کرنے کے لیے مسلسل سازشیں کرتے رہتے ہیں۔ اور ہمارے سیاسی زعماء اور اسلامی مما لک کے ارباب حکومت ان کے آلہ کار بنے ہوئے ہیں۔ دراصل اتفاق و اتحاد بھی حق تعالیٰ کی ایک بہت بڑی نعمت ہے جو قرون اولیٰ کے مسلمانوں کو ان کی اطاعت شعاری اور ایمان کامل کی بدولت حق تعالیٰ نے انہیں عطا فرمائی تھی۔ ہم نے من حیث القوم اللہ تعالیٰ اور اس کے آخری رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت سے منہ موڑا اور اس کے نازل فرمودہ نظام حیات کو اپنی عملی زندگی سے خارج کر دیا تو حق تعالیٰ نے اپنا دست رحمت و شفقت بھی ہم سے اٹھا لیا، ہم نے اپنے مولا جل وعلیٰ شانہٗ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے در کو چھوڑا تو در در کی ٹھوکریں کھانا ہمارا مقدر بن گیا۔ سچ ہے:

سائیں انکھیاں پھیریاں بیری کل جہاں[6]

علامہ اندرابی صاحبؒ سے پہلے لکھا بھی جاتا تھا اور پڑھا یا بھی جاتا تھا لیکن فکری انتشار نے قلمکاروں کے لفظوں کو بکھیر کر رکھ دیا تھا۔ ادب وحکمت افراط وتفریط کا شکار تھے۔ جس سے محبت ہوئی اس سے ہشت جہات کا دولہا بنا دیا اور جس سے نفرت کا کوئی قرینہ پیدا ہو گیا اس سے اسفل السافلین میں گاڑ دیا۔ اندرابی صاحب نے اپنی فکر کو بکھرنے سے ہمیشہ محفوظ رکھا۔[7] آپؒ نے بار بار بتایا کہ ذہنی آزادی کے بغیر کوئی سماج ترقی نہیں کر سکتا۔ جس قوم نے فکر پر بندشیں لگائیں اس نے اپنی موت کے محضر پر دستخط کر دیئے۔[8] ہر عظیم مفکر اور مصلح کی فکر کے دو پہلو ہوتے ہیں، ایک کا رشتہ خود اس کے ماحول سے جڑا ہوتا ہے اور دوسرے کا آنے والی نسلوں سے۔ ایک کا رنگ مقامی ہوتا ہے اور دوسرے کا آفاقی۔ ایک حالات کے گردوپیش کے عمل اور ردعمل سے

مرتب ہوتا ہے اور فکر کے عارضی اور وقتی خطوط کی نشاندہی کرتا ہوا معاصرانہ چشمکوں کے پیچ وخم میں گم ہوجاتا ہے۔ فکر کے دوسرے پہلو کی بنیاد اس کے ذہن کی گہرائیوں میں ہوتی ہے جو عارضی مصلحتوں اور وقتی تقاضوں سے بلند ہوکر آفاقی حقیقتوں میں اپنا اپنا مرکز ومحور تلاش کرتی ہے۔ وہ کتنا ہی وقت کی رفتار پر اثر انداز ہو اس کی فطرت مسلسل پکارتی رہتی ہے ؎

اسی روز و شب میں الجھ کر نہ رہ جا
کہ تیرے زمان و مکان اور بھی ہے

فکر کا یہی پہلو شخصیت کی صحیح عکاسی کرتا ہے اور اسی کی بناء پر اس مصلح کا مقام تاریخ میں متعین کیا جاتا ہے۔ بعض اوقات ان دو پہلوؤں کو علیحدہ علیحدہ سمجھنے میں غلطی مفکر و مصلح کا حقیقی مقام سمجھنے میں رکاوٹ بن جاتی ہے۔ افسوس کی بات یہ ہے کہ اندرابی صاحب مرحوم کے وہ اقدامات جو گردو پیش کا ردعمل تھے اور جن کی حیثیت بالکل وقتی تھی، ان کی بنیادی فکر سمجھ لیے گئے۔ اور ان کی فکر کا وہ پہلو جس پر وہ مسلک اہل سنت والجماعت کی بنیاد رکھنا چاہتے تھے، نظروں سے اوجھل ہوگیا۔ مرحوم نے جولائی ۲۰۰۷ء ماہنامہ المصباح کے اداریہ میں خود اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا تھا: ''البتہ مجھے گلہ ہے اپنے ہم مسلک دوستوں سے جن کی خوش اعتقادی کے بعض غلط پہلوؤں کی نشاندہی کرکے میں نے اُن سے میانہ روی اور سلف صالحین کے طریقہ کو اپنانے کی درخواست کی، انہوں نے اس سے غلط تاثر لے کر میرے خلاف اندر ہی اندر چپکے چپکے اپنے حلقۂ احباب میں میری شبیہ بگاڑنے کا بیڑا اٹھایا، یوں میری حقیر مساعی اصلاح واتحادِ بین المسلمین کی دوست و دشمن دونوں کی تنقید کا نشانہ بننا پڑا۔ گویا میرا وہی معاملہ ہوا جو شاعر مشرق علامہ اقبال مرحوم

کے ساتھ پیش آیا تھا اور وہ بے اختیار ہو کر پکار اُٹھے ؎

اپنے بھی خفا مجھ سے بیگانے بھی ناخوش
میں زہر ہلاہل کو کبھی کہہ نہ سکا قند9

دراصل اندرابی مرحوم کی بنیادی فکر میں فرقہ واریت کے لیے کوئی جگہ نہ تھی۔ وہ مختلف فرقوں میں اتحاد، ربط اور یگانگت کے قائل تھے۔ دراصل جو غلط فہمی عقیدتمندی کے سہارے پھیلائی جاتی ہے اس کا دور کرنا مخالفوں کی بدظنی کا مقابلہ کرنے سے زیادہ دشوار ہوتا ہے۔ اقبال کی زبان میں اندرابی مرحوم بھی کہہ سکتے تھے ؎

چوں رختِ خویش بربستم ازیں خاک
ہمہ گفتند باما آشنا بود
ولیکن کس ندانست ایں مسافر
چہ گفت و باکہ گفت واز کجا بود

اندرابی صاحب مرحوم کی فکر اور عمل کے تجزیہ کے لیے ضروری ہے کہ بعض بنیادی حقیقتوں پر نظر رہے۔ تاکہ ان کی عوامی جدوجہد، تعلیمی منصوبوں، سیاسی روش اور ادبی خدمات کا جائزہ صحیح پس منظر میں لیا جاسکے۔ انہوں نے قوم مسلم کے عروج وزوال پر بڑی سنجیدگی اور بالغ نظری سے سوچا تھا۔ وہ قوم کے ذی شعور باشندوں کو اس مسئلہ پر اکثر غور وفکر کی دعوت دیا کرتے تھے۔ تفصیلات کے لیے دیکھئے مقالاتِ اندرابی کے مندرجہ ذیل مضامین:

اسلام کی زبوں حالی اور اس کے حقیقی اسباب وعلاج
علماءدین سے دردمندانہ گذارش
آخراس درد کی دوا کیا ہے؟

ہند و پاک تعلقات اور مسئلہ کشمیر
اتحادِ بین المسلمین وقت کا اہم ترین تقاضا
کشمیر جنوبی ایشیا کا فلسطین۔
بابری مسجد بھارتی جمہوریت کے ماتھے پر کلنک کا ٹیکہ۔
زوال امت کے اصل اسباب وغیرہا۔[10]

امت کے عروج وزوال کے اس تجزیہ نے اندرابی صاحب کو اس حقیقت تک پہونچا دیا تھا کہ فکر وعمل کے سانچے وقت کے ساتھ ساتھ بدلتے رہنے چاہیں۔ ہر دور ایک نئے علم کلام کا تقاضا کرتا ہے۔ زندہ قوم کو یہ تقاضا پورا کرنا چاہیے۔ اجتہادی فکر سے امت میں زندگی کی نئی لہریں ابھرتی ہیں جو اس کو فوز وکامرانی کی راہ دکھاتی ہیں۔

اندرابی صاحب کی فکر سے زیادہ اس وقت ہمیں ان کی ذات اور ان کی سیرت سے روشنی حاصل کرنے کی ضرورت ہے۔ قوموں کی حیات اجتماعی اس کے افراد کی سیرت کا پرتو ہوتی ہے۔ جب افراد کی زندگیاں اعلیٰ قدروں سے محروم ہو جاتی ہیں تو ملی زندگی کے سوتے خشک ہونے لگتے ہیں۔ اس وقت اندرابی صاحب کی سیرت، ان کی دردمندی، ان کے جذبۂ قربانی کو قندیل رہبانی بنانے کی ضرورت ہے۔ اندرابی مرحوم کے کاموں کا ظاہری اتباع تو شاید ممکن ہو بھی جائے لیکن سیرت وکردار میں ان کا اتباع آسان نہیں۔ اس کے لیے ریاض اور بڑی قربانی کی ضرورت ہے۔ اس مردِ قلندر کے جنون کو وہ کیا سمجھ سکیں گے جن کا سرِ دامن بھی چاک نہیں ہے۔ زیارت پیر دستگیر صاحبؒ سرینگر میں ایک دن سیرتی کانفرنس کو خطاب کے دوران اندرابی صاحب نے انتظامیہ کمیٹی کو فرمایا، آپ القابات بہت زیادہ لکھ دیتے ہیں۔ فقیر ان کا اہل

نہیں لہٰذا یہ اسراف میں داخل ہے، احتیاط کریں۔ اندرابی صاحب مرحوم ایک بلند ہمت، باکردار، پیکر عجز و انکسار، خوش گفتار و خوش اطوار، محمل و بردبار، اخلاق عالیہ اور اوصاف حمیدہ کے مالک تھے۔ حضرت اندرابی صاحب حق گو تھے۔ حق پسند تھے۔ انہوں نے کبھی حق گوئی میں نہ شاگردوں کی رعایت کی، نہ مریدوں کی اور نہ احباب اہل سنت کی۔ انہوں نے ہمیشہ شریعت کی پاسداری فرمائی۔ حضرت علامہ مرحوم نے صوفیوں کی طرف پڑھایا، حکماء کی طرح بولے اور اساتذہ کی طرح تصوف کی جستجو میں نور کی دہلیز سے اقتباس فیض کیا۔ ان کے لہجے کے ٹھہراو نے ان کی خطابت کو باوقار بنادیا تھا۔ منطق اور الٰہیات پڑھانے والے لوگ اکثر محبت کے سچے جذبوں اور ادراکات سے محروم ہوجاتے ہیں اور آہستہ آہستہ ان لوگوں کے ہاں جمالیاتی سرچشمے خشک ہوجاتے ہیں۔ لیکن اندرابی صاحب نے اپنے اندر کے انسان کو زندہ رکھا۔ انہوں نے جس سے محبت کی اس میں کوئی شرط نہ رکھی۔ انہوں نے سفید پوشی میں زندگی گزاری لیکن کسی کی دہلیز سے روٹی کی بھیک نہ مانگی۔ عقائد و اعمال کی اصلاح اور درستگی ان کا نصب العین تھا۔ جس کے لیے انہوں نے تدریس بھی کی اور تبلیغ بھی، تحقیق و اشاعت کا کام بھی کیا اور رشد و ہدایت کا منصب بھی سنبھالا۔ دینی کام کرنے والوں کی خوب حوصلہ افزائی فرماتے، بالخصوص تصنیف و تالیف سے وابستہ افراد کی حوصلہ افزائی اور تحسین کا کوئی موقع بھی ہاتھ سے نہ جانے دیتے تھے۔ ''سینکڑوں کتابوں پر ان کے قلم سے لکھے ہوئے تقاریض عین ثبوت ہے۔ جب ان کے روحانی مقام کی طرف غور کیا جائے تو اس میں بھی کمال مقام پر نظر آتے ہیں۔ یہاں تفصیل کی گنجائش نہیں ہے۔ اندرابی صاحب اکثر فرماتے تھے'' جب کوئی قوم حقیقی دین کو چھوڑ

دیتی ہے تو پھر وہ ایک ایسا دین ایجاد کر لیتی ہے جو اس کی خواہشات اور مفادات کے مطابق ہوتا ہے اور پھر وہی ساری دینی عقیدتیں اسی دین پر نچھاور کر دیتی ہے‘‘۔ جب بھی اہل سنت کے عقائد پر کسی نے انگلی اٹھائی تو انہوں نے شائستہ، مدلل، اور نا قابل تردید دلائل سے عقائد اہل سنت کا دفاع کیا اور جس نے بھی سُنیت کا لبادہ اوڑھ کر اہل سنت کو بدنام کرنے کی کوشش کی تو قبلہ اندرابی صاحب نے اس کی بھی حکمت اور دانائی کے ساتھ اصلاح کی اور اہل سنت کے عقائد کی ترجمانی کا حق ادا کر دیا۔ مثلاً آج کل مزارات کی حاضری پر جس قدر غیر شرعی امور کا ارتکاب ہوتا ہے اور یہ چیز اہل سنت و جماعت پر جس شدت سے طعن و تشنیع کا سبب بن رہی ہے۔ اس کا اندازہ لگانا کسی صاحب نظر کے لیے مشکل نہیں۔ عورتوں کا بے پردہ مزارات پر جانا اور نام نہاد مجوروں کا زائرین کو لوٹنا وغیرہم ایسے امور ہیں جو اہل سنت کے نزدیک نہ صرف نا جائز بلکہ حرام ہیں۔ لیکن انہی چیزوں کو اہل سنت کی بدنامی کا ذریعہ بنایا جاتا ہے اور عوام کو ایسے غلط امور سے ٹوکنے والا طرح طرح کے فتوؤں کا مورد ٹھہرتا ہے۔ لیکن قبلہ اندرابی صاحب مرحوم کسی ملامت کی پرواہ کئے بغیر فرماتے ہیں: ’’خانقاہیں اور مقابر اولیاء کاملین جو روحانیت کے مراکز تھے، جہاں کی فضا پژمردہ دلوں کو سکوں وطمانیت کے نور سے منور کرتی تھی، وہاں اب رسوم وظاہر داری کے سوا کچھ نہیں، اعراس وایام متبرکہ کے مواقع پر لوگوں کی بھاری تعداد عقیدت و احترام کے جذبات کے ساتھ ابھی بھی ان آثار و خانقاہوں پر حاضر ہوتی ہے۔ ذکر و اذکار کی رسمی محفلیں آراستہ کی جاتی ہیں، مردوزن کے مخلوط اجتماعات بظاہر بڑے ہی دلکش معلوم ہوتے ہیں لیکن اس کی شرعی قباحت کی طرف کوئی بندہ توجہ نہیں دیتا‘‘۔11 آگے فرماتے ہیں

’’دوسری طرف تصوف کے نام پر نام نہاد صوفیوں اور درویشوں کے حلقے سرگرم عمل ہیں۔ وہاں صوم وصلوٰۃ اور ذکر وفکر کے بجائے چنگ ورباب کی رونقیں ہیں اور جامِ عرفان کے بجائے چرس وافیون کے ایمان سوز حیات کش نشوں سے لذتِ کام ودہن حاصل کی جاتی ہے اور ستم بالائے ستم یہ کہ اسی کو طریقت کا نام دیا جاتا اور العیاذ باللہ خوش اعتقادی کی علامت ان ہی شیطانی مجالس سے وابستگی کو سمجھا جاتا ہے اور جو پیر خانے ان منکرات سے پاک ہیں، وہاں بھی (الا ماشاء اللہ) حقیقی عرفان کی روح دکھائی نہیں دیتی، بیشتر گدی نشین علم شریعت سے ناواقف ہوتے ہیں اور جو معدودے چند مستند علماء اس جماعت اہل سنت میں موجود ہیں وہ اپنی ’’مخصوص مصلحتوں‘‘ کے تحت ؎

رند خراب حال کو زاہد نہ چھیڑ تو
تجھ کو برائی کیا پڑی اپنی نبیر تو

کی تصویر بنے ہوئے ہیں۔ ان حالات میں دوسرے مسالک کا فروغ اوران کی برق رفتار ترقی موجب حیرت واستعجاب نہیں ہونی چاہیے۔ 12

’مخصوص مصلحتوں‘ کو علامہ اندرابی مرحوم دوسری جگہ خود وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہے’’غوث اعظم کا اصل مقام کیا ہے اس کی اولاً بہت کم لوگوں کو وقفیت ہے اور جن اہل علم حضرات کو واقفیت ہے وہ قصداً اس کو بیان کرنے سے گریز کرتے ہیں اس لیے کہ اس سے مجاورین ناراض ہوتے ہیں اور وہ دوبارہ انہیں بقعات میں خطاب کرنے نہیں دیتے یا ان کی تقاریر پر خراج تحسین ادا نہیں کرتے۔ 13 عید میلاد کے بارے میں عقیدہ اہل سنت کو بیان کرتے ہوئے حضرت علامہ اندرابی مرحوم فرماتے ہے’’آج اسلامی دنیا تاخت وتاراج اور شکست وریخت کے جس عبرت انگیز دور سے گزر رہی ہے

وہ صادق و مصداق پیغمبر رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرامین عالیہ کی عملی تفسیر ہے۔ ربیع الاول کا ہلال اگر ہمیں حضور نور مجسم رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ظہور قدسی کی یاد دلا کر اپنی تباہ حالی پر غور کر کے اپنی انفرادی و اجتماعی زندگی کو از سر نو سنت و سیرت نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے سانچے میں ڈھالنے پر آمادہ کرتا ہے تو بلا شبہ یہ ہلال، ہلالِ عید ہے۔ ایسی 'عید' جس کا بدل کوئی دوسری عید نہیں، اس پورے ماہ نور کے دوران جائز اور مباح طریقوں سے اپنی مسرتوں کا اظہار کرنا اور بارگاہِ رب العزت میں ہمہ تن شکر بن کر سجدہ ریز ہونا، یقیناً رضاءِ الٰہی کا موجب ہوگا اور یہی ہماری عظمتِ رفتہ کی بازیابی کا ذریعہ ہوگا۔ ورنہ دیگر قومی اور ملکی تہواروں کی طرح ظاہری جوش و خروش کا مظاہرہ اور جلسہ و جلوس کی ہنگامہ آرائی نشتند و گفتند و برخاستند کے سوا کوئی معنی نہیں رکھتا۔ 14

حضرت علامہ اندرابی ان چند گنے چندے علماء میں سے تھے جنہوں نے اسلام کی ہمہ جہت خدمت انجام دیں۔ مسند تدریس پر بیٹھ کر جہاں وہ بزرگوں سے سمیٹی ہوئی علوم وفنون کی نعمت طلباء کے سینوں میں منتقل کرتے رہے، وہاں وہ عالمی سطح پر اسلام اور مدعیان اسلام کو پیش آمدہ مسائل سے بھی قطعاً بے خبر نہیں رہے۔ اسلام کے خلاف دنیا کے کسی بھی کونے سے اٹھنے والی آواز کے مقابلے میں قلم و قرطاس کے ساتھ جہاد کرتے رہے۔ کشمیر میں وہ پہلے شخص تھے جس نے علمی میدان میں غیر صوفیانہ نظریات کا رد بلیغ انداز میں کیا ہے اور ایک زبردست ذمہ داری کو پورا کیا۔ ان تجدیدی اور اصلاحی کارناموں کی بناء پر حضرت علامہ اندرابی مرحوم "Social Reformer" بھی تھے۔

حضرت سید محمد اشرف اندرابی صاحب نے اپنے ماحول اور معاشرے کو

دیکھتے ہوئے جس شعبہ میں خدا کو سب سے پہلے محسوس کیا وہ شعبہ تعلیم تھا۔ انہوں نے خود ہی ایک محنتی مدرس کی حیثیت سے بھرپور کردار ادا کیا اور دوسروں کو بھی اس کی ترغیب دی۔ گاؤں میں ان دنوں دس دس میل کی دوری پر کہیں کوئی پرائمری سکول دیکھنے کو ملتا تھا اور وہاں بھی تعلیم کا کوئی خاطر خواہ انتظام نہیں ہوتا تھا۔ کل ملا کر تعلیم کا یہ حال تھا کہ ۱۹۳۱ء کی مردم شماری کے مطابق پڑھے لکھے لوگوں کی تعداد نہایت ہی کم تھی۔ پریم ناتھ بزار لکھتے ہیں:

"Out of the total population of 3636243, only 3.4% i.e. 34 out of a thousand are literate according to the census figures of 1931."[15]

اور آزادی کے وقت ۱۹۴۷ء میں 7% لوگ تعلیم یافتہ تھے۔[16] تعلیمی پسماندگی کے اس ماحول کے ساتھ اندرابی صاحب نے سمجھوتہ نہیں کیا بلکہ اس سے لوہا لینے کی سوچ کو اپنے ذہن میں اُجاگر کیا۔ خود بھی تعلیم حاصل کی اور پھر کشمیری عوام کو بھی ۳۱ سال تک اس تعلیم سے آراستہ کرتے رہے۔ تقریباً ہر دور میں چار طریقوں سے علم دین کی نشر و اشاعت کی جاتی رہی۔ (۱) تصنیف و تالیف (۲) درس و تدریس (۳) وعظ و تبلیغ (۴) تزکیہ کے لیے محافل ذکر۔

آخری تین طریقوں میں سے آپ نے بھرپور انداز سے اسلام کی نشر و اشاعت میں اہم کارنامے سرانجام دیئے اور پہلے طریقے سے ان کی نسبت کم حصہ لیا کیونکہ آپ کو آخری تین چیزوں سے بہت کم فرصت ملتی تھی۔ تدریسی اور دیگر گوناگوں مصروفیات کے باوجود بھی آپؒ نے قلمی تحریرات کے ذریعے بھی ناقابل فراموش اور قابل قدر خدمات سرانجام دیں۔ انجمن تبلیغ الاسلام کے ترجمان مجلہ التبلیغ، الاعتقاد اور پندرہ روزہ حنفی اخبار میں مختلف مذہبی اور

سیاسی موضوعات پر مقالات لکھتے رہے اور گذشتہ کے آٹھویں دہائی میں ماہنامہ تبلیغ الاسلام کے مدیر اعلیٰ کی حیثیت سے اہم مذہبی، علمی، سماجی اور سیاسی مسائل پر فکر انگیز مقالات لکھتے رہے۔ جنہیں ریاست اور ریاست سے باہر دانشوروں نے پسند کیا اور مقالات انشائیہ اتر پردیش اور مدھیہ پردیش کے ہم عصر جرائد نے نقل کیا۔ بعد میں شاہ ہمدان ٹرسٹ پانپور کی جانب سے بھی ایک ماہنامہ جاری کیا جس کا مُدیر اعلیٰ بھی مرحوم اندرابی صاحب تھے۔ آپؒ نے متعدد موضوعات پر چند چھوٹی بڑی کتابیں بھی تحریر فرمائیں۔ مثلاً صوراسرافیل، اسلام کیا ہے، وحیدالدین خان کا Scientific Islam یا جدید ارتداد، ردِقادیانیت وغیرہ۔

یہاں ایک سوال ذہن میں ابھر سکتا ہے کہ جب اندرابی صاحب کا مطمع نظر اتنا وسیع اور ہمہ گیر تھا تو پھر انہوں نے اپنی کوششوں کا دائرہ تعلیمی جدوجہد تک کیوں محدود کر دیا؟

تاریخ عالم شاہد ہے کہ جب کوئی بڑا مصلح اپنا کام شروع کرتا ہے تو پہلے زندگی کے ہر شعبہ کا جائزہ لیتا ہے اور پھر عملی حیثیت سے ایک گوشہ کی اصلاح پر اپنی صلاحیتیں مرکوز کر دیتا ہے۔ ایسا ہر مصلح کو کرنا پڑتا ہے۔ زندگی محدود ہے اور کام لامحدود۔ جب تک ساری صلاحیتوں کو پوری طرح ایک گوشہ کی تنظیم و اصلاح میں نہ لگا دیا جائے نتائج مرتب نہیں ہوسکتے۔ تعلیم اس اصلاحی پروگرام کا مرکزی نقطہ تھا۔ اسی پر اندرابی صاحب نے اپنی ساری جہد وسعی کو مرکوز کر دیا کہ اس کے اثرات زندگی کے ہر شعبہ کو متاثر کرنے کی صلاحیت رکھتے تھے۔ تاریخ ساز شخصیتوں کی آواز دل کی گہرائیوں میں اپنی جگہ تلاش کرتی ہے۔ اندرابی صاحبؒ نے اپنے گرد جو علمی اور ادبی حلقہ پیدا کر لیا تھا وہ

کشمیری مسلمانوں کی جدید تاریخ میں سنہری حروف سے رقم کرنے کے قابل ہیں۔ مثلاً انجینئر نذیر احمد میر پانپوری، انجینئر قاضی عبدالقیوم، سید بلال احمد کرمانی اور عبدالحمید نعیمی وغیرہ۔ ان میں سے کسی کی زندگی میں سے اندرابی صاحب کا اثر نکال دیجئے تو پھر انکی شخصیتوں کو پہچاننا مشکل ہوجائے گا۔ اندرابی صاحب کی نظر کیمیا اثر جس پر پڑ گئی اس کی زندگی کا رخ بدل گیا۔ اور اس کی زندگی اعلیٰ مقاصد کی چاکری میں بسر ہونے لگی۔ بقول سعدیؒ

از خیال تو بہر سو کہ نظر میکردم
پیش چشم در و دیوار مصور می شد

حضرت علامہ سید محمد اشرف اندرابی صاحبؒ کی موت کے ساتھ ہماری آنکھوں کے سامنے سے صرف ایک شخصیت غائب نہیں ہوئی، اس شخصیت میں کئی شخصیتیں چھپی ہوئی تھیں اور ہر شخصیت اپنی ایک الگ شناخت رکھتی تھی۔ ایک صحافی، ایک دانشور، ایک سماجی مفکر، ایک ادیب، ایک ذمہ دار شہری، غرض کہ اندرابی صاحب ایک ساتھ کئی حیثیتوں سے یاد کئے جاتے ہیں۔ میں جب ان کے بارے میں سوچتا ہوں تو آنکھوں کے سامنے تصویروں کا ایک پورا سلسلہ گزرنے لگتا ہے۔ ہر چند کہ یہ تصویریں ایک دوسرے سے الگ اور اپنے آپ میں مکمل ہیں۔ لیکن ان سے مل جل کر جو تصویر بنتی ہے، وہ صرف ایک شخص کی نہیں بلکہ زندگی اور فکر کے ایک اسلوب، ایک روایت، ایک تہذیب، اقدار کے ایک مکمل نظام کی تصویر ہے۔ اس لحاظ سے اندرابی صاحبؒ کی شخصیت بجائے خود ایک کائنات اصغر تھی۔ چند صفحات میں اس پوری کائنات کا احاطہ آسان نہیں۔ کچھ اس لیے بھی کہ اندرابی صاحب سے میرے تعلقات کی نوعیت ایسی نہیں تھی کہ میں قطعاً غیر جذباتی اور

معروضی انداز میں ان کی شخصیت کے مختلف پہلوؤں یا ان کی خدمات کا جائزہ لے سکوں۔

میں نے انہیں ہر روپ میں دیکھا، مگر اس وقت ان کے جس روپ میں ساری شکلیں جذب ہوتی نظر آتی ہیں وہ ایک مُرشد، مربی، مفکر اور اُستاد کا ہے۔ ایسا اُستاد جو رہنما بھی تھا اور غم گسار بھی۔ چارہ گر بھی تھا اور چارہ ساز بھی۔ غرض کس کس بات کا ذکر کیا جائے؟ کشمیر، جنوبی ایشیا، فلسطین، ملک کی فرقہ وارانہ صورتحال، سیاسی درماندگی، افغانستان کی مظلومی نہ جانے کون کون سے ایسے زخم تھے جن کے ساتھ وہ جیے۔ لیکن خود بھی زندگی کرنے کا جگر ان میں تھا اور یہی وہ ورثہ ہے جو سید عبدالحمید اندرابی (فرزند نسبتی) اور نسیمہ اندرابی لاہور سمیت ہم سب کو دے کر وہ خود تو چلے گئے اور ہماری حالت یہ کر گئے کہ

جب نام ترا لیجئے تب چشم بھر آوے

❖❖❖❖

حوالہ جات

۱۔ ماہنامہ المصباح، جون ۲۰۱۸ء
۲۔ Kashmir Papers، اے برنکمین، ص ۱۰
۳۔ ایضاً، ص ۱۰
۴۔ نگارستان کشمیر، قاضی ظہور الحسن ناظم، ص ۳۶۷
۵۔ ویلی آف کشمیر، لارنس، ص ۳۸۷
۶۔ مقالاتِ اندرابی، ص ۲۶۲۔ ۲۶۳
۷۔ مقالاتِ اندرابی، ص ۳۲۶، چھاپ شاہِ ہمدان میموریل ٹرسٹ پانپور، ۲۰۱۳ء
۸۔ صدارتی خطبہ، سالانہ کانفرنس شاہ ہمدان ٹرسٹ پانپور، ۲۰۰۵ء
۹۔ ماہنامہ المصباح، جولائی ۲۰۰۷ء
۱۰۔ مقالات اندرابی۔
۱۱۔ مقالات اندرابی، ص ۵۵
۱۲۔ مقالاتِ اندرابی، ص ۵۶
۱۳۔ مقالاتِ اندرابی، ص ۱۳۵
۱۴۔ مقالاتِ اندرابی، ص ۳۳۸۔ ۳۳۷
۱۵۔ Inside Kashmir، پریم ناتھ بزاز، ص ۲۳۶
۱۶۔ Inside Kashmir، بزاز، ص ۲۳۲

حضرت علامہ اندرابی صاحب اپنے اسلاف کے آئینہ دار تھے

ابو احمد رضا
متعلم دار العلوم شاہ ہمدان پانپور کشمیر

قُدوۃُ العلماء، زبدۃُ الصّلحاء، بقیۃ السلف، حجۃُ الخلف، حضرت علامہ الحاج سید محمد اشرف اندرابی القادری الحنفیؒ (جڈورہ پلوامہ کشمیر) متولد ۶ر ستمبر ۱۹۲۷ر متوفی ۹ر اگست ۲۰۱۶ء برصغیر کے علمائے ربّانین میں سے ایک عالم ربانی تھے۔ اور قول وفعل میں اپنے اسلافِ کرام کے ایک حسین نمونہ اور آئینہ دار تھے۔

حضرت علامہ موصوف کو برصغیر کے بڑے بڑے علمائے کرام سے شرفِ تلمذ بھی تھا اور کئی قدآور روحانی شخصیات سے شرف اِسترشاد بھی حاصل تھا۔ آپ جہاں عارفین وکاملین کے مسترشد عامل تھے وہیں شائقین وطالبین کے مُرشد کامل تھے۔

برصغیر پاک و ہند کے جیّد علمائے عاملین اور عُرفائے کاملین کے ساتھ حضرت علامہ اندرابی صاحب کی کثرت سے ملاقاتیں بھی تھیں اور خط وکتابت بھی تھی حتیٰ کہ بعض چوٹی کے قدر شناس علماء تعظیماً آپ کے لیے کھڑے بھی

ہوجایا کرتے تھے اور ادباً قدومِ استقبال اور دست بوسی بھی کرتے تھے ایسا کئی بار راقم الحروف کے مشاہدے میں بھی آیا ہے۔

اس لیے کہ آپ بیک وقت علم وعمل اور زہد وتقویٰ کی سعادت کے حامل بھی تھے اور نسباً نسبت مصطفوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی سیّادت سے بھی متصف تھے۔یعنی آپ بیک وقت سعادت مآب بھی تھےاور سیادت مآب بھی تھے۔

مملکت خداداد سرزمین پاکستان (غیر منقسم ہند کے صوبہ پنجاب شہر گجرانوالہ) میں آپ کے بعض آباء واجداد اور اعمام واعمام زادے سکونت پذیر ہوئے ہیں جس کی وجہ سے آپ ایک طویل عرصہ سے مسلسل طور پر سالانہ یا پھر ایک دوسال کے بعد پاکستان کا سفر کرتے تھے۔کیونکہ آپ وہاں اپنے جدِّ بزرگوار اور مُرشد کامل حضرت سید احمد صاحب اندرابی رحمۃ اللہ علیہ کے آستانہ عالیہ کے سلسلۂ قادریہ اندرابیہ کے سجادہ نشین بھی تھے۔اس لیے آپ کا یہ سفر پاکستان کئی کئی مہینوں کا بھی ہوا کرتا تھا۔اس دوران پاکستان کے بڑے بڑے سرکردہ علمائے کرام آپ کی ملاقات کے لیے آیا کرتے تھےاور آپ کی بڑی قدر بھی کرتے تھے۔

مگر اس کے ساتھ ساتھ اپنے ملک ہندوستان کے علمائے کرام بھی شرقاً غرباً حضرت علامہ اندرابی صاحب علیہ الرحمہ کی اس قدر عزت واکرام کرتے تھے کہ ایک مختصر سے خطہ پر یا ایک معمولی فون کال پر بھی ہندوستان کے بڑے بڑے علمائے کرام ودانشور حضرت واردِ کشمیر ہوکر آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔اوراس حاضری کو اپنے لیے بڑی خوش بختی اور سعادت مندی سمجھتے تھے۔خواہ اُن کا تعلق ہندوستان کی بڑی بڑی جامعات اور

یونیورسٹیوں کے ساتھ ہو یا پھر سرزمین ہند کے بڑے بڑے مرکزی مدارس کے ساتھ ہو۔اس امر کے عمومی اور وقتی اسباب و وجوہات جو بھی رہتے تھے۔ مگر راقم الحروف کی دانِش میں اس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ حضرت علامہ اندرابی صاحب کی خدمت میں حاضر ہوکر اُن علماء و دانشوروں کو ایک قلبی، روحانی، فکری اور ذہنی سکون حاصل ہوتا تھا اور حضرت کی زبان سے اُن کو اپنے اسلافِ کرام کی یاد تازہ ہوتی تھی۔نیز اُن کی مشام جان اسلاف کی خوشبو سے معطر ہوا کرتی تھیں کیونکہ آپ اپنے اسلاف کے آئینہ دار تھے۔اس آئینہ داری کی چند جھلکیاں قارئین کرام کے پیش خدمت ہیں۔

(ا) جہاں بینی

حضرت علامہ اندرابی صاحب علیہ الرحمہ علم وآگہی، عقل وشعور، قول وعمل اور فکر و تدبُر میں اپنے اسلاف کا اس قدر عکسِ جمیل تھے کہ بیک وقت جہاں اُمتِ مسلمہ کو درپیش ریاستی اور ملکی مسائل پر گہری نظر رکھتے تھے وہیں عالمی سطح پر درپیش مسائل پر بھی بصیرانہ تعمُّق رکھتے تھے۔خواہ وہ مسائل ملی ہوں یا دینی، داخلی ہوں یا خارجی، سیاسی ہوں یا سماجی اور اس پر مستزاد یہ کہ نہ صرف اِن جملہ مسائل پر گہرائی اور گیرائی کے ساتھ نظر تھی بلکہ ان کے اسباب وعِلل تلاش کرنے میں بھی عُقابی نظر تھے اور اِن کے حل و تدارک کا بھی اللہ تعالیٰ نے کافی تدبّر عطا کیا تھا گویا حضرت علامہ اپنی ذات میں جہاں دیدہ بھی تھے۔ اور جہاں بین بھی تھے اور جہاں گیر بھی تھے۔خصوصاً ریاستی اور ملکی مسائل پر آپ ہمیشہ نہ صرف نظر رکھے ہوئے تھے بلکہ بے حد متفکر بھی تھے اور مسئلہ کشمیر اور اس کے حل پر آپ کی خاصی توجہ مرکوز رہتی تھی اور آپ کے بے باک قلم سے صادر شدہ وہ نگارشات اور مضامین اس بات کے گواہ ہیں جو اکثر

جرائد و رسائل میں کثرت کے ساتھ شائع ہوے ہیں خاص کر شاہ ہمدان میموریل ٹرسٹ پانپور سے شائع ہونے والے ماہنامہ المصباح کے ادارے اس امر کی بیّن دلیل ہیں۔

قصرِ ختم نبوت محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک جانباز سپاہی بن کر حضرت علامہ اندرابی صاحب نے دفاعی مورچہ سنبھال کر فتنۂ مرزائیت کے مصنوعی محل خانے پر خداداد علمی و قلمی صلاحیت سے ایسا مجاہدانہ وار فرمایا کہ ایک تحقیقی رسالہ ''ختم نبوت'' تصنیف فرما کر اُس کو زمین بوس کر دیا۔

نیز دینِ اسلام کی قدیم اور آفاقی اقدار کو پامال کر کے ایک جدید سائنسی (کھوکھلا اور رُوکھا سوکھا) اسلام پیش کرنے والے اور اسوۂ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو کہ اسوۂ حسنہ بھی ہے اور اسوۂ کاملہ بھی ہے کو نامکمل بنانے والے سامراجی ہاتھوں کے زرخرید سرکاری مولوی مُرتد وحید الدین خان کا ایسا تعاقب کیا جو جماعتِ اہل سنت کے علماء میں آپ ہی کا حصہ تھا اور ''وحید الدین خان کا سائنٹفک اسلام یا ماڈرن ارتداد'' نام کا ایک اعلیٰ پایہ کا علمی اور تحقیقی رسالہ تالیف دے کر اُمت مسلمہ کو بروقت اس سرکاری فتنے سے آگاہ فرمایا اور ایسے میں امیر المومنین حضرت سیدنا صدیق اکبرؓ کی مدعیان نبوت کے خلاف مورچہ سنبھال کر جہاد کرنے کی یاد بھی تازہ ہوتی نظر آرہی ہے اور حضرت سیدنا فاروق اعظمؓ کی منافقین اور شرپسندوں کی بروقت سرکوبی کرنے کی سُنت تازہ کرنے کی تصویر بھی نظر آتی ہے۔یہی اپنے اسلاف کی آئینہ داری ہے۔

(۲) بیان وادب

اسی طرح جب حضرت علامہ اندرابی صاحبؒ خطاب فرمانے کے لیے رونق بہ منبر یا رونقِ اسٹیج ہوا کرتے تھے تو اس انداز میں گفتگو فرماتے کہ سامعین

میں سے ہر طبقہ اور ہر درجے کے لوگوں کو اپنا اپنا حصہ ملتا۔ آپ اپنے خطاب میں علم و ادب کے ایسے موتی بکھیرتے کہ بڑے بڑے دانشور بھی ذہنی و فکری طور مزید بالغ ہو کر عش عش کرنے اور آپ کے اگلے خطاب کے لیے ترستے رہتے۔ کیونکہ کشمیری اور پنجابی زبان کے علاوہ آپ کو عربی، فارسی، اردو اور انگریزی زبان پر بھی یکسان عبور حاصل تھا۔

دلائل کا استحضار، بیان کی روانی، زبان کی سلاست، فکر کی صلابت اور خداداد علمی صلاحیت آپ کے خطاب کا خاصا ہوا کرتا تھا۔ نیز آپ کے بیانات قرآن و حدیث کے دلائل و شواہد سے لبریز اور حشو زوائد سے بری ہوتے تھے۔ مزید برآں کہ صحابہ و تابعین اور اولیاء کاملین کے اقوالِ مبارکہ اور افعال حسنہ کی پیوند کاری سے آپ کے بیانات اور زیادہ رُوح پرور اور دلنشین ہوتے اور آپ جس موضوع کا بھی انتخاب کرتے اُس کے ساتھ خوب سے خوب تر انصاف فرماتے۔

حضرت علامہ صاحب موصوف دورانِ بیان ادب اور فرق مراتب کا جتنا خیال رکھتے میں نے اتنا خیال رکھتے ہوئے آج تک کسی کو نہیں دیکھا ہے۔ یعنی حضرت حق تعالیٰ شانہٗ کی بارگاہ صمدیت کا صمدی اور الوہی لحاظ بھی مکمل طور پر رکھتے اور بارگاہِ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بھی کامل طور پر خیال رکھتے۔ نیز صحابہ و تابعین، ائمہ، مجتہدین اور اولیاء کاملین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی ذواتِ قدسیہ کا بھی بھرپور ادب ملحوظ رکھتے۔

ادب کا یہ لحاظ، فن ادب و بلاغت کا اس طرح استعمال اور فرقِ مراتب کا اتنا خیال میں نے سب سے زیادہ حضرت علامہ اندرابی صاحب کے ہاں دیکھا ہے بلکہ تھوڑا بہت انہیں سے سیکھا بھی ہے۔ اور پھر ان کے بعد پھر

یہ چیزیں حضور شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری صاحب کے ہاں دیکھی ہیں اور اس لحاظ کا تیسرا شخص میں نے ابھی تک نہیں دیکھا ہے۔

خطابت اور کتابت بلکہ ہر لحاظ سے آپ تفریق اور تخریب سے ہمیشہ بیزار رہتے تھے اور قوم کی بالخصوص اہل سنت کی شیرازہ بندی کے لیے ہمیشہ فکر مند اور کمر بستہ رہتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ اپنے بیگانے، موافقین، مخالفین سب کے ہاں منصب صدارت کو نہ صرف آپ کا انتظار رہتا تھا بلکہ آپ کی صدارت سب کے لیے باعث افتخار بھی ہوتی تھی۔

عجب یہ ہے کہ آپ کو اپنے ہر خطاب میں اپنے مسلک و موقف کو بالبراہین واضح طور پر قوم کے سامنے پیش کرنے میں نہ صرف یدِ طولیٰ حاصل تھا بلکہ سبقت اور فوقیت بھی حاصل تھی جس کا اعتراف اپنے پرائے سب کو تب بھی تھا اور آج بھی ہے۔ اور اس شان سے آپ قوم وملت کے ایک بالغ النظر قائد معلوم ہوتے تھے۔

(۳) خشیتِ الٰہی

اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا کے مصداق اور اس کے حسین زیور سے آراستہ شخصیت حضرت علامہ اندرابی صاحبؒ پر دوران مواعظہ حسنہ خوف خدا، خشیت الٰہی، احساس حضوریٔ آخرت کی کیفیت اس قدر طاری ہوتی تھی اور خود کو اُمت کے سب سے بڑے گنہگار کی حیثیت سے یوں پیش کرتے کہ کوئی آنکھ نم ہوئے بغیر نہیں رہتی۔

صحبت وقربت کی بناء پر راقم الحروف کا تقریباً بیس سالہ مدت کا ذاتی اور عینی مشاہدہ ہے کہ آپ واقعتاً بھی اور از روئے تربیت بھی اپنی نجی محفلوں میں جب ہم نکموں کو پند ونصائح فرماتے تو اپنے آپ کو ایک کم سے کم ترین اور

حقیر شخص کی حیثیت سے پیش کرتے، تشہیر و القابات سے شدید نفرت کرنے اور فقر و سادگی کو بہت پسند کرتے۔ ہچکیوں کے اسیر کے لرزہ براندام ہوتے، خود بھی اشکبار رہوتے اور ہم کو بھی اشکبار کرتے۔ ایسے میں پھر ایک بار حضرت سیدنا صدیق اکبرؓ کا خشیتِ الٰہی سے لبریز وہ فرمان یاد آتا ہے اور اُن کی وہ تصویر سامنے آجاتی ہے جب انہوں نے فرمایا تھا (خلاصۃً) کے اے کاش میں اس سوکھے گھاس کا ایک ادنیٰ تنکا ہوتا جس کو کوئی جانور کھا جاتا اور قصہ تمام ہوجاتا کیونکہ اسلاف شناس لوگ ایسے ہی ہوتے ہیں۔

خانقاہِ حضرت میر صاحب وشہِ بُگ پلوامہ میں جمعۃ المبارک کے خطابات وادیٔ کشمیر کے شرقاً وغرباً کثیر اجتماعات کے صدارتی خطبے اور چرارشریف کے آستان عالیہ میں سالانہ شبینہ مجالسِ ہائے توبہ و استغفار کی پُر کیف مناجات اور پُرنم دعائیں اس کی عینی شواہد ہیں۔ اس طرح قوم کے لیے احساسِ بندگی، احتسابِ حیات، تصویب اعمال، شعور محاسبہ اور فکر آخرت کا درسی اور تربیتی سامان فراہم کرنے میں آپ ہمیشہ سرگردان رہتے تھے اور یوں آپ اپنے اسلاف کی ایک روشن مثال اور قوم ملت کے ایک عظیم مُربی معلوم ہوتے تھے کیونکہ آپ اپنے اسلاف کے آئینہ دار تھے۔

(۴) حکمرانون کی خبر گیری

حضرت علامہ اندرابی صاحب جب کبھی رونق بہ منبر یا رونق اسٹیج ہوتے اور اگر ان کا مزاج حکمرانوں کی خبر گیری کرنے کا ہوتا تو ماسوائے خوف خدا کے ہر خوف سے بے خوف ہوکر ببانگ دہل علیٰ رؤسِ الاشہاد اُن کی خبر لیتے اور ایسی مومنانہ جرأت کے ساتھ حکمرانوں کو اُن کے منصبی نام (ارباب اقتدار، اصحاب زمام اقتدار وغیرہ) لے کر مخاطب کرتے اور اُن کے سیاہ کارناموں کی

نشاندہی بھی کرتے جیسے کوئی اسلامی ریاست کے احتساب کمیشن کے نگران اعلیٰ بولتے ہوں اور یوں جلال فاروقی کی یاد بھی تازہ کرتے اور حضرت شیخ سید عبدالقادر جیلانیؒ کا وہ کردار بھی یاد دلاتے جو انہوں نے بغداد شریف کے جامع مسجد کے منبر عالی پر عباسی دور کے خلیفۂ وقت المستنجد باللہ کے ساتھ روا رکھا تھا۔ اس پرتو اولاً راقم الحروف کا بارہا مشاہدہ رہا ہے۔ نیز ماہنامہ المصباح پانپور کا وہ بے باک اداریہ اس امر پر کھلا ثبوت ہے جو کہ اس عنوان پر آپ نے رقم فرمایا ہے۔ ''مرحوم مسلم اوقاف ٹرسٹ'' اور یہ مضمون بعد میں آپ کی ایک عظیم یادگار مقالاتِ اندرابیہ میں بھی چھپا ہے۔ فالرجوع علی القارئین۔

حضرت علامہ اندرابی صاحب کا اس لحاظ سے خودداری کا عالم یہ تھا کہ جب کبھی حکمرانوں نے (اس خوف سے کہ مبادا ایسا شخص ہمارے خلاف کبھی محاذ آرائی کا اعلان نہ کردے) آپ کو دعوت دے کر بلایا بھی اور اپنے ایلچی بھی بھیجے تب بھی آپ نے فقیری میں بادشاہی والی سُنت کو مدِنظر رکھ کر اُن حکمرانوں کی دعوتوں کو ٹھکرایا بلکہ اُن کے بلانے پر کبھی اصل کام کے لیے اور کسی مثبت پیشکش کے لیے بھی نہیں گئے اور اس طرح حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ قاضی القضاہ والی پیشکش ٹھکرانے کی یاد تازہ فرمائی کیونکہ آپ اپنے اسلاف کے آئینہ دار تھے۔

(۵) اتباعِ سُنت

حضرت علامہ اندرابی صاحب علیہ الرحمہ کو جب سے راقم نے دیکھا ہے تقریباً کوئی ۲۰ سال کا عرصہ گذر گیا ہے۔ اتباعِ سُنتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ان کو بہت سخت پابند دیکھا ہے حتیٰ کہ اکل وشرب سے فارغ ہوکر دانتوں میں خلال کرنے میں بھی دائماً تیامن (دائیں جانب سے شروع کرنے) کا سخت

التزام کرتے تھے۔

آپ اگرچہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سُنتوں کی اکثر حکمتوں سے واقف بھی تھے اس کے باوجود آپ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ ہمیں اس سے کیا غرض ہے کہ اس کی حکمت و فلسفہ کیا ہے؟ ہمیں بس اتنی خبر ہے کہ جانِ عالم محبوب مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ادا ہے''۔اور اکثر ایسے مواقع پر حضرت سیدنا عثمان غنیؓ کے وضو کرنے کے بعد تبسم فرمانے کا واقعہ بیان کرتے اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے ایک سفر کے دوران اپنی اونٹنی گھمانے کا ذکر مبارک کرتے کیونکہ یہ دونوں حضرات حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نقل اور مبارک اداؤں کو ادا کرنے میں مست نظر آتے ہیں۔اور آپ یہ ذکر جمیل کرنے کے بعد اکثر یہ شعر ضرور پڑھتے ؎

مجھے کیا خبر ہے کہ کیا کر رہا ہوں
کسی کی ادا کو ادا کر رہا ہوں

اور وجد میں آ کر کبھی ترنم کے ساتھ پڑھتے اور کبھی تغزّل میں پڑھتے۔ اور کبھی تبسم کرتے، کبھی اشکبار ہوتے۔یہی اپنے اسلاف کی آئینہ داری ہے۔

آخری بات

یہ میرے وجدان کی بات ہے قارئین کرام کو پسند آئے فیہا وِالّا مجھے اس میں معذور سمجھیں۔اور بات یہ ہے کہ خالق تقدیر اور مالک تکوین کو حضرت اندرابی صاحب کی جناب سرور دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ اقدس اور آپ کی سنتوں کے ساتھ اس قدر محبت، اُلفت اور وارفتگی اتنی پسند آئی ہے اور اس قدر منظور بارگاہ ہوئی ہے۔کہ میری نظر میں (اس سلسلے میں میرے معلومات ناقص بھی ہوسکتے ہیں) حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد اس طرح کا امرِ واقعی حضرت علامہ سید محمد اشرف اندرابی کے ساتھ ہی ہوا ہے۔اس پر میں خود بھی

حیران ہوں آپ بھی شاید حیران ہی رہیں گے کیونکہ یہ امر قدرتی اور اتفاقی ہے۔

معاملہ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مبارک نسل اور آپ کا سلسلہ ذریت صرف آپ کی ایک شاہزادی حضرت سیدۃ النساء سیدتنا فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا سے آگے بڑھا وہ اس طرح سے کہ حضرت سیدہ کے دو صاحبزادے حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ مجتبیٰ اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ شہیدِ کربلا رضی اللہ عنہ ہوئے اور ان ہی سے آگے حسنی اور حُسینی سادات کرام کا سلسلہ چلا ہے۔ اور یہ دونوں شاہزادے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نواسے ہیں۔

اس سلسلے میں اتباعاً من وعن یہی حال حضرت اندرابی صاحب کا بھی ہے کہ ان کی صرف ایک صاحبزادی ہے اور پھر اُس کے دو صاحبزادے ہیں جو دونوں اندرابی صاحبہ کے نواسے ہیں۔

ایں سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

کیونکہ حضرت علامہ اندرابی صاحب کی کوئی نرینہ اولاد نہیں ہے۔ البتہ مجھ جیسے نکمّے بہت ارے آپ کی حسبی اولاد کی زنجیر کے ساتھ منسلک ہیں اللہ تعالیٰ حضرت علامہ اندرابی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا فیض سیادت و سعادت دونوں جہاں میں ہمارے ساتھ شامل رکھ۔ آمین بجاہ النبی الامین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آلہ وصحبہ اجمعین۔

❖❖❖❖

حضرت مولانا محمد اشرف اندرابیؒ

ایک تاریخ ساز شخصیت

عبدالرشید راشد
درسو پلوامہ

زمانہ مربوط تسلسل ہے وقت بیتنے کا اندازہ بہت کم ہوتا ہے۔ حضرت مولانا محمد اشرف اندرابیؒ میرے عالم سایہ بار میں اُس طرح رواں دواں ہے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ اُن کے انتقال کا ایک سال گذر گیا۔ عالم ہست و بود میں اُن کی گونج اب بھی گونج رہی ہے۔ اُن کا عالم اسلام میں خاص طور پر جنوبی ایشیا کے علمائے کرام میں ایک خاص مرتبہ ہے۔ یہ مرتبہ علوم اسلامیہ کے ساتھ ساتھ علوم بشریات وحشریات، سیاسیات ومعاشیات پر نظرِ غائر ہونے کی وجہ سے ہے۔ اس کے علاوہ پوری دُنیا میں جو بھی فوری تبدیلیاں رونما ہوتی تھیں۔ خاص کر جب اسلامی عقائد پر مستشرکانہ ارتداد اور کافرانہ چوٹ آنے کا خدشتہ ہوتا ہے تو حضرت مولانا عقائد کی تحفظ کے خاطر آواز اٹھاتے اور اپنے قلم سے جہاد کرتے۔ کتنے واقعات ایسے ہیں جن کی ردعمل میں انہوں نے مہینوں تک لگاتار اپنے تقاریر کا سلسلہ جاری وساری رکھا تھا۔

پچھلی دہائی کے اواخر میں کشمیر میں سیاسی افراتفری کا ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے مرتد جماعتوں نے ارتداد کی شاخوں کو پھیلانے کی زبردست

کوششیں کیں۔ جن میں شمالی کشمیر کے بھونچال زدہ آفات سماوی سے متاثرہ لوگوں کو مالی معاونت کی آڑ میں اسلام دشمن حرکتیں شروع کیں، یا جنوبی کشمیر میں مشن اسکولوں کے نام پر مذموم حرکتیں کرنا شروع کیں۔ تو حضرت مولانا تن تنہا سیف الاسلام کو علم وزبان کی صورت میں لے کر میدان میں آئے اور اُن کو پسپا کیا۔

دین کی ترویج کے لیے تبلیغ کیا۔ عقائد کی اصلاح کے لیے محافل ومجالس کا انعقاد کیا۔ اور آنے والی نسلوں تک راست عقیدہ پہنچانے کے لیے، مدارس و دار العلوم کو متعارف کرانے کی رواج کو فوقیت دے کر ان کی ایسی پذیرائی کی کہ پورے ارض کشمیر میں خوش عقائدانہ درسگاہوں کا جال بچھا ہوا دکھائی دے رہا ہے۔

اسلام کا سوچ آفاقیت کا حامل ہے۔ جہاں یہ روحانی طور عروج آدمیت کو چھوتا ہے تو دوسری اور بشری تقاضات لے کر منصفانہ طور رواں دواں ہے۔ ان ہمہ جہت فکری عوامل پر نظر رکھتے ہوئے مولانا محمد اشرف اندرابی مضر رسومات و بدعات کے خلاف آواز اٹھاتے رہے۔ اُنہیں جس سماج سے وابستگی رہی۔ وہ برصغیر ہندو پاک کا سماج ہے جس میں کئی ایسی بدعات مختلف صورتوں میں وقوع پذیر ہیں۔ جو اسلامی نظریات سے متصادم ہیں۔ معاشیات کا روحِ ایمان سے بالواسطہ رابطہ ہے اس لیے معاشی زندگی میں تقویٰ نفس کے پس منظر میں اصلاحات کا علم اٹھا رکھا تھا۔ غرض انسان کی بالعموم اصلاح دان اور مسلمان کی بالخصوص ایمانی جلا کاری کے خاطر متفکر رہتے تھے۔ نحیف قسم کے باوجود بھی ایمانی قوت کو بروئے کار لا کر رود سیم آب کی طرح سفارت وسیاحت میں مصروف رہتے اور اُس کے مشن کو آگے بڑھاتے رہے جس مشن

کی وراثت علماء کو ملی ہے۔ جس مشن کی وراثت شیوخ کو ملی ہے۔ تبھی تو ایسے لوگ انبیاء کے وارث ہوتے اور آخر الذکر جیسے لوگ اپنی قوم میں نبی کا سا درجہ رکھتے ہیں۔

حضرت مولانا پوری زندگی میں انتہائی مصروف عمل شخص رہ چکے ہیں۔ شائد انہی وجوہات کی بناء پر انہوں نے سیاحت تبلیغ اور مذاکرات کو تحریرات پر فوقیت دی ہے، حالانکہ ان کی تحریرات جو مختلف اسلامی جرائد کے مدیر اعلیٰ ہونے کے ناطے ادارے کی صورت میں پیش کی ہیں۔ مولانا کی وہ اسلامیات میں ایک بڑی دین ہے۔ مولانا کی نظر موجودہ دنیا کی بدلتی ہوئی صورت حال پر جمی رہتی تھی۔ ان حالات کو اسلامی تناظر میں دیکھ ان کی سیر حاصل بحث علمی فقہی شرعی اور قرآن وحدیث کے علوم قاری کو نئے گوشوں کی طرف لے جاتی ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ قرآن اور فرمانِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پہلی بار سُن رہے ہیں اور پڑھ رہے ہیں۔ مولانا کا ادراک علوم قرآن وحدیث میں ہمہ جہت تھا۔ قاری یا سامعی اپنی ذہنی پختگی کے مطابق مولانا کی تحریرات سے مطمئن ہوتے۔ حالانکہ تقریرات وتحریرات دونوں میں ان کی زبان کی شائستگی اور روانی میں ایک انوکھا پن عیاں ہے۔ مضمون اور مضمون کے خیال بندی کی نزہت و پاکیزگی کا لحاظ اور برتاؤ اُن کی قادر الکلامی کی زندہ جاوید مثال ہے۔

”گویا جس نے نماز تو قائم کی لیکن مال کی زکوٰۃ نہیں دیتا وہ قرآن مجید کے ارشاد کے مطابق حقیقی مومن نہیں اور۔۔۔۔۔“

(ذکر الزکوٰۃ فی القرآن تحریری تقریر سے اقتباس)

ضرورت اس بات کی ہے کہ ان کی غیر شائع شدہ تحریرات مجتمع کر کے

کتابی صورت میں منظر عام پر لائی جائیں۔ ان کی تحریرات میں وہ نعتیہ کلام بھی ہے جو الگ طور پر سامنے نہیں آیا ہے۔ کیونکہ اُن کی مجالس و محافل میں ذکر رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انتہائی پر تپاک اور رقتانہ ماحول ہوتا ہے وہیں پر مولانا مقتدر عاشقانہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نعتیہ کلام کی قرأت کرنے کے دوران کہیں کہیں اپنے نعتیہ اشعار پھر تبرکاً پیش کرتے۔ اُن کا نعتیہ کلام بھی جمع کر کے شائع کرنے کی ضرورت ہے۔

اس ناچیز نے اپنے خیالات اظہار کرنے کی جرأت کرنے کے دوران حضرت مولانا کی زندگی کے صرف ایک پہلو کے گوشہ جات میں ذرہ بھر گوشے کا ذکر کیا۔ جس کا اس ناچیز کو اپنی کم علمی اور کم فہمی کے مطابق ادراک ہے۔ ورنہ حضرت مولانا کی روحانی زندگی کے درجات کا اظہار وہی شخص کر سکتا جس کی بصیرت اور وِژن اللہ تعالیٰ کے فضل سے عالم و مافیہا کے حقائق تجبرات تک جا سکتی ہو۔

❖❖❖❖

قائد اہل سنت بحیثیت داعی و مبلغ

رضیہ امجدی
فاضل علوم اسلامیہ

ہم اپنی زندگی میں ہزاروں افراد سے ملتے ہیں لیکن کچھ لوگوں کی ملاقات کے خوشگوار اثرات دل و دماغ میں ہمیشہ کے لیے ثبت ہوجاتے ہیں۔ حضرت سیدی و مرشدی علامہ سید محمد اشرف اندرابی مرحوم بھی ایسے ہی لوگوں میں سے ہیں۔ حضرت سیدی و مرشدی اندرابی صاحب سے سب سے پہلے مجھے میرے والد محترم نے واقف کرایا۔ اندرابی صاحب کا ضلع کولگام میں تبلیغ کے سلسلے میں ہمیشہ آنا جانا رہتا تھا۔ میرے والد بھی اسی دوران میں ان کے مرید ہوئے ہیں۔ تب سے مجھے مرحوم اندرابی صاحب سے شرف ملاقات بھی ہے اور شرف بیعت بھی۔ مرحوم اندرابی صاحب نے ۲۰۰۶ء میں میری نقاب پوشی کی۔ جب میں ادارہ تحقیقات اسلامی اسلام آباد سے فارغ ہوئی۔ اس کے بعد مجھے اندرابی صاحب نے ہی امجدیہ جانے کا مشورہ دیا اور اس بارے میں میرے والد محترم سے باضابطہ طور پر بات چیت بھی کی۔ اس طور سے مجھ پر یہ اُس کا بڑا احسان ہے۔ حضرت اندرابی صاحب خود بھی ایک بہترین معلم تھے اور دوسروں کو بھی اس کی ترغیب دیتے تھے۔ حضرت اندرابی صاحب اپنی ذات تک محدود نہ تھے بلکہ آپ نے اپنی

اعتدال پسند سوچ اور قرآن وسنت کے نور سے مزین، اپنی فکر کو تبلیغ کے ذریعہ منتقل کی۔ یوں آپ نے معاشرے کے لیے کارآمد افراد کی تیاری میں انتہائی مخلصانہ کردار ادا کیا۔ آپ کی تحریروں میں ادبی چاشنی کو واضح محسوس کیا جا سکتا ہے۔ مقالات اندرابی اور صور اسرافیل آپ کی انتہائی معیاری تصنیفات ہیں، جنہیں ادبی شہ پاروں کے طور پر پیش کیا جا سکتا ہے۔

علامہ اشرف صاحب نے ریاست جموں وکشمیر کے ساتھ ساتھ برصغیر ہندو پاک کے تبلیغی دورے بھی کیے ہیں۔ آپ نے ہر جگہ صحیح اسلامی تعلیمات کو لوگوں تک پہنچایا اور اسلام کا محبت بھرا پیغام انتہائی دلنشین طریقے سے لوگوں کے دلوں میں نقش کر دیا۔ آپ کا شمار اُن عظیم شخصیتوں میں ہوتا ہے جنہوں نے اپنی ساری زندگی اسلام کا پیغام عام کرنے میں گزاری۔ آپ اخلاقی قدروں کے بہترین حامل، عالم باعمل، عاشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، خدمت دین کے جذبہ سے سرشار، پیکر تقویٰ و پرہیزگاری اور نہ جانے کتنی خصوصیات سے اللہ رب العزت نے انہیں نوازا تھا۔ ان کی شخصیت یقیناً امت مسلمہ کے لیے بے مثال نعمت، انمول جوہر اور سرمایہ افتخار تھی۔ اشرف صاحب کا انتساب اہل سنت والجماعت سے ہے اور وہ اس معاملے میں کبھی کسی معذرت، احساس کمتری یا بے یقینی کا شکار نہیں ہوئے بلکہ انہوں نے نہایت اعلیٰ علمی سطح پر اہل سنت کے اعتقادات کا دفاع کیا لیکن وہ اس حقیقت سے بھی کماحقہٗ واقف تھے کہ غیروں کی سازشوں اور اپنوں کی تغافل کیشیوں کی وجہ سے اہل سنت کی صفوں میں بھی ضعف پیدا ہو چکا ہے۔ انہوں نے غیروں کے حملوں کا جواب دیا لیکن اپنوں کو بیدار کرنے کا فریضہ بھی انجام دیا۔ وہ اپنے مکتبہ فکر میں آنے والی عملی اور حکمت عملی پر مبنی خامیوں کی نشاندہی میں کبھی کوئی

جھجک محسوس نہیں کیا کرتے تھے۔ اعتقادات یا اعمال کی تعبیر میں بعض اوقات حسن عقیدت یا کم علمی کی وجہ سے غلو کا پہلو آجاتا ہے یا افراط وتفریط کی جھلک دکھائی دیتی ہے۔ ایسے میں وہ پوری جرأت اور کمال متانت سے السواد الاعظم کے موقف کی صحیح ترین وضاحت کرتے تھے اور کسی لومۃ لائم کی پرواہ نہیں کیا کرتے تھے۔

اشرف صاحب اندرابی ہمیشہ اتحاد اہل سنت کے لیے کوشاں رہے ہیں۔ آپ نے اپنے مخالف مسالک کے علماء کے ساتھ بھی اچھے تعلقات بنائے ہوئے تھے۔ کشمیر میں چند دہائیوں قبل سے مسلسل مناظرہ بازی کا بازار گرم ہے۔ واحد اندرابی صاحب کی ذات ہے جس نے مناظرہ بازی سے ہٹ کر اصل دین کی تعلیمات کو اُجاگر کرتے رہے۔ اگر چہ آپ نے دارالعلوم دیوبند سے سند فراغت حاصل کی، اس کے باوجود بھی بریلوی مکتب فکر کے لوگوں میں عزت کی نگاہوں سے دیکھا جاتا تھا۔ اندرابی صاحب نے کسی بھی مکتب فکر کے اسلافوں کی پگڑیاں اُچھالئے بغیر خالص دینی تعلیمات پر لوگوں کے جذبات کو ابھارنے کی کامیاب کوششیں کیں۔ وادی کشمیر میں آپ کو بہت سے دارالعلوموں کی سرپرستی کا شرف حاصل ہے۔ اہلِ سنت میں شاید آپ پہلے بزرگ تھے جنہوں نے لڑکیوں کی دینی تعلیم کے سلسلے میں مونگہامہ پلوامہ میں ایک بنات کی سنگ بنیاد رکھی۔ راقمہ کو یہ شرف حاصل ہے کہ اندرابی صاحب کی نگرانی میں مجھے وہاں پڑھانے کا موقع ملا۔ اس دوران مجھے وہاں اندرابی صاحب کی سرپرستی میں بہت کچھ سیکھنے کو ملا۔ ایک دن اندرابی صاحب نے حکیم الامت علامہ اقبال کا مندرجہ ذیل شعر سنا کر اس کی بصیرت افروز شرح کی:

بتولےؓ باش پنہاں شو ازیں عصر
کہ در آغوش شبیری بگیری

مجھے اس وقت بھی وہ پورا لیکچر دل و دماغ میں تروتازہ ہیں۔ مرحوم اندرابی صاحب ایک اچھے مبلغ، استاد، شاعر، مصنف، مدرس اور قائد تھے۔ آپ ایک باغ و بہار کثیر الجہات اور ہمہ گیر شخصیت کا نام ہے۔ آپ اپنی ذات میں بے مثال، ایک انجمن، ایک شجر سایہ دار اور ابر گہر بار، ایک ایک ادا، ایک ایک ناز فقیرانہ کو یاد کرتی ہوں تو جی مسوس کر رہ جاتا ہے۔ ایسی من موہنی صورت، ایسا وقار، ایسی علمی شان، ایسا دبدبہ چشم حیرت نے پھر نہیں دیکھا ؎

ایسا کہاں سے لاؤں کہ تجھ سا کہیں جسے

❖❖❖❖

مولانا محمد اشرف اندرابی رحمۃ اللہ علیہ

ایک شخصیت ساز شخصیت

بشیر احمد نینگرو، پلوامہ

جنوبی کشمیر کے تحصیل پلوامہ کا ایک گاؤں جڈورہ مشہور نالہ رومشی کے مغربی کنارے اور نیوہ کیرواہ کے دامن میں آباد ہے۔ یہ قریہ ضلع صدر مقام سے تقریباً سات میل کے فاصلے پر ہے۔ اسی گاؤں میں خاندانِ اندرابیہ پشتوں سے بسا آیا ہے جس خاندان اندرابیہ کی تعریفیں پروفیسر ڈاکٹر نعیمی پٹنہ یونیورسٹی نے اپنی تقریر میں مدلل طور کی ہیں۔ اسی خاندان سے مولانا محمد اشرف اندرابی کی صورت میں ایک گُل کھلا جس کی مہک بعد میں پورے ایشیا کے اطراف واکناف میں پھیل گئی۔

ابتدائی تعلیم جڈورہ سے لے کر مورن اور پلوامہ میں حاصل کی جہاں اُن کی علمی پرداخت میں مہادیو پنڈت اور ماسٹر غلام حسن ٹھوکر گڈورہ نے کی۔ جب کہ فارسی اور عربی تعلیم کی بھرپور شناسائی گھر کے علمی ماحول میں ہوتی رہی۔

چونکہ مولانا صاحب کے پردادا مولوی جمال الدین المعروف جمہ شاہ جو راجپورہ پلوامہ کے جامع میں مبلغ تھے گجرانوالہ پاکستان گئے جہاں دینی خدمت سرانجام دیتے ہوئے وہیں کے مقیم ہوئے تھے۔ اُن کے اولاد وہیں

تھے۔اس لیے مولانا محمد اشرف اندرابی کا گجرانوالہ آنا جانا ہوا۔ثانوی درجہ کی تعلیم سے فارغ ہوتے ہی لڑکپن میں مولانا پاکستان گئے۔وہاں اپنا علمی سفر جاری رکھا۔لیکن ہندوستان کی تحریک آزادی نے آزادی کا پھل ہندو پاک کی تقسیم کی صورت میں پایا۔جس دوران افراتفری میں جنون قتل و غارت کی وبا پھوٹ پڑی۔اسی لیے مولانا صاحب ۱۹۴۷ء کی تقسیم کے بعد تک پاکستان میں مقیم رہے۔دیو بند یوپی میں فاضل کی ڈگری حاصل کر کے کشمیر آئے اور محکمہ تعلیم میں بحیثیت مدرس مقرر ہوئے۔ ۵۵۔۱۹۵۴ میں استاد مقرر ہونے تک اُن کی شخصیت پر ہندو پاک کی چپقلش کی سیاسی پرچھائیاں گھیرتی رہی لیکن مولانا نے جرأت مندی کے ساتھ ان کا مقابلہ کیا اور مدرس کی تقرری کے بعد باضابطہ دینی و علمی چراغ فروزی میں مگن رہے۔

سیّد مولانا محمد اشرف اندرابیؒ ہمہ جہت پُر وقار اور باحوصلہ شخصیت کے مالک تھے۔مروت و مداوا اور اشفاق و افلاک اور تدبر و تفکر ان کی شخصیت میں نمایاں تھیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل تھا کہ ان صفات کی وجہ سے ان کی تبلیغی عمل بااثر نتیجہ خیز ثابت ہوئی جس وجہ سے پورے جنوبی کشمیر میں اُن کی سماجی خدمات سرانجام دینے کے دوران دینی خدمات میں علمی مجالس، شرعی زندگی گزارنے کے عمل کی جانکاری اور نئی پود کے لیے درسگاہوں کے قیام میں اُن کا بھرپور عمل دخل رہا۔وہ نہ صرف انجمن ساز رہے بلکہ چراغ انجمن بھی تھے۔ جس سے تا قیامت ظلمت کدہ روشن ہوتے رہیں گے۔انشاءاللہ۔

مولانا صاحب صاحبِ فکر و عمل نرم و مزاج پُر شفقت باحوصلہ اور غیرت مند تھے۔امام مبلغ عالم ہونے کے ساتھ ساتھ پیر شریعت و طریقت بھی تھے چونکہ طریقت کے عوامل اُن کے آبائی وراثت سے مخزن آچکے ہیں۔اسی لیے

اُن کے دامنِ مریدی میں لوگ جوق در جوق آتے اور علم وفراست کے ساتھ ساتھ روحانی فیوض سے مالا مال ہوکر رخصت ہوتے۔

مولانا محمد اشرف اندرابیؒ حق گوئی، بے باکی حوصلہ مندی سے کام سرانجام دیتے۔ حق پرست مساوات ومحبت واخلاص کے علم بردار تھے۔ نفرت بغض حسرت وکینہ تکبر وتعصب سے پاک سادہ ونفیس بارعب شخصیت کے مالک تھے۔ حق گوئی، ایمانداری سادگی محنت اور حوصلہ مندی ان کی زندگی کا لباس تھا۔ پُرآشوب دور میں بھی اُن کے سامنے نہ کوئی ٹِک سکا نہ آپ کسی سے مرعوب ہوئے بلکہ جہاد فی النفس کی پُرامن تحریک عام کرنے کے لیے جان فشانی سے کام کیا۔

اُن کی شیرین کلامی، پاکبازی، ایمانداری سادگی کے سامنے ادنیٰ سے اعلیٰ افراد کے علاوہ تمام غیر مسلم اور مخالف عقیدہ کے لوگ بھی اُن کے سامنے سرتسلیم رہتے تھے۔ بلالحاظ جنس ورنگ ونسل وعلاقہ ان کی خدمت میں آکر دُعائے خیر سے مستفید ہوتے رہے۔

زندگی کی آخری سانس تک دین اسلام کی سربلندی اور اصلاح معاشرہ کے لیے ہمہ جہت جدوجہد جاری رکھی جس میں سخنے، قدمے، درمے اپنی انتہائی بساط تک کام کرتے رہے۔

خود اعتمادی اور خدا اعتمادی سے سرشار شخصیت کے مالک ہونے کے ساتھ ہنس مکھ، خوش خلق، مہمان نواز اور خندہ پیشان تھے۔ جموں وکشمیر اہل سنت والجماعت کے سرپرست اعلیٰ تھے۔ اُن کی تقریر کا انداز بیان خوش الحانی سامعی کو گرویدہ اور تحریرات قاری کو مطمئن کرتے تھے۔ اس طرح سے بقائے انسانیت کے لیے شجاعت وصداقت اور فکر وتدبر سے عملی طور خدمت

کرتے رہے۔

مولانا کم عمری جوانی اور پیری میں بھی دینی، مذہبی مجالس میں شرکت کے شائق رہے ہیں۔ گھر کا ماحول خالص مذہبی اور پاکیزہ تھا اس لیے اُن کی تربیت بھی پاکیزہ ہوئی تھی۔ اردو، عربی، فارسی کی تعلیم حاصل کر کے دارالعلوم دیوبند سے عالم و فاضل اور دیگر کتب درسیہ کی تعلیم پائی۔ ذہین اور مستعد طالب علم رہے ہیں۔

حُسن ظاہری کے ساتھ حُسن اخلاق بھی رکھتے تھے اور اپنے مشائخ و اساتذہ کے علاوہ عام وخواص اور شاگردوں کے ساتھ ہمیشہ کمال ادب و احترام سے پیش آتے تھے۔ طبیعت میں پاکیزگی اور صالحیت تھی۔ متواضع، مہمان نواز، ہنس مکھ، شریف اور خوش خلق ہونے کے باعث تمام طبقہ ہائے فکر کے لوگ اُن کی عزت اور اُن سے محبت کرتے تھے۔

بچپن و جوان عمری سے ہی مذہبی اجتماعات مجالس علماء ومشائخ کے دلدادہ رہے ہیں۔ تقریر وتبلیغ وتحریر کا شوق ہمیشہ سے طبیعت پر غالب رہا۔ آپ کی خوش بیانی اور خوش الحانی سامعین کو مسحور کر دیتی تھی اور سامعین کے لیے نہایت دلچسپ ہوتی تھی۔ آپ کی تقریر وتبلیغ علمی استعداد ذکاوت و ذہانت، جودت طبع اور وسعت مطالعہ کی آئینہ دار ہوتی تھی۔ اندازِ بیان سلیس، نہایت سلجھا ہوا، کلام میں پختگی، لطافت ہونے کے باعث آپ کا دائرہ تبلیغ وسیع سے وسیع تر ہوتا چلا گیا۔ ان خوبیوں کے باعث اہل علم اور عوام خواص میں آپ بے حد مقبول ہوئے۔

دین ومذہب سے بیگانگی اور جہالت کے موجودہ دورِ پُرآشوب میں آپ شب و روز تبلیغ، تقریر وتحریر کے ذریعے اصلاح معاشرہ اور دینی یگانگت کے

لیے جرات اور غیر تمندی سے سرگرم عمل رہے جس کی تفصیل بیان کرنا میرے لیے ناممکن ہے۔ اُن کی بے حد پسندیدہ مدبرانہ اور شاندار علمی تقریریوں سے مسلک اہل سنت کے دائرہ کو اس قدر وسیع کر دیا کہ گھر گھر اور قریہ قریہ سنت کا چرچا ہونے لگا۔ یہاں تک کہ اُن کی بے پناہ تبلیغی و تحریری مساعی جمیلہ گویا لادینی اور بدمذہبی نظریات کے سیلاب کے خلاف مضبوط بند اور گمراہی کی ظلمت کے لیے روشن شمع ثابت ہوئیں۔ اس بند میں شگاف ڈالنے اور شمع کو بجھانے کے لیے بدمذہبوں نے اپنی طاغوتی قوتوں کو بھرپور طریق پر استعمال کیا لیکن مولانا کی ہمت و جرأت صبر و استقلال دیکھ کر ناکام و نامراد ہو کر دم بخود رہ گئے۔

اللہ جل شانہٗ کے فضل و کرم، حضور پرنور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے وسیلہ جمیلہ اور بزرگوں کی دعاؤں کے طفیل الحاج مولانا محمد اشرف اندرابیؒ موجودہ دور کے مبلغین میں اپنی منفرد خصوصیات کی وجہ سے ایک امتیازی شان رکھتے تھے جس سے نہ صرف اپنوں نے بلکہ غیروں سے بھی خراج تحسین حاصل کیا۔ اللہ تعالیٰ سے دست بدعا ہوں کہ مولانا کی تبلیغی و تالیفی خدمات کو شرف قبولیت عطا فرمائے اور آپ کے درجات بلند کرے اور ہمیں اُن کی فرمودات پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

❖❖❖❖

مولانا سید محمد اشرف اندرابیؒ

ابوسرفراز، پلوامہ

مولانا اشرف صاحبؒ محتاجِ تعارف نہیں بلکہ حقیقت کو سمجھنے، حقیقت بیان کرنے اور درس وتدریس کو جاری وساری رکھنے کے لیے اپنی تمام تر عمر صرف کردی۔

مولانا صاحب خطبۂ جمعہ مبارک ہر جمعہ کو جامع مسجد میر صاحبؒ پلوامہ میں دیا کرتے تھے اور دقیق ورقیق مسائل پہ اپنی شیرین زبانی سے گل افشانی کیا کرتے تھے۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ مولانا صاحب حنفی مسلک سے تعلق رکھتے تھے لیکن انہوں نے کبھی بھی دیگر مسلکوں کے پیروکاروں کو اپنا نشانہ بنا کر تنقید نہیں کی۔

ہاں! یہ ضرور ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات پاک سے انتہائی محبت واحترام کا وہ برملا اظہار کرتے تھے۔ ان کے ذہن ودل عشقِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بھرا تھا اور وہ ہمہ جہت ''عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' کی عظمت وحقیقت کو بیان کیا کرتے تھے۔

ایمان عشق الٰہی وعشق محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام ہے اور عشق جتنا والیہ نا ہوا تنا ہی ایمان مستحکم اور پائیدار ہوجاتا ہے۔ عشق اویسؓ، عشق بلالؓ کا، عشق سلمان فارسیؓ کا، عشق صہیبؓ رومی کا استدلال سے پاک اور Logic کا محتاج

ہوئے بغیر پنپتا ہے اور پھولتا ہے۔

حضرت عثمان ہارونیؒ مرشد حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ عشق میں فرماتے ہیں:

منم عثمان ہارونیؒ کہ یارے شیخ منصورم
ملامت مے کند خلقے و من بردار می رقصم

عشقِ الٰہی، عشق محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کسی موسم، اتار چڑھاؤ، سرد و گرم، مفلسی و امارت کا محتاج نہیں۔، اور وقت کی قید سے آزاد ہے۔ وصل کے سوا تمام کچھ ثانوی بنتے ہیں۔

حضرت امیر کبیرؒ سے گہری وابستگی کی وجہ سے شاہمدانؒ ٹرسٹ اور مشن سکول قائم کیا، دینی خدمت کرتے رہے اور آخری وقت تک دین اسلام کی خدمت کرتے رہے۔ مذہبی معاملات میں اختلاف رائے ہونے کے باوجود دیگر مسلکوں کے لوگ ان کا کافی احترام کرتے تھے۔

مولانا صاحب! اسلام کی وہ شکل پیش کرتے تھے جو حقیقی بھی تھی اور من کو بھانے والی بھی تھے۔ اولیائے کرام سے محبت، لگاؤ اور تعظیم ان کی روح تھی۔

اسلامی تاریخ کے پس منظر اور پیش منظر کے حقائق پر ان کی دسترس تھی۔ اختلافی امور کو وہ دل سے چھونا نہیں چاہتے تھے۔ مولانا صاحب کے جمعہ خطاب بڑے ہی پُر مغز اور علمی طور تفکرون، تدبرون اور تعلمون کی طرف دعوت دیتے تھے۔ انہوں نے اسلام کو کوزے میں بند کرنے کی ہر ناپاک سازش کے خلاف ہمہ جہت سعی کی۔

مولانا اشرف ساحب کے زندگی کے ہر پہلو پہ غور و فکر کرنے کی ضرورت ہے اور کئی باب زندگی کے ابھی نہاں خانوں میں محفوظ ہیں۔

تعلیم اور وہ بھی مذہبی درس وتدریس ان کی متائے زندگی تھی۔شاہ ہمدان میموریل ٹرسٹ اور دیگرادارے قائم کر کے انہوں نے دوام حاصل کیا۔

گھر میں محفل ومجلس میں ہر وقت خدائی کاموں میں مشغول رہتے تھے۔ جہاں تک ان کی فکر ونظر کا تعلق تھا۔وہ منافقت سے نفرت کرتے اور مفاہمت کے قدردان تھے۔انکے خطاب کسی بھی مکتبہ فکر کے ذہنی پریشانی کا موجب نہ بنے۔

ان کی کتاب ''مقالاتِ اندرابی'' دعوتِ فکر ہے اور مفکرین حضرات اسی سے بھرپور فائدہ اٹھا سکتے ہیں بشرطیکہ وہ خلوص نیت سے ہر باب کے اندر قرآن کے چھپے موتی کھوج نکالیں۔

❖❖❖❖

سید محمد اشرف اندرابی کچھ یادیں کچھ باتیں

پیرزادہ ابدال مہجور

مولانا سیّد محمد اشرف صاحب اندرابی، اندرابی خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ اس خاندان کے مورثِ اعلیٰ حضرت سیّد احمد اندرابی جو حضرت شاہ ہمدان کے ہمشیرزادہ تھے۔ اِس خاندان کے اکابر میں حضرت شیخ، سید میرک اندرابی بلند پایہ ولی کامل گذرے ہیں جن کا آستانہ ملارٹہ سرینگر میں مرجع خاص و عام ہے۔ حضرت میر میرک اندرابی حضرت علامہ شیخ بابا داوٗد خاکیؒ کے والد نسبتی تھے اور حضرت سید شاہ نعمت اللہ قادری صفا کدل کے خلیفہ تھے۔ اُن کی ذریت میں حضرت میر عثمان اندرابی نے سرینگر سے ہجرت کر کے زڈورہ پلوامہ کو اپنا مسکن بنایا اور آپ اسی مقام پر دفن ہیں۔ حضرت میر عثمان کی ذُریت میں حضرت سیّد جمال الدین جمَن شاہ اندرابی نے گجران والا موجودہ پاکستان تک اپنا تبلیغی مشن کامیابی کے ساتھ ہمکنار کیا۔ سیّد جمال الدین المعروف جمَن شاہ اندرابی کے فرزند حضرت سیّد احمد اندرابی نے گجراں والا میں ہی سکونت اختیار کی۔ اُن کے فرزند حضرت سیّد محمد امین اندرابی تھے جو شیخ وقت تھے۔

حضرت سیّد محمد اشرف اندرابی موصوف کے فرزندِ اکبر تھے۔ آپ نے ابتدائی تعلیم کشمیر میں حاصل کی اور تکمیل تعلیم کے لیے گجرانوالا کا رُخ کیا۔ وہاں جامعہ عربیہ میں برصغیر کے مشہور عالمِ دین حضرت مولانا محمد چراغ سے اکتساب علم کیا اور اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لیے دیوبند کا رُخ کیا۔ وہاں ہندوستان کے مشہور عالمِ دین اور جنگِ آزادی کے رہنما حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنی سے علمِ حدیث حاصل کیا۔ دارالعلوم دیوبند سے دوسال کی فراغت کے بعد واپس گجرانوالا چلے گئے۔ اسی دوران تقسیم ہند کا واقعہ ظہور پذیر ہوا اور آپ وہاں افسر بحالیات مقرر ہوئے۔ ۱۹۵۲ء میں آپ کشمیر آ گئے لیکن یہاں ایک سیاسی حادثے میں پھنس کر یہیں کے ہو کر رہ گئے۔ آپ نے محکمۂ تعلیم میں ملازمت اختیار کی جہاں آپ ۱۹۸۲ء میں ریٹائر ہوئے لیکن دورانِ ملازمت آپ نے تبلیغی مِشن جاری رکھا۔ چنانچہ ویری ناگ اور اُس سے ملحقہ علاقہ جات میں بے مثال تبلیغی خدمات انجام دیں۔ بعد میں آپ پلوامہ ہائیر سکینڈری سکول تبدیل کئے گئے۔ درس وتدریس کے ساتھ ساتھ یہاں بھی آپ نے اپنا مِشن جاری رکھا۔

جب اندرابی صاحب کا تبادلہ پلوامہ ہائیر اسکنڈری کیا گیا، ان دنوں یہاں ہمارا پسندیدہ اُستاد مولوی محمد امین صاحب تھے۔ مولوی امین صاحب شوپیان کے رہنے والے تھے۔ ان دنوں ہر کسی اسکولوں میں ایک مولوی صاحب بھی ہوتا تھا۔ جب ہمیں پتہ چلا کہ مولوی محمد امین صاحب تبدیل کردیئے گئے تو ہم شکایت لے کے پرنسپل صاحب کے پاس گئے۔ پرنسپل صاحب نے یہ کہہ کے ہمیں یقین دلایا کہ چند دنوں کے لیے آپ نئے مولوی صاحب یعنی حضرت مولانا سید محمد اشرف اندرابی صاحب کو برداشت کریں۔

اگر آپ کو پسند نہیں آیا تو میں مولوی محمد امین صاحب کو واپس لانے کی سفارش کروں گا۔حق مانئے جب اندرابی صاحب نے پہلا ہی لیکچر دیا تو آپ نے سب طالب علموں کا دل جیت لیا۔اس کے بعد مرحوم اندرابی صاحب سبکدوش ہونے تک اسی اسکول میں کام کرتے رہے۔اندرابی صاحب عالمِ بے بدل تھے۔اندرابی صاحب نہ صرف بلند قامت تھے بلکہ ان کا ادبی مرتبہ ومقام بھی انہی کی طرح نہایت بلند و بالا تھا۔

آپ کی ظریفانہ ادبی گفتگو اور شائستہ لب ولہجہ بھی آپ کی زندگی کے اس رخ کو متعین کرتا نظر آتا ہے۔اندرابی صاحب کو نہ صرف اردو ادب بلکہ عربی و فارسی زبان وادب کے تمام علوم وفنون پر مضبوط گرفت تھی۔ ۱۹۷۲ء میں آپ نے ریاست کی مشہور دینی تنظیم انجمنِ تبلیغ الاسلام جموں وکشمیر کی رُکنیت حاصل کی۔

پورے دس سال جناب مولانا سیّد محمد قاسم شاہ بخاری کے ساتھ اُن کے دستِ راست بن کر تحریری تقریری خدمات انجام دیئے۔ اور اس دوران آپ متعدد اسلامی تنظیموں کے ساتھ رابطہ رکھتے ہوئے اپنے مِشن کی آبیاری کرتے رہے۔آپ نے ۱۹۸۲ء میں ریٹائرمنٹ کے بعد پاکستان کا سفر کر کے گجرانوالہ میں (جو آپ کا آبائی وطن تھا) مدرسۂ غوثیہ قائم کیا اور ایک عظیم خانقاہ کی بنیاد ڈالی۔

کشمیر میں دارالعلوم شاہ ہمدان پانپور اور دارالعلوم مونگ ہامہ پلوامہ کی سرپرستی کرتے رہے۔ دوبار سفرِ محمود اختیار کر کے حج بیت اللہ اور زیارتِ مدینہ منورہ کا شرف حاصل کیا۔آپ عالمِ دین ہونے کے ساتھ ساتھ اُردو ادب کے بہت بڑے ادیب تھے جس پر آپ کی نگارشات موسوم بہ مقالات

اندرابی گواہ ہیں۔آپ اُردواور کشمیری کے کُہنہ مشق شاعر تھے اور عاصم تخلص اختیار کرتے تھے۔آپ شعلہ بیان مقرر تھے اور بے باک خطیب تھے۔ چنانچہ ریڈیو کشمیر اور دوردرشن میں اکثر اسلامی پروگراموں میں شرکت کرتے تھے۔ علاوہ ازیں کشمیر یونیورسٹی ودیگر کالجوں اور اسلامی تنظیموں کے زیر اہتمام سیمناروں میں اہم علمی رول ادا کرتے تھے۔

بہرحال آپ ایک ہمہ جہت شخصیت تھے۔آپ نے بے شمار شاگردوں کومعرض وجود میں لایا جن میں مولانا شوکت حسین کینگ ،انجینئر نذیر احمد میر پانپوری، ودیگر عُلماء قابلِ ذکر ہیں۔

اندرابی صاحب کا کتب خانہ دیکھنے پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ عمر رسیدہ ہونے کے باوجود بھی آپ کتنے نظم وضبط کے ساتھ زندگی گزارتے تھے۔ان کے ہر کام میں خوش سلیقگی کی جھلک نظر آتی تھی۔ ہر کام کا ایک مقرر وقت ہوتا تھا۔گھر کی ہر چیز مناسب جگہ پر ہوتی تھی۔ کتابوں کے رکھ رکھاؤ میں خاص طور پر سلیقہ دکھائی دیتا تھا۔اُن کا ذاتی کتب خانہ بے حد گراں قدر ہے جسے لائبریری سائنس کے اصول پر اس طرح مزین کیا تھا کہ ہزاروں کتابوں میں وہ کتاب بہ آسانی مل سکتی تھی جس کی انہیں ضرورت ہو۔ ان کے تعلقات بہت وسیع تھے۔آپ کے شاگرد واحباب ساری دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں۔جن کے خطوط انہیں موصول ہوتے رہتے تھے۔ان کے جوابات تحریر کرنا ان کے اہم مشاغل میں تھا اور مکتوب نگاروں کے لیے علیحدہ علیحدہ بڑے بڑے لفافے مختص تھے۔جن میں ان کے خطوط محفوظ کردیئے جاتے ہیں۔سید محمد اشرف اندرابی اپنی ذات میں ایک انجمن تھے۔ پیکر جمیل، خلیق، متواضع ، ادب دوست، ادب آشنا، شفیق ومہربان، اہل علم کے رہنما، اہل ذوق کے دلدادہ،

ہنس مکھ اور ظریف، متین اور بردبار، فہیم اور باوقار، رواں دواں، دلچسپ انداز گفتگو کے مالک، علم وفن سے لے کر طرزِ رہائش تک ہر جگہ وہ ادب نواز اور ذوق آشنا نظر آتے تھے۔ آپ کا ادبی مرتبہ بے حد اہم و بلند ہے وہیں شخصیت بھی دلآویز تھی۔ مزاج میں سادگی، عاجزی اور انکساری تھی۔ وہ ہر ایک کی مدد کرنے کے لیے ہمیشہ حاضر رہا کرتے تھے۔ اندرابی صاحب نے بعض رسالوں کی ادارت کے فرائض بھی انجام دیئے۔ یہ رسائل ۱۹۷۰ء کے آس پاس میں شروع کیں گئی۔ آپ مسلسل ان رسالوں میں لکھتے رہے جن میں ماہنامہ التبلیغ، تبلیغ الاسلام، ختم نبوت اور حنفی اخبار قابل ذکر ہیں۔ اپریل ۲۰۰۴ء میں ماہنامہ المصباح کا اجراء اور تادمِ آخر اس کی ادارت سنبھالتے رہے۔ اس طرح اندرابی صاحب مرحوم نے اُردو زبان وادب کی آبیاری میں اپنی پوری زندگی گنوادی۔ اہل اردو اندرابی صاحب کی اس خدمت کو کبھی فراموش نہیں کر سکتے اور اس کے لیے ہم ہمیشہ ان کے احسان مند رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جنت الفردوس میں جگہ دے۔ آمین۔

❖ ❖ ❖ ❖

یادِ عالِم و عامل جناب مرحوم مولانا سید محمد اشرف اندرابی صاحبؒ

غلام نبی اندرابی، رتنی پورہ

اگر گیتی سراسر باد گیرد　　چراغ مقبلاں ہرگز نہ میرد
چراغ را گر ایزد بر افروز　　ہر آنکس تُف زند ریشش بسوزد

اگر دنیا میں چاروں طرف آندھیوں کا زور ہوجائے تو پھر اللہ کے مقبول بندوں کا چراغ نہیں بجھتا جس چراغ کو اللہ تعالیٰ روشن کرے اُس کو کوئی بجھانا چاہے تو اس کی ریش جل جاتی ہے۔

زمین تپتی ہے تو بارش ہوتی ہے۔ رات کی سیاہی گہری ہوتی ہے تو صبح کا نور طلوع ہوتا ہے۔ خدا کے بندے خدا کی راہ سے گمراہ ہوجاتے ہیں۔ گمراہی اور سرکشی حد سے بڑھ جاتی ہے تو خدائے غفور و رحیم کی رحمت کو جوش آتا ہے اور کتنی عظیم رہبر کا ظہور ہوتا ہے۔ وقتاً فوقتاً عالِم دین مبعوث ہوتے رہتے ہیں اور خدا کے فضل و کرم سے ایسی دینی خدمات انجام دینے میں کوئی کسر باقی نہیں رکھتے کہ رہتی دنیا تک اپنا نام ہی نہیں باقی عملی کام کو پیچھے چھوڑ کر اعلیٰ مقام حاصل کرتے ہیں۔ حضرت مولانا سید محمد اشرف اندرابیؒ عالِم دین ہی نہیں عاشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور ولی کامل کا درجہ کما چکے ہیں۔ حقیقت

میں ایک عالمِ دین کی موت عالَم کی موت ہے۔

حضرت مولانا کے متعلق کچھ بیان کرنا تحریر کرنا میرے بس کی بات نہیں ساری عمر دین کی خدمت میں صرف کی۔ باتوں سے نہیں عملی طور اس میدان میں کود کر ایسی خدمت کی کہ یہ چراغ کبھی نہیں بجھے گا۔

مروجہ اور دینی تعلیم حاصل کرنے کے بعد محکمہ تعلیم میں بحیثیت مُدرس کا منصب سنبھال کر ایک اعلیٰ کردار کا مظاہرہ کیا۔ بحیثیت اُستاد آپ نے ایک اعلیٰ نام کمایا تھا۔ اُس وقت کے اعلیٰ اُستادوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ سکول کے سربراہاں آپ کو اپنے ادارے میں کام کرنے کے لیے کوششیں کرتے تھے۔ بہرحال مولانا صاحب ایک ایسی شخصیت تھی کہ اتنا تو ضرور کہہ سکتا ہوں کہ بحیثیت اُستاد اور بحیثیت واعظ آپ سامعین کے دل و دماغ کو موہ لیتے تھے۔ آپ کی خندہ پیشانی سے بولنا ضرور اس بات کی عکاسی کرتی ہے کہ فرمایا ہمارے سالار و رہبر حضرت رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے کہ میزان عمل میں سب سے زیادہ وزنی چیز انسان کے پاکیزہ اخلاق ہوں گے۔ کسی سے مسکرا کر خندہ پیشانی سے بات کرنا بھی نیکی ہے۔ مولانا ضرور اس ترازو میں پورے اُترے ایسے انسان محض وعظ و تقریر ہی پر اکتفا نہیں کرتا ہے بلکہ روحانی منزلوں کو چھو کر اعلیٰ مقام حاصل کر کے ہر حال میں لوگوں کی خدمت کرتے ہیں۔ یہ والدین، اُستاد اور مرشد ہوتے ہیں جو انسان میں اپنی تربیت سے انسانیت کو فروغ دیتے ہیں۔ مولانا صاحب ایک واعظ ہی نہیں رہبر تھے۔ رہبر ہی نہیں مرشدِ کامل تھے۔ باتوں تک نہیں عملی طور دکھاتے تھے کہ دین کیا ہے، انسانیت کیا ہے، اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی رضا کیا ہے؟

ایک دن مولانا صاحب نے اقبال صاحب کے اس شعر کو دہرایا اور اس

کی تشریح کی ہے

ہر کہ عشق مصطفیٰ سامان اوست
بحر و بردر گوشۂ دامان اوست

ایک بڑی اور پُروقار محفل تھی۔ سامعین اس قدر اثر انداز ہوئے اور روتے روتے اپنے گناہوں کی معافی طلب کرتے تھے کہ وہاں نکلنے کو تیار ہی نہیں تھے۔ آپ کی شیرین بیانی، آپ کا انداز گفتگو بالکل مختلف تھا۔ آپ کو دیکھ کر لوگ دنیا کے دکھ درد بھول جاتے تھے۔ معراج انسانیت یہی ہے کہ انسان مخلوق الٰہی کی فائدہ رسانی کی تڑپ اپنے دل میں محسوس کر کے انسانیت کی خدمت کرتا ہے۔ حضرت مولانا نے اپنا یہ جذبہ واضح کر دیا کہ آپ کی تمام تحقیق اور نیکی وعمل کا خلاصہ یہ ہے کہ ہر مخلوق کی خدمت زبان وعمل سے پورے ذوق وشوق سے کی جائے۔

مولانا صاحب مریدین کی محفلوں میں بھی بہت ہی عاجزانہ طور سمجھاتے تھے کہ خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی رضامندی کس میں ہے۔ انسان کی اصلی منزل کیا ہے اور اس کی خاطر کیا کرنا ہے؟ ایک دن کسی محفل میں مولانا رومیؒ کے اس شعر کی تشریح میں کہ ''از محبت تلخ ہا شیریں شود'' پوری رات گذر گئی اور سامعین کھانا کھانا بھول ہی گئے اور پھر سحر کو کھانا کھا کر روزہ دار رہے جب کہ یہ ربیع الاول کی بارہویں کی شب تھی۔

بہر حال اتنا لکھوں اور اتنا کہوں کہ ایسے اعلیٰ اقدار ہستیوں کا وجود اہم اور قیمتی ہوتا ہے۔ صرف سمجھنے اور قدر کرنے کی ضرورت ہے۔ اللہ پاک آپ کو مغفرت کے درجات بلند کرے، آپ کی تعلیمات کو عام کرے اور آپ کے مشن چلانے والوں کو ہمت وحوصلہ عطا کرے۔

حضرت مولانا جناب سید محمد اشرف اندرابیؒ کے محبوب ترین نعتیہ اشعار

ہر کہ عشقِ مصطفیٰ سامان اوست
بحر و بر در گوشۂ دامانِ اوست
سوزِ صدیق و علی از حق طلب
ذرۂ عشقِ نبی از حق طلب
روح را جُز عشق او آرام نیست
عشق اورا وزیست کو را شام نیست
(اقبالؒ)

چو بازوئے شفاعت را کشائی بر گنہگاراں
مکن محروم سائل را درآں آں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
(جامیؒ)

معرفت کے آپ نے دریا بہائے ہر طرف
در حقیقت چشمۂ انوارِ روحانی ہیں آپ
(ضیاءالقادریؒ)

❖❖❖❖

علامہ اندرابی مرحوم ومغفور

چند باتیں چند یادیں

از قلم پیر غلام قادر قادری پانپور
نشاندہ موئے پاک حضرت غوث الاعظمؒ، خانیار شریف سرینگر

خاندانِ قادریہ (پانپور) کے مورثِ اعلیٰ حضرت شیخ نور الدین قادری پانپوریؒ (خلیفۂ خاص حضرت قدرۃُ الاولیاء سیادت مآب سید غلام شاہ صاحب آزاد قادری گیلانی، خانیار شریف سرینگر) کے جیّد خلفاء میں جناب حضرت سید بزرگ شاہ صاحب گیلانی سجادہ نشین درگاہِ حضرت غوث الاعظم خانیار شریف سرینگر، گورنر کشمیر جناب عبداللہ خان دُرانی (حامِل موئے شریف) کے ساتھ ساتھ خاندانِ اندرابیہ (ملارٹہ سرینگر) کے جدِّ بزرگوار حضرت سیادت پناہ میر سید عبدالغنی اندرابی (المتوفی ۵ جمید الثانی ۱۲۶۲ھ مدفن زیارت گاہِ حضرت شیخ وسید محمد میرک اندرابیؒ) بھی شامل ہیں۔ لہٰذا خاندانِ اندرابی کے ساتھ خاندانِ قادریہ پانپور کے تعلقات صدیوں کی داستان ہے۔ اور پھر طرفہ یہ ہے کہ حضرت شیخ نور الدین قادری پانپوری حضرت غوث الاعظمؒ کی اس مشہور درگاہ (خانیار شریف) میں موجود موئے مبارک کے اولین نشاندہ تھے اور بعد میں آج تک بلاناغہ بحمداللہ والمنتہٖ ہمارے خاندان میں یہ سلسلہ جاری و ساری ہے۔ اور اندرابی خاندان اپنے مورثِ اعظم حضرت شیخ و سید محمد میر میرک اندرابیؒ (المتوفی ۵ صفر المظفر ۹۹۰ھ) جن کی درگاہ ملارٹہ سرینگر میں مرجع خواص و عام ہے کے مبارک دور سے

آج تک سلسلہ عالیہ قادریہ سے وابستہ ہیں حضرت میر میرک اندرابی علیہ الرحمۃ حضرت شیخ وسید شاہ نعمت اللہ قادری حِصاریؒ کے خلیفۂ اعظم تھے۔ لہٰذا حضرت اندرابی ہمیشہ درگاہِ غوثیہ خانیار شریف میں نہ صرف حاضری دیتے رہے بلکہ ہمارے اسلاف کرام کے مبارک ہاتھوں موئے پاکِ غوث الاعظمؒ کی زیارت سے مشرف بھی ہوتے رہے۔

حضرت علامہ سید محمد اشرف صاحب اندرابی کے اسلاف کرام کے ساتھ خاندانِ قادریہ پانپور کے تعلقات کی داستان بھی عظیم داستان ہے جس کو اگر ضبطِ تحریر کیا جائے گا تو ایک کتاب معرضِ وجود میں آسکتی ہے۔

جہاں تک اشرف صاحب اندرابی کی ذاتِ گرامی قدر کا تعلق ہے۔ وہ تو تعلقات کے تناظر میں گویا ہمارے گھر کے فرد تھے۔ اختصاراً ان تعلقات کو چند سطور میں بیان کر کے اپنے خاندان اور خاندان اندرابیہ کے تعلقات کا ایک اور باب تحریر کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہوں۔ یہ باب اُن تعلقات کی صدائے بازگشت ہے جو روحانی تعلقات کی اُس کتاب کا فاتحۃ الکتاب ہے جو حضرت میر سید عبدالغنی اندرابی (ملارٹہ، خلیفۂ خاص جدِ امجد) سے آج تک مستحکم ہیں۔

قبلہ اشرف صاحب کو میرے جدّ امجد حضرت زبدۃُ العارفین السالکین پیر احمد شاہ صاحب قادری کے بعد ان کے جانشین والدِ ماجد حضرت پیر محمد سعید صاحب قادری کے ساتھ روحانی تعلقات تھے۔ جب کہ آپ کے اعلیٰ تعلقات عمّ بزرگوار جناب پیرزادہ غلام حسن صاحب قادری المتخلص بہ انقلاب کے ساتھ تقریباً چالیس سال قائم رہے۔ خود شاعر ہونے کے باوجود بلکہ سخن فہم وسخن سنج بلکہ اعلیٰ معیاری شاعری کے حامل اور عربی، فارسی اور اُردو شاعری پر گہری نظر رکھتے ہوئے انقلاب صاحب کے کلام کے دلدادہ تھے

بلکہ بیشتر اشعار کے حافظ ۔ چونکہ دونوں حضرات اعلیٰ علمی قابلیت کے تناظر میں احیاناً ظرافتِ طبع کے حامل تھے لہٰذا انقلاب صاحب کے بذلہ سنجی کے واقعات ان کی وفاتِ حسرت آیات کے بعد تادمِ زیست سناتے تھے۔آپ نے محکمۂ تعلیم میں ان کے ماتحت اپنے فرائض بھی انجام دیئے تھے۔کاش وہ خط و کتابت محفوظ ہوتی جب انقلاب صاحب کو انتقاماً لداخ تبدیل کیا گیا۔ طرفین کی اس خط و کتابت سے بہت سے سیاسی، علمی حقائق سے جانکاری ملتی۔

حضرت قبلہ اشرف صاحب کو انقلاب صاحب کے ساتھ ساتھ راقم الحروف کے دوسرے عمّ بزرگوار جناب محترم المقام الحاج پیرزادہ غلام جیلانی قادری جو سالہا سال ریاستی اسمبلی کے دونوں ایوانوں کے ممبر رہے اور نہ صرف علاقہ پانپور بلکہ کشمیر کے جیّد سیاسی لیڈر،سماجی کارکن اور مذہبی خادمِ قوم کی حیثیت سے متعارف تھے کے ساتھ گہرے مراسم تھے جس کی تفصیل اس مختصر مضمون میں ممکن نہیں ہے۔

انجمن تبلیغ الاسلام جموں وکشمیر سے علیحدگی کے بعد اشرف صاحب کا علمی پایہ تخت پانپور ہی ٹھہرا۔لہٰذا خاکسار پر ان کی نظر شفقت قدیم تعلقات کی روشنی میں روز بروز بڑھتی رہی۔ چنانچہ آخری ایام میں ہمارے خاندانی دستاویزات کو (جو اُمورِ نشاندہی موئے شریف کے متعلق تھے) اپنے پیش لفظ کے ساتھ المصباح میں شائع کر کے ان صدیوں کے تعلقات پر گویا مہر اختتام ثبت کی۔ ۱۴ سال سے خانیار شریف میں میرے ہاتھوں حجرۂ شریف پر موئے شریف کی زیارت کی۔ والدِ مرحوم کے بعد ہر وقت حوصلہ بڑھایا ؎

افسوس کز قبیلۂ مجذن کسے نماند

❖❖❖❖

مولانا سیّد محمد اشرف اندرابیؒ کی

زندگی کے نمایاں پہلو

غلام حسن طالبؔ
ریٹائرڈ کے،اے،ایس آفیسر
نیوہ، پلوامہ

ماہ و اُنجم بھی جنہیں تکتے تھے رشک سے
وہ محفلیں کہاں ہیں، وہ مہمان کدھر گئے

آج ایک ایسے صاحب قلم اور فصیحُ البیان عالمِ دین کی مُتنوع صفات شخصیت کی زندگی پر قلم اٹھانے کی جسارت کررہا ہوں کہ جو تحریر وتقریر دونوں میں ایک منفرد اسلوب کے مالک ہونے کا لوہا منوا چکے تھے۔اُن کی ذات عالی صفات کے اندر علم کے سمندر بہانے کی فطری صلاحیت گامزن تھی۔وہ اپنے تقریری بیان میں یدِ طولیٰ رکھتے تھے۔مشاہدے کی بات ہے کہ اُن کی مجالس میں شامل لوگ جن میں صاحبانِ استعداد، ائمہ اور مبلغین حضرات بھی ہوتے تھے، ہمیشہ زانوئے ادب تہ کرتے تھے۔برصغیر کے اس جیّد اسلامی سکالر کی جدائی کا عظیم سانحہ بیان کرتے ہوئے اس حقیقت کا لامحالہ اظہار کرنا پڑے گا کہ موت اور گاہک کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا، کون کب آئے؟ خدا ہی بہتر جانتا ہے۔مُشیّتِ ایزدی یہی تھی کہ قضائے مُبرَم نے ۹/اگست

۲۰۱۶ء منگل کے دن مولانا کے گھر میں دستک دی اور اس طرح سے صاحبِ فراموش موصوف داعی اجل کو لبیک کہہ گئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

قرآن و احادیث سے بھی یہ حقیقت واضح طور منکشف کی گئی ہے کہ موت ہرگز بھی زندگی کا خاتمہ نہیں، بلکہ اس کے بعد حیاتِ ابدی کا منزل بہ منزل وسیلہ ہے۔ علامہ اقبالؒ مرحوم نے اپنی والدہ ماجدہ کی یاد میں مرثیہ کے انداز میں لکھی نظم میں حیات بعدِ موت کا فلسفہ یوں سمجھایا ہے کہ گویا جس طرح ایک انسان کے نیند بھر سونے سے جینے کا عمل جاری رہتا ہے یعنی کہ اس میں کوئی فرق نہیں آتا بالکل اُسی طرح موت سے زندگی کا عمل ختم نہیں ہوتا ہے

موت کو سمجھے ہیں غافل اختتامِ زندگی
ہے یہ شام زندگی، صبح دوام زندگی

حضرت یحییٰ برمکیؒ کا قول ہے ''جو لوگ ہم سے پہلے تھے، وہ ہمارے واسطے قابل اقتداء ہیں، جو ہمارے بعد آئیں گے، ہم ان کے واسطے عبرت ہیں، جو لوگ دولتِ دُنیا کے طالب ہیں اگر وہ زمانے کی سختیاں نہ اُٹھا سکیں تو پھر اپنے مقصد میں ناکام ہونے کی شکایت نہ کریں۔ آیئے چند اقوال زریں کی بات کریں جو موضوع کے لیے مناسب رہے گا۔ وہ جو علامہ اقبالؒ کے بارے میں کہا جا رہا ہے کہ اپنے استاد کو دیر سے آنے کے اِستفسار کے جواب میں ''اقبالؔ دیر سے ہی آتا ہے'' کہا تھا یا یہی مشہورِ عام مصرعہ ''بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا'' جیسے اقوال پر غور وفکر کرنے کے بعد جو بات سمجھ میں آجاتی ہے وہ اس طرح ہے کہ اس دنیا میں دیر سویر جنم لینے والی شخصیات گئے گزرے عظیم انسانوں کے نعم البدل تو تسلیم کی جاسکتی ہیں لیکن ویسے کا ویسا ہونا یا ملنا ہرگز بھی ممکن نہیں ہوتا ہے۔ اگر ایسی بات ہوتی تو

دنیائے اسلام نے آج تک حضرت بلال حبشیؓ کی حیثیت کے کئی موٴذتین پیدا کئے ہوتے یا پھر علومِ رسمیہ کے میدان میں اور بھی کوئی سر سید احمد خان اُتر گیا ہوتا۔ الغرض کسی سعادت مند انسان کے دنیا سے گزر جانے کے بعد پھر ہو بہو اُس جیسا ملنا نایاب ہوتا ہے۔ مولانا مرحوم کی شخصیت کا خاک میں پنہاں ہونے سے جو خُلا پیدا ہو گیا اُس کو اب پورا کرنا ناممکن ہی نہیں بلکہ قیاس سے باہر ہے۔ اُن کی انجمن ساز شخصیت کی یہ تاثیر کہ اُن کے خیر خواہوں کے ساتھ ساتھ اُن سے اختلاف رائے رکھنے والے لوگ بھی اُن کے گرویدگان اور فدویان میں شامل ہو جاتے۔ دین اسلام کی خدمات انجام دینے کے دوران اُن کے پائے ثبات میں کبھی بھی لغزش نہیں آئی۔ جس ایثار، لگن اور جانفشانی سے وہ تبلیغ دین کرتے رہے، ایسا محسوس ہوتا ہے کہ گویا وہ حضرت امیر کبیرؒ میر سید علی ہمدانی کے مشن کو آگے بڑھانے والوں کی صف میں دل و جان سے شامل ہو گئے تھے۔ اس کے علاوہ وہ ایک گرانقدر استاد، ممتاز دانشور اور شیریں بیان میر واعظ کے طور اپنی قابلیت کا سکّہ بٹھانے میں کامیاب ہو گئے تھے اور پھر اُن کی دیگر گونا گوں خصوصیات کا دفتر کھولنا بھی ضروری ہے۔

مولانا موصوف کی شخصیت کے روشن کناروں کی نشان دہی کے لیے اُن کی نگارشات کا مطالعہ کرنے کے ساتھ ساتھ اُن کی مجالسوں میں محبت صحبتوں سے مستفیض و مستفید ہوئے لوگوں سے گفت وشنید بھی کرنا ہوگی ورنہ اُن کی حیات کے کارنامے ایک مقالے یا مضمون کی صورت میں قلم بند کرنا گویا دریا کو کوزے میں بند کرنے کے مترادف ہوگا۔ ابھی بھی صفحۂ ہستی پر مولانا مرحوم کے قریبی ساتھیوں میں سے کئی حضرات بہ قیدِ حیات ہیں جن کے مشاہدات اور تجسسات کارآمد ثابت ہوں گے۔ اس طرح سے مرحوم کی جامع الصفات

شخصیت پر وافر معلومات اکٹھا کرنے میں آسانی ہوگی اور جس کو ترتیب سے کتابی صورت میں منظرِ عام پر لانے کی تگ ودَو کی جاسکتی ہے۔

مولانا موصوف کے بارے میں انجمن تبلیغ الاسلام جموں و کشمیر کے سابقہ بانی صدر مولانا سید قاسم شاہ بخاریؒ مرحوم نے اپنی زندگی کے آخری ایام کے دوران اپنی رائے کا یوں اظہار کیا تھا ''اب بزرگِ اسلاف ایک ایک کر کے اس دنیا سے رخصت ہوکر خدا کو پیارے ہو گئے۔ البتہ ہر سو نظر دوڑا کر یہی لگتا ہے کہ مولانا سید محمد اشرف اندرابیؒ کے علاوہ اور کوئی اس قبیل و مقدور کا دکھائی نہیں دیتا''۔ یاد رہے کہ ۱۹۶۰ء کے شروع میں انجمن تبلیغ الاسلام جموں و کشمیر کا دوروزہ کُل ریاستی اجتماع فقیر ملت حضرت سید میرک شاہ کاشانیؒ کی سرپرستی میں امیرا کدل میں منعقد ہوا تھا۔ اس اجتماع میں سینکڑوں ممبران و وابستگان انجمن نے شمولیت کی تھی۔ مولانا سیّد محمد قاسم شاہ بخاریؒ کو اسی مجلس میں باضابطہ طور صدر منتخب کیا گیا تھا اور وہ اُنجمن تبلیغ الاسلام جموں و کشمیر کے عہدہ صدارت پر چالیس برس تک فائز رہ کر اسلام کی خدمت کرتے رہے۔ اُن کی زندگی کے کارناموں سے موضوع کی مناسبت سے مزید وضاحت آگے کے صفحات پر سپردِ قلم کروں گا۔ فی الحال مولانا موصوف کی ایک سرکاری اُستاد کی حیثیت سے درس وتدریس کے میدان میں تعیناتی کو اُن کی زندگی کے پہلے پڑاؤ کے طور پیش کرنا مقصود ہے۔ چنانچہ مولانا نے اپنی جوان بختی کا آغاز ایک سرکاری معلم کے پیشہ سے کیا جب اُنہیں سال ۱۹۵۳ء میں جنوبی کشمیر کے ایک مشہور جگہ ویری ناگ بھیج دیا گیا۔ دین حنیفی کی تبلیغ و اِشاعت کے لیے اُن کے دل میں موج زن ارمان پورا ہونے کا اس سے بہتر موقع اور ماحول شاید ہی ہاتھ لگتا۔ اُنہوں نے اس گنجان آباد علاقے

میں جہاں مروجہ تعلیم کو عام کرنے کی بھرپور کوشش کی وہیں پر اپنے عالمانہ اثر و رسوخ سے لوگوں کو دین اسلام کی طرف راغب کرتے رہے۔ اسلامی درس و تدریس کا باقاعدہ نظام تشکیل دینے اور مساجد و مدارس کے لیے عمارت کی تعمیر وتجدید کرانے کی خاطر مقتدیوں اور دیگر لوگوں سے دستِ تعاون طلب کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ اُن کے جادو اثر خطبات اس حد تک تاثیر کر گئے کہ لوگ جوق در جوق آ گے آ کر اسلامی تعلیمات کی طرف مائل ہوتے رہے۔ اس طرح سے یہاں اوقافِ اسلامیہ کی بنیاد پڑی اور جامع مسجد تعمیر کی گئی۔ الغرض مولانا موصوف نے اس پرگنہ میں اپنے عرصہ قیام کے دوران اپنی تمام تر علمی اور تجرباتی صلاحیتیں بروئے کار لائیں جس سے نہ صرف یہاں کی خواندگی میں بتدریج اضافہ ہوتا رہا بلکہ لوگ دینی اور ملی خدمات میں شوقِ دل سے شریک ہوتے رہے اور دین و دنیا کی خوشحالی کے لیے کام کرتے رہے۔ اسی دوران انہیں محکمہ تعلیم کی طرف سے بی، ای، سی یعنی کہ بنیادی تعلیم کے تربیتی کورس کے لیے منتخب کیا گیا۔ ایک سال کی تربیت پانے کے بعد ان کی زندگی کا سفر ویری ناگ میں ہی جاری رہا۔ وہ نہ صرف خود ایک تربیت یافتہ استاد کی حیثیت سے پڑھنے پڑھانے کے کام میں مقبول عام ہوئے بلکہ دوسرے مُدرسین کے لیے بھی رہنما اصول وضع کرنے میں پیش پیش رہے۔ انہوں نے ریاضی پڑھانے والے استادوں کے لیے اس مضمون کے تدریسی مقاصد تحریر میں لائے۔ اُن کی ایک قلمی دستاویز جو مجھے اُن کے فرزند ارجمند سیّد عبدالحمید اندرابی نے فراہم کی، کے مطابق مذکورہ مضمون پڑھانے کی اغراض وغایات اس طرح سے درج ہیں:

''موجودہ زمانے میں 'حساب' کا مضمون فقط اس غرض سے پڑھایا

نہیں جاتا کہ یہ کاروباری نقطۂ نگاہ سے بہت مفید ہے اور ساتھ ہی بعض علوم جیسے طبیعات اور انجینئری وغیرہ میں اس کی سخت ضرورت ہوتی ہے، بلکہ اس لحاظ سے بھی کہ اس سے ذہنی تربیت ہوتی ہے اور ایسی دماغی تربیت ملتی ہے جو دوسرے مضامین سے ملنا محال ہے۔ نیز اس مضمون سے قوتِ متخیلہ اور قوتِ استدلال کے بڑھنے کے اِمکانات روشن ہوجاتے ہیں''۔ مولانا مرحوم کے جملہ حصولِ مرام کا جائزہ لینے سے یہ بات صاف طور سے ظاہر ہوجاتی ہے کہ اُن کی طرف سے اپنے پیچھے چھوڑے ملی اور دینی خدمات کے کارنامے صدقہ جاریہ کے طور موجود رہیں گے۔ جب جب بھی مولانا موصوف کی مفارقت کا صدمہ آنکھوں کے آگے پھر جانے لگتا ہے تو فوراً ماضی کے جھروکے سے چشمہ ویری ناگ کے قرب و جوار میں آباد خوش نصیب مکینوں پر رشک آتا ہے کہ جن کے آباء واجداد کو مولانا موصوف کی زندگی کے زمانہ شباب سے اُنیس سالہ فیضان صحبت اور علمی امرت دھارا پینا مُقدر میں ہونا لکھا تھا۔ کون جانتا تھا کہ منبع جہلم کو منبع علم کے ساتھ ملنا جلنا نصیبوں میں ہوگا۔ ایک سے تو دریا بہنے کا عمل تا حشر جاری رہے گا اور دوسرے نے تو ہر طرف سے علم وعمل کے سمندر بہانے میں کمالات دکھا کر رکھ دی ہے۔ ویری ناگ میں اپنی لمبی مدتِ ملازمت گزارنے کے بعد مولانا موصوف کی گھر واپسی کا سفر اپنے ہی تحصیل پلوامہ کے ہائی سکول میں تبادلہ ہونے پر اختتام پذیر ہوا۔ اپنے مقدس پیشہ کے فرائض انجام دینے کے ساتھ ساتھ قصبہ پلوامہ کی جامع مسجد اور خانقاہِ میر صاحب مسجد وشہ ٹِگ میں خطابت و امامت کے فرائض بھی انجام دیتے رہے۔ اگرچہ زیادہ تر مدت تک وہ خانقاہ میر صاحب مسجد کے ساتھ وابستہ رہے۔ ایک اندازے کے مطابق وہ لگ بھگ تیس برس تک اس خانقاہ میں

وعظ وتبلیغ کے علاوہ رشد و ہدایت بھی کرتے رہے۔ حق تو یہ ہے میر صاحب مسجد وشہ بُگ کی زمام انتظام آخری وقت تک اُن کے ہاتھوں میں رہی اور اسی پلیٹ فارم سے تبلیغ واشاعت دین کے نیک کاموں میں مصروفِ عمل رہے جس کے لیے لوگوں نے بھی بھرپور ساتھ دیا۔

مولانا موصوف نے پلوامہ میں درس وتدریس اور فروغ دین کے کاموں میں دل وجان سے مشغول رہنے کے ساتھ ساتھ مرکزی اہمیت کے حامل ایک دارالعلوم کا قیام عمل میں لانے کی خاطر رائے عامہ منظم کی۔ چنانچہ قصبہ پلوامہ کے ساتھ منسلک درسو نام کے گاؤں میں ''دارالعلوم نعمانیہ'' سے موسوم ادارے کا سنگ بنیاد بھی رکھا گیا لیکن مسلکی افتراق اور فروعی اختلافات کی آندھی آنے سے بنا بنایا ڈھانچا مسمار ہوکر رہ گیا۔ اگرچہ اِن فسادی، دین مخالف افراد کے فتور ڈالنے سے موصوف کو سخت صدمہ پہنچا لیکن مسلمین کی صفوف میں اِنتشار اور پھوٹ کے بیج بونے سے احتراز کرتے ہوئے کسی بھی انتقامی کاروائی پر حامی بھرنے سے صاف انکار کیا۔ اُن کے ان ہی خصائل اور نصب العین کی بناء پر متحدہ علمائے اہل سنت (جس کی وہ آخری سانس تک علمبرداری کرتے رہے) مبلغین اہلحدیث، زعمائے جماعت اسلامی، ائمہ مساجد اور واعظین نہ صرف اُن کے ساتھ تعظیم وتکریم سے پیش آتے بلکہ اُن کے علمی بیانات سے اِتفاق رائے رکھتے تھے۔ بہرحال یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ اسلامی شریعت کے لُب لباب کے تناظر میں مسلمانوں کی اجتماعی زندگی کی تشکیل وتنظیم اور تربیت کا ذریعہ مساجد اور درسگاہیں ہیں۔ اسی مقصد سے مولانا مرحوم نے اپنی زیادہ تر توجہ شہروں، قصبوں اور دیہات میں مساجد کی تعمیر وتجدید کرنے اور مدارس کھولنے کی طرف مرکوز ومبذول کی۔ دارالعلوموں

کا قیام فقط قصبوں اور ضلعی صدر مقامات پر روبہ عمل لانا اُن کے مطلب کی بات تھی۔ چنانچہ ایک جگہ ''دینی و اخلاقی تعلیم سے بے اعتنائی کے ہولناک نتائج'' موضوع کے تحت رقمطراز ہیں ''ہمارے ہاں بھی علوم جدیدہ کو حاصل کرنے والے طلباء و طالبات چونکہ مذہبی اور اخلاقی تعلیم سے بے بہرہ ہوتے ہیں۔اس لیے وہ آزادروی کی اس انسانیت سوز تہذیب کے اپنانے کو ہی ترقی کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔آگے دینی مدارس کے اِتحاد کو وقت کا اہم ترین تقاضا قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

''وادی کشمیر کے طول وعرض میں پھیلے ہوئے مدارس میں سب سے زیادہ تعداد دیوبندی مکتبہ فکر کے مدارس کی ہے۔اس کا نصاب تعلیم دارالعلوم دیو بند کا ہے اور یہ وفاق المدارس نام کی تنظیم کے ساتھ منسلک ہیں۔اس کے بعد جمعیت اہلحدیث جموں وکشمیر کے مدارس ہیں، ان کا اپنا نصاب ہے۔اسی طرح اہل تشیعہ کے مدارس امامیہ ٹرسٹ کے زیر اہتمام کام کرتے ہیں اور ان کا بھی اپنا ایک نصاب ہے۔اہل سُنت کا وہ طبقہ جو سوادِ اعظم کہلاتا ہے اور خوش اعتقاد اور محبانِ اولیاء کے نام سے مشہور ہے، مذہبی حنفی سے تعلق رکھتا ہے۔لیکن ان کا آپسی کوئی اتحاد نہیں ہے۔دارالعلوم شاہِ ہمدان کے ایک خادم کی حیثیت سے راقم نے کئی بار مدارس دینیہ سنیہ کے اربابِ اختیار و اہتمام کو دعوت اتحاد دی اور تنظیم المدارس کے نام سے ایک متحدہ ادارہ قائم کرنے کی طرف توجہ مبذول کرائی لیکن افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ دو ایک مدارس کے ارباب اہتمام کے سوا کسی نے بھی جواب دینے کی زحمت گوارا نہیں کی۔ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد کے

مہتمم اعلیٰ قاضی امان اللہ صاحب اور سابق صدر مُدرس مولانا اسداللہ مصباحی صاحب نے میرے خیال کی تائید کی لیکن بات آگے نہ بڑھ سکی''۔

مولانا موصوف کے پلوامہ میں اسلامی مشن کے اذکارِ جمیل کو آگے بڑھاتے ہوئے کہنا چاہوں گا کہ راقم کا اکثر لوگوں کی اس بات سے اتفاق رہا ہے کہ مولانا مرحوم میر صاحب مسجد وشہ بُگ کے کاموں کو ایک صاحب ادراک منصرم و متولی کی حیثیت سے انجام دیتے رہے ہیں۔ انہوں نے مقتدیوں کے دلوں میں عباداتِ الٰہی اور قرآن و سنت کے تئیں جذبات ابھارنے کی خاطر اپنا تبلیغی اور اصلاحی پروگرام سال ہا سال تک جاری رکھا۔ وعظ و تبلیغ کے ساتھ ساتھ فروغ دین کے لیے دارالعلوم اور مدرسے وغیرہ قائم کرانا مولانا مرحوم کے مشن اسلام کا جزولاینفک رہا تھا۔ اُن کے ہم عصر ساتھیوں میں مولانا غلام مصطفیٰ اندرابیؒ رتنی پورہ اور مولانا غلام محی الدین عازمؔ پلوامی جامع مسجد اور قصبہ کی مقامی مساجد کے مقتدیوں کے چہیتے امام و خطیب اور عوام الناس کے رہبر و مُرشد مانے جاتے تھے۔ مسئلہ یہ ہے کہ مولانا اشرف اندرابیؒ کے دینی کاموں میں یہاں کے عوام کا کس قدر تعاون و اشتراک رہا تھا، خدا جھوٹ نہ بلوائے، اس ضمن میں راقم نے ''اُمت واحدہ: بُتانِ رنگ و بو کو توڑ کر ملت میں گم ہوجا'' کے موضوع سے روزنامہ 'کشمیر عظمیٰ' میں شائع ہوئے ایک مضمون میں اس قسم کی صورتِ حال کی طرف اشارہ کیا ہے۔

''اہل سنت والجماعت کو خوش اعتقادی اور محبانِ اولیائے کرام کا اِمتیاز تو حاصل ہے اور اس جماعت کے پاس آپسی اتحاد کے بغیر کسی چیز کی

کمی بھی نہیں ہے۔لیکن حیرانی کا مقام ہے کہ علمائے دین اپنی جماعت کا زوال پذیر حال دیکھ کر بھی ٹس سے مس نہیں ہوتے بلکہ اپنی اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد بنانے پر اس وجہ سے ضدم ضدا ہیں تاکہ امیر اعلیٰ کا منصب قائم ودائم رہے“۔

بہرحال اس حقیقت کا ہر ایک کو اعتراف ہے کہ مولانا موصوف نے قصبہ پلوامہ میں دارالعلوم کا قیام عمل میں لانے کا جو منصوبہ باندھا تھا وہ چند تنگ نظر اور ضدی افراد کی ریشہ دوانی کے سبب عملی جامہ پہنانے سے رہ گیا تھا۔ دراصل اسلام کے شجرِ صدا بہار کی آبیاری اور نگرانی کرنے کا جو بیڑا مولانا نے اُٹھایا تھا وہ اس کے درمیان پیدا ہوئے بحرانوں کا مقابلہ بڑی دیدہ درائی سے کرتے رہے اور کبھی بھی ہزیمت نہیں اٹھائی۔ ہمت کا حامی خدا ہے اور صبر کی داد بھی اُسی کے ہاتھ ہے وہ جب دیتا ہے تو چھپر پھاڑ کر ایک کے بجائے دو دو دروازے کھولنے کی صورت میں دینے پر آتا ہے۔ چنانچہ یکے بعد دیگرے مونگہامہ اور قصبہ پانپور میں دو اسلامی ادارے قائم ہوگئے۔ دونوں کی سربراہی کا تاج مولانا موصوف کے سر پہنانا خدا کو منظور تھا۔ فی الوقت قصبہ پلوامہ کے عقب میں مونگہامہ گاؤں کو دارالعلوم غوثیہ ہمدانیہ و مدرسۃ البنات نامی اسلامی ادارے سے زینت نصیب ہوئی ہے۔اس کی سنگِ بنیاد قائدِ اہل سنت حضرت علامہ مولانا سید محمد اشرف اندرابیؒ مرحوم کو ہی ڈالنے کی سعادت مقدر میں تھی۔قصبہ پانپور کی ارضِ زعفران زار پر ۱۹۹۳ء میں دارالعلوم شاہ ہمدان کا قیام عمل میں لایا گیا جو بعد میں مولانا موصوف کی قائدانہ صلاحیتوں اور دوسرے منتظمین کے ایثار و خلوص اور محنتِ شاقہ سے وسعت پا کر ایک ٹرسٹ کی صورت اختیار کر گیا۔مولانا موصوف اس ٹرسٹ کی سربراہی اور دیکھ

بحال نزع کے عالم تک کرتے رہے۔

یہاں سے شائع ہونے والے ماہوار رسالہ ''المصباح'' کے بانی مدیر اعلیٰ ہونے کا اعزاز بھی مولانا موصوف کو حاصل ہوا تھا۔ چنانچہ اس رسالے میں اُن کے مخصوص رشحاتِ قلم کی تخلیق کا جو سلسلہ چلتا رہا اُس سے پورے برصغیر میں قارئین کا ایک بہت بڑا حلقہ معرضِ وجود میں آیا جو برابر اُن کے ساتھ رابطے میں رہا کرتا تھا۔ اُن کی یہ خاص تحریرات زیادہ تر اداریوں کی صورت میں 'سخن اولین' عنوان کے تحت مذکورہ رسالے کی زینت بن کر مقبولِ عام ہوئی تھیں۔ علم و عرفان کے پیاسوں کے لیے مولانا کی جملہ تحریریں ان کے ذخیرہ علم کا منبع ثابت ہو کر رہ گئی تھیں۔ ان ہی خصوصیات کے طفیل وہ بیرونی دنیا سے متعارف ہوتے رہے۔ اُن کی فرقت کے بعد اب یہ حال ہے کہ جو آنکھیں اُن کی نئی تخلیقات کے لیے منتظر رہتی تھیں اور مطالعہ کرتے حلاوت سے سرشار ہونے کی کیفیت کا احساس کرنے لگتی تھیں وہ اب کھلی کی کھلی رہ جاتی ہیں۔

موضوع کو آگے بڑھاتے ہوئے اس بات کا برملا اظہار کرنا مناسب رہے گا کہ مولانا موصوف کی سرکاری ملازمت سے سبکدوشی کے بعد اُن کی زندگی کا ایک اور دلفریب دور شروع ہو گیا جب وہ اپنی ارادت سے انجمن تبلیغ الاسلام جموں و کشمیر میں شامل ہو گئے۔ دراصل اُن کی نظریں ملازمت کے دوران ہی اس تنظیم پر جمنے لگی تھیں۔ وہ اس تنظیم کے ساتھ وابستہ رہ کر نہ صرف صوبائی صدر کی حیثیت سے کام کرتے رہے بلکہ انہوں نے دارالعلوم حنفیہ کے نائب مہتمم کا منصب بھی سنبھالا تھا۔ اس طرح سے اُن کو اپنی خداداد ذہانت اور انتظامی صلاحیتوں کے جوہر دکھانے کا موقع ملنا نصیب ہو گیا۔ جہاں تک

انجمن تبلیغ الاسلام جموں و کشمیر کے بانی صدر مولانا سید محمد قاسم شاہ بخاریؒ کا تعلق ہے اُس ضمن میں پہلے ہی تعارفی کلمات تحریر میں لا چکا ہوں۔ البتہ ایک واقعہ کا ذکر چھیڑنا ضروری سمجھتا ہوں کہ جب شیخ محمد عبداللہ صدر اوقاف جموں و کشمیر تھے اُن دنوں کے دوران لگ بھگ ۱۵۰۰ علمائے دین اور ائمہ مساجد کا مجاہد منزل میں ایک اجلاس منعقد ہوا تھا جس میں انجمن ائمہ مساجد جموں و کشمیر کا باضابطہ انتخاب عمل میں لایا گیا تھا۔

مولانا سید محمد قاسم شاہ بخاری مرحوم اس کے صدر اور مولانا مبارکی نائب صدر منتخب کئے گئے تھے۔ اس نمائندہ اجلاس میں مولانا مبارکی نے مولانا بخاریؒ کو 'امیر شریعت' کا خطاب دیا تھا۔ اسی مایہ ناز ہستی کی معیت میں مولانا سید محمد اشرف اندرابیؒ مرحوم ایک لمبی مدت تک دینِ اسلام کی خدمت کرتے رہے۔ دونوں شخصیات نے علم وآگہی کا ایک نیا باب رقم کر کے رکھ دیا۔ اُنہیں عربی، فارسی اور اردو پر بڑی دسترس اور قلم چلانے کی نادر قدرت حاصل تھی۔

''التبلیغ'' اور ''الاعتقاد'' نامی دو ماہنامے اور اخبار ''حنفی'' منظر عام پر آتے ہی نہ صرف عام لوگوں کی دینی واقفیت میں اِضافہ کرتے رہے بلکہ ردِ قادیانیت کے لیے ایک زوردار مہم کا پرچار کرنے میں پیش پیش رہے۔ چنانچہ مولانا بخاریؒ مرحوم نے ۱۰۸ سے زائد کتب ورسائل تصنیف وتالیف کئے جس کی تفصیل جاننے کے لیے مولانا شوکت حسین کینگ کی ''سیرت البخاری'' کا مطالعہ مفید ثابت ہوگا۔

بایں ہمہ جب ہم ماضی بعید پر نظر دوڑاتے ہیں تو پرانے ریکارڈ سے ایک ایسی دستاویز برآمد ہوئی ہے کہ جس کے مطابق مولانا موصوف کو تقسیم ملک سے پہلے ۱۹۴۶ء کے دوران پاکستان کے ایک شہر گجرانوالہ میں گورونانک خالصہ

نامی کالج میں لیکچرر عہدے کی پیشکش کی گئی تھی جسے وہ نامساعد حالات کے سبب قبول نہ کرسکے۔ حضرت شاہ ہمدانؒ کی زندگی اور کارناموں کا مطالعہ کرنے کے بعد راقم اس نتیجہ پر پہنچا ہے کہ تبلیغ واشاعت دین کے حصول مرام کے لیے علم کلام اور علمِ باطن کی آگاہی مسافرت کے دوران دینا ایک تیر بہدف نسخہ ہے جب کہ سفر کو ''وسیلہ ظفر'' کہا گیا ہے۔ اسی تناظر میں یہ کہنا مناسب رہے گا کہ بنی آدم کی زندگی بجائے خود متعدد اسفار کا ایک لامنتہی سلسلہ ہے، عالمِ ارواح سے باپ کی پشت کا سفر، پُشت پدری سے رحم مادر کا سفر، اور رحم مادر سے عالمِ اسباب یعنی کہ دنیا کا سفر اور پھر عالمِ برزخ کی طرف آخری سفر، انسانوں کے ظاہری سفر کا آغاز ابوالبشر حضرت آدمؑ کی ذات سے ہوا ہے۔ بہرحال فروغ دین کی خاطر اللہ کے برگزیدہ صحابہ کبار اور اولیائے کرام نے وسیع وعریض زمین پر طویل اسفاف کئے اور جس کی پیروی کرنے میں بزرگانِ دین اور دوستانِ خدا بھی پیش پیش رہے۔ غرض مولانا موصوف نے بانی اسلام حضرت امیر کبیر میر سید علی ہمدانیؒ کے طریقہ کار سے دینی خدمات انجام دینے کا تقلیدی جذبہ اپنے من بسنا لازمی قرار دیا تھا اور اس طرح سے وہ آخری دم تک تبلیغ دین کے لیے دور دراز علاقوں میں جاتے رہے۔ تقسیم ملک سے پہلے اور بعد میں بھی وہ گجرانوالہ (پاکستان) آتے جاتے رہے۔ دراصل اپنے اسلاف کی ہدایات ونصائح پر عمل پیرا ہوکر وہ سفرِ علم پر پاکستان جاتے رہے اور یہاں گجرانوالہ میں قائم ایک دینی مدرسہ ''جامعہ عربیہ'' کے متعلم ہوگئے۔ مولانا موصوف کی کئی ایک مقامات کی سال بہ سال کی سیاحت کے پیچھے اُن کے سفرِ علوم، صلہ رحمی، تبلیغ دین، تعمیر مساجد، ترویجِ مدارس اور مشاہدات جیسے نیک مقاصد کارفرما تھے۔ اگرچہ وہ ہر سال

رختِ سفر باندھنے کے عادی بن گئے تھے کیونکہ اُن کا پاکستان جانا ایک معمول بنا ہوا تھا لیکن پھر بھی خطۂ کشمیر اور علاقہ پیر پنچال کے اکناف و اطراف میں گھومتے پھرتے رہے۔ کبھی وہ اسلام کے لیے ارمان بھرے مشن پر اور کبھی خاص مہمان کی حیثیت سے سیرتی مجالس اور میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اجتماعی میں شرکت کے لیے جاتے رہے۔ اتنا ہی نہیں بلکہ اُنہیں اعلیٰ تعلیمی، ثقافتی، سماجی اور ذرائع ابلاغ نے اداروں میں منعقد کی جانے والی مذہبی تقریبات کی صدارت کرنے یا مہمان خصوصی کے طور شریک ہونے کی دعوت دی جاتی تھی۔ اس ضمن میں یونیورسٹی آف کشمیر اور ریڈیو کشمیر و دوردرشن کی تقریبات پر اُن کا تعارف بطور جیّد عالم دین ہوا کرتا تھا۔ حقیقت میں وہ ایک بے لوث داعی، ممتاز عالمِ دین، کہنہ مشق ادیب و شاعر، اعلیٰ منتظم، بے باک صحافی اور شیریں کلام میر واعظ تھے۔ وہ بغیر کسی لگی لپٹی کے، مسلک و مشرب کے حصاروں سے ماوراء اور ملی اتحاد کے حامی تھے جس کا اعتراف نہ صرف اُن کے مریدین اور معتقدین کیا کرتے تھے۔ بلکہ اُن کے مخالفین بھی اس کردار کی حامی بھرنے میں پیش پیش تھے کیونکہ خاص طور سے اُن کے خطبات سے کبھی بھی اختلاف اور اِنتشار پیدا ہونے کی نوبت ہی نہیں آتی تھی۔

مولانا موصوف کے رودادِ سفر کے تناسب سے اس بات کی وضاحت کرنا ضروری ہے کہ گجرانوالہ جانے کی، جہاں اُن کی کچھ مجبوریاں تھیں وہیں پر وہ علم باطن کے حصول اور مزید تعلیم و تربیت سے آراستہ ہونے کے لیے آتے جاتے رہے۔ اپنی اس آمد و رفت کے لگی رہنے کے دوران حضرت داتا گنج بخشؒ کے آستان عالیہ پر اکثر حاضری دینے جاتے تھے۔ مقامی طور بھی وہ

حضرت شیخ العالمؒ کے بقعۂ نور چرار شریف اور حضرت سید محمد علی عالیؒ کے بُقعۂ عالی پکھر پورہ جایا کرتے تھے اور اُن کے تئیں والہانہ عقیدت ومحبت رکھتے تھے۔ بہرحال انہوں نے جس جس مقام کا سفر کیا چاہیے وہ جموں وکشمیر میں ہو یا ریاست سے باہر، مدارس اور عبادت گاہوں کی تعمیر وتجدید میں حصہ لے کر خیر دارین حاصل کرتے رہے۔ بیان ضمنی کے طور نکتہ کی بات کرنا چاہتا ہوں وہ اس طرح کہ مولانا موصوف کی حیاتِ باصفات کا عجلت میں مطالعہ ومشاہدہ کرنے کے دوران اُن کی گونا گوں عالمانہ اور مجتہدانہ خصوصیات کو منظر عام پر لانے میں کوتاہ کرنے کا احتمال ایک بشری فعل ہے جسے درگزر کرنے کی ضرورت ہے۔ فی الحال اثنائے گفتگو میں اس بات کا تذکرہ کرنا بھی مناسب ہوگا کہ ''پیر مریدی'' کا جو سلسلہ حضرت امیر کبیر میر سید علی ہمدانیؒ نے کشمیر میں رائج الوقت کیا تھا تاکہ مشن دینِ اسلام کی چلت پھرت اور آبیاری کا عمل قائم ودائم رہے، اُس کو مولانا موصوف نے اپنی انفرادی حیثیت میں مثالی بنا کر دلفریبی سے جاری رکھا۔ ختمات ومعظمات کی مجالس ہو یا فاتحہ خیر کے مجمعے یا پھر نذر ونیاز کی دعوتیں، مولانا موصوف ضرور شرکت فرماتے۔ ختمیا نے یا ہدایا کی صورت میں معاوضے کی رقوم کے عوض باضابطہ رسیدات اجراء کرتے اور اس طرح سے دارالعلوم اور مدرسوں کے لیے چندہ جمع کرنا ان کا مقصود بالذات رہا تھا۔ انہوں نے زندگی کے دوران سیاست میں بھی حصہ لیا لیکن شطرنج بازی سے احتراز کرتے رہے۔ اپنی پوری ثابت قدمی سے یہاں وفاداری اور رازداری کا کردار نبھایا، اس طرح سے اپنی ساکھ سیاسی سوداگروں اور شعبدہ بازوں سے بچا کر رکھ دی۔ دراصل انہوں نے خواہشات نفس اور ذاتی مراعات کو اپنے نصب العین کی راہ میں آڑے آنے نہ دیا۔

مولانا اندرابیؒ مرحوم کی ادبی و شاعرانہ اور صحافتی خدمات، قلمی کاوشیں

قائد ملت مولانا موصوف کی عالمانہ نوعیت کی دسترس کے رواں موضوعِ بحث سے ایک ذیلی موضوع کا پھوٹ کر نکل آنا قرینِ قیاس تو ہے ہی کیونکہ وہ ایک مستند ماہر تعلیم، اعلیٰ پایہ کے مذہبی دانشور، سیانا ناظم اور بلند مرتبہ روحانی پیشوا ہونے کے علاوہ ایک ممتاز ادیب و شاعر اور بے باک صحافی تسلیم کئے جا چکے ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ اُنہوں نے رباب اَدب کی تاروں کو زیادہ چھیڑنے کی کوشش نہیں کی ہے۔ وہ اس لیے کہ اُن کا اپنا میدان مشق اتنا وسیع و عریض تھا کہ جس سے دوسری فیلڈ میں جوہر دکھانے کی مہلت ملنا ممکن نہ ہوسکا۔ تاہم اُن کی جملہ نگارشات کا بغور مطالعہ کرنے پر حقیقت اظہاری افشا ہو کر رہ جاتی ہے۔ علامہ اندرابیؒ مرحوم کی سیاسی بصیرت اور بالغ نظری کا یہ طرۂ امتیاز کہ جب چاہا اور جس موضوع پر بھی لکھا اُسے نقطہ عروج پر پہنچا کر ہی دم لیا۔ انہوں نے جن خاص موضوعات پر بھی لکھا اُسے نقطہ عروج پر پہنچا کر ہی دم لیا۔ انہوں نے جن خاص موضوعات پر قلم اٹھایا اُن میں 'عالم اسلام کی المناک صورت حال'، 'ملت اسلامیہ کی سماجی ابتری'، 'مسلمین کی تعلیمی پسماندگی'، 'مرزائیت کے خدوخال' اور 'ختم نبوت' 'گستاخِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'، 'سلمان رُشدی'، 'تسلیمہ نسرین'، 'یکسان سِول کوڈ ایک باطل نظریہ'، 'بابری مسجد'، 'اِندرا عبداللہ اِکارڈ'، 'کشمیر جنوبی ایشیاء کا فلسطین'، 'صدائے درد'، 'ہند پاک تعلقات'، 'مسئلہ کشمیر'، 'امرناتھ شرائن بورڈ کا قضیہ: اسباب و نتائج'، 'آخر اس درد کی دوا کیا ہے'، 'مسلم ممالک کے حکمرانوں کی بے حسی'، 'امریکہ اسرائیل کی پالیسیوں کی مذمت'، 'مسلمانوں کی مغرب پرستی کے تباہ کن اثرات'، 'وحید

الدین خان کا سائنٹفک اسلام یا ماڈرن ارتداد'، 'وادی میں قیامت خیز حالات'، 'فرانس میں حجاب پر پابندی'، 'ہڑتالوں کے مُضر اثرات'، 'توحید یا توہین'، 'جنسی سکینڈل'، 'بریلویت'، 'قادیانیت'، 'اتحاد بین المسلمین'، 'دینی اور اخلاقی تعلیم'، 'دین کے نام پر گراگری کا کاروبار'، 'زوالِ امت کے اسباب'، 'سال نو کا پیغام'، 'جمال محمدؐ'، 'مسلکی، گروہی اور فقہی بنیادوں پر کسی بھی طرح کے اِنتشار اور اختلاف کو پنپنے دینے پر کبھی بھی آمادہ نہ ہوا۔تحریریں منصۂ شہود پر آتی ہیں اور ان کی پذیرائی ہوتی رہی۔ مولانا فروعی اختلافات کو ہوا دینا اسلام اور انسانیت دونوں کے لیے متنافی مانتے تھے۔

مولانا موصوف کو اُمت مسلمہ بالخصوص اسلامیانِ کشمیر کے نازک ترین دور سے گزرنے اور عالمی سطح پر جملہ مسلمین کی شبیہہ مسخ کرنے اور ان کا وجود مٹانے کے لیے رچائی جارہی سازشوں کا بخوبی احساس تھا۔ وہ عالم اسلام کے خلاف ہورہی سازشوں کا توڑ کرنے کے لیے اتحاد مسلمین پر زور دیتے رہے اور ان ہی مخاصمانہ تحاریک نے اُسے مساجد اور مجمع عوام کے قریب رہنے کی حکمت عملی سے کام لینے اور آگے کا لائحہ عمل تیار کرنے کی ترغیب دی۔ چنانچہ اس بات پر سب لوگ متفق ہیں کہ اُمت مسلمہ کی دینی زندگی کی تشکیل و تنظیم اور تلقین و تربیت میں مسجد اور جماعت کا بڑا دخل ہے۔ جماعتی نظام کے ساتھ نماز ادا کرنے کی تاکید کی گئی ہے۔ایک حدیث مبارک میں جن سات قسم کے اشخاص کے بارے میں حضور پرنور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا فرمانِ عظیم ہے کہ خداوندِ کریم اُنہیں قیامت کے دن اپنی رحمت کے سائے میں جگہ دے گا جب کہ اس کے سایہ رحمت کے سوا کوئی دوسرا سایہ نہ ہوگا تو ان سات خوش نصیبوں میں سے وہ مردِ مومن بھی ہوگا جس کا حال دنیا میں یہ رہا ہو کہ مسجد سے باہر آنے کے بعد

بھی اس کا دل مسجد ہی کی طرف رہتا ہے جب تک کہ پھر مسجد میں نہ آئے۔ رب کریم بھی ایسے بندے کو صبح یا شام جس وقت بھی اور دن میں جتنی مرتبہ بھی خدا کے گھر (مسجد) میں حاضر ہوتا ہے، اپنے عزیز مہمان کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ مطلب سخن صاف ہے کہ مولانا مرحوم نے ابتداء سے ہی مساجد و درسگاہوں کے سنبھالن ہار اور معمار بن کر دینی خدمت کی اجتماعیت کا جذبہ اُجاگر کر کے رکھ دیا۔ انہوں نے اسی اجتماعی جدوجہد کی مدد سے کتاب وسنت کی روشنی میں اپنی پیش قدمی جاری رکھی اور اسی پر اکتفا نہ کیا بلکہ دیوبندی، بریلوی، سلفی، غیر سلفی، مقلد، غیر مقلد، اعتقادی اور بداعتقادی کے فتنہ خیز نام ٹھہرانے پر ایک عرصہ سے پھیلائے جارہے نفرت کے زہر ہلاہل کو زائل کرنے کی خاطر قلم اور زبان کا خوب استعمال کیا۔

توحید وسنت کی علم برداری کا عظیم شرف پانے اور سال ہا سال تک دینِ اسلام کے شجرہ تازہ کی خونِ جگر سے آبیاری کرنے والی یہ مخلص و بے لوث شخصیت جہاں معروف خطیب کے طور شہرت پا چکی تھیں وہیں پر ادب پاروں کی بھرمار کرنے کے ساتھ شعر وسخن کا پلڑا بھی بھاری بنا کر رکھ دی تھی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ سنجیدہ سخن طرازی کے دوران ان کی خاص توجہ، حمد ونعت کی صِنف سُخن کی طرف رہی۔ علاوہ ازیں موصوف کی اِنشا پردازی اور صحیفہ نگاری کئی ڈھنگ سے اسلامی تخیلات کا اخاطہ کرتے ہوئے دینیات کے فوارے چھوٹنے میں بھی پیش پیش رہی ہے۔ ان کے انمول ادب پارے کتابی صورت پانے سے قبل بیسویں اسلامی جرائد اور رسالوں کی زینت بنتے رہے۔ البتہ ابھی بھی کچھ قلمی مواد اُن کی نجی ڈائروں کے اوراق اور پرچہ ہائے کاغذ پر مرقوم ہے جسے مولانا موصوف کے فرزند باضابطہ مرتب کر کے کتابی

صورت دے کر بکھرنے سے بچا سکتے ہیں۔ فی الحقیقت شاہ ہمدان ٹرسٹ پانپور کے ذمہ داروں نے پہلے ہی اس کارِ عظیم کا آغاز کرنے سے اپنے آپ کو بے لوث خیر خواہوں کی جھرمٹ میں شامل کر کے اپنے اعتماد اور فراخ حوصلہ کا ثبوت پیش کیا ہے۔ اُن کی ہی کاوشوں سے ''مقالاتِ اندرابیؒ'' مطبوع ہو کر منظر عام پر لانا ممکن ہو گیا۔ راقم نے بھی کئی بار مولانا موصوف کی نگارشات کو کتابی صورت میں مُرتب کرنے کی خواہش کا اظہار کیا تھا لیکن انہوں نے پہلے ہی کسی کو دیے گئے قول سے پھرنے کی معذرت ظاہر کی۔ مولانا موصوف کے قلم میں واقعی زورِ طبع کے علاوہ جادوئی اثر تھا۔ زبان وادب کی ادائیگی میں اُن کے تحریری اور تقریری بیانات سے بڑے بڑے قلمکار عِش عش کرتے اور پھر اُن کی زبان دانی کے کرشمے دیکھ کر اہلِ علم بھی اُنگشت بہ دندان رہ جاتے۔ انہوں نے بے شمار موضوعات پر خامہ فرسائی کی اور موقع بہ موقع زمانے کی ہوا بگڑنے پر ایک ایسا اندازِ تحریر اختیار کر گئے کہ جس سے کہنہ مشق اربابِ قلم کا مانوس ہو جانا اور اُن کی متابعت اختیار کرنا ایک فطری عمل تھا۔ چنانچہ مولانا موصوف نے دینی معاملات کی تنقید و تلخیص کے تناظر میں اپنے سیر حاصل مطالعہ کُتب کے بل پر دارالعلوم حنفیہ کی منصب داری میں ممتاز زمانۂ عالم دین اور مفتی کا رول نہایت خوش اسلوبی سے نبھایا تھا۔

چنانچہ انجمن تبلیغ الاسلام کے فتویٰ بورڈ میں ''باب المسائل'' کے تحت سوالات کے جوابات دینے میں مولانا موصوف بھی پیش پیش رہا کرتے تھے اور بعد میں اس سلسلہ سوال و جواب کو خود اعتمادی سے چلانے کا کام شاہ ہمدان ٹرسٹ کے ماہوار رسالہ ''المصباح'' سے بھی ہوتا رہا تھا۔ پھر اس کو اچانک بند ہونا پڑا تھا۔ راقم نے جب اس بارے میں مولانا موصوف سے وجوہ دریافت

کرنے کی کوشش کی تو معلوم ہوا کہ صدر مفتی جموں و کشمیر مولانا بشیر الدین صاحب نے قدرے اپنی ناخوشی کا عندیہ فون پر ظاہر کیا تھا۔ جہاں تک فقیرِ ملت حضرت سید میر شاہ کاشانیؒ کے یادگاری ماہنامہ ''الاعتقاد'' میں قلم برداشتہ لکھنے والوں کا تعلق ہے اُن میں مولانا اشرف اندرابیؒ مرحوم کے مقالات شامل ہوکر قبولِ عام ہو گئے تھے۔

مولانا موصوف نے ایک بارے مولانا ابوالحسن ندوی کی تالیف ''ارکانِ اربعہ'' میں صلوٰۃ الاسرار یا صلوٰۃُ الغوثیہ کے موضوع پر لکھے مضمون میں اس نماز کی اصلیت سے متعلق کچھ خدشات ظاہر کئے تھے۔ چنانچہ اس ضمن میں مولانا ندوی کو خط بھی لکھا تھا۔ جوابی وضاحت نہ ملنے پر اسے تحقیق کے نام پر سُنی سنائی باتوں کی دلیل سے تعبیر کیا تھا۔ بعد میں از خود صلوٰۃ الاسرار کی پوری حقیقت وضاحت کے ساتھ بیان کرکے چھپوادی تھی۔ یاد رہے کہ رسالہ ''الاعتقاد'' کے مدیر اعلیٰ مولانا سید محمد قاسم شاہ بخاریؒ تھے۔ اپنے قلم کی قلابازیاں جاری رکھتے ہوئے جہاں مولانا موصوف کے ''سُخن اولین'' کے عنوان سے ماہنامہ ''المصباح'' میں شائع ہورہے اداریے صحافت وادبیت کی علویّت پر ہوتے تھے وہیں پر اُن کی نگارشات دیگر متعدد اسلامی رسائل اور جرائد میں شائع ہوتی رہیں۔ ان میں ماہنامہ ''التبلیغ''، ماہنامہ ''ختم نبوت'' اور پندرہ روزہ ''حنفی'' شامل ہیں۔ مسلم اوقاف ٹرسٹ جیسے اسلامی کردار سے محروم کرکے بہ یک جُنبش قلم ''وقف بورڈ'' کے نام سیکولرازم کا جامہ پہنایا گیا کے خلاف مولانا موصوف نے تحریری وتقریری دونوں طرح کی جدوجہد جاری رکھی تھی۔ اخبارات اور رسائل میں اس مداخلت فی الدین کاروائی کے خلاف لگاتار مقالات ومضامین شائع کراتے رہے۔ چنانچہ اپنے زورِ قلم کے

بل پر ایک ایسا ہی مضمون بعنوان ''مُسلم اوقاف ٹرسٹ یا وقف بورڈ: ایک لمحہ فکریہ'' لگ بھگ تمام مقامی روزناموں میں شائع ہوا تھا۔ اپنے ان سنجیدہ نوعیت کے مضامین میں مولانا مرحوم نے مختلف دینی تنظیموں اور انجمنوں کی بے حسی خاموشی اور بے غیرتی پر زبردست تاسُف کا اظہار کیا تھا۔ بدیں سبب اخباروں کے ایڈیٹر صاحبان کے نام دردِ دل بھرا مکتوب ارسال کیا جس میں آخری جملے نہایت ہی ادیبانہ اسلوب اور صحافتی زبان کا نمونہ بنے ہوئے ہیں، ملاحظہ فرمائیں:

''مدیرانِ محترم اگر یہ صحیح ہے کہ اخبار قوم کا ترجمان اور صحافی، قوم کی زبان ہوتا ہے تو کیا آپ پر یہ فرض عائد نہیں ہوتا کہ آپ اپنے قارئین کی غالب اکثریت کے جذبات و احساسات کی ترجمانی کریں اور بحیثیت مسلمان، ملتِ اسلامیہ کے خالصتاً دینی معاملات میں حکومت کی غیر آئینی، غیر جمہوری اور جابرانہ مداخلت کے خلاف آواز بلند کریں''۔

بہرحال مولانا موصوف نے کبھی کبھی چھوٹی چھوٹی کتابوں میں بڑے بڑے مسائل و معاملات شائع کرائے۔ ان میں 'وحیدالدین خان کا سائنٹفک اسلام یا ماڈرن ارتداد' اور ''اسلام کیا ہے'' اُن کی لائبریری میں تلاش مواد کے دوران دیکھنے کو ملیں۔ آپ کا رتبہ نہ صرف ریاست جموں وکشمیر کے علمائے دین اور مفکرین کے درمیان امتیازی اہمیت کا حامل رہا تھا بلکہ پورے برصغیر بالخصوص پاکستانی علمائے کرام آپ کی کافی عزت واحترام کرتے تھے۔ اُن کے اعلیٰ پایہ مقام پر ہونے کی افضلیت کے طفیل یہاں کے علمائے کرام اور دیگر مصنفین ومُولفین اپنی کتب ورسائل پر آپ کے قلم سے تقدیمی کلمات تحریر

کرانے کے خواہاں رہتے تھے۔ ہندوستان کے بھی بہت سارے علمائے دین اور مشائخ حضرات ان سے ملاقاتوں کے منتظر رہتے تھے۔ انہوں نے از خود اِن حضرات کے ساتھ رابطے میں رہنے کی ٹھان لی تھی۔ حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی استاد الجامعۃ الاشرفیہ و مدیر اعلیٰ ماہنامہ ''اشرفیہ'' مبارک پور کے مندرجہ ذیل تاثرات سے یہ بات بخوبی سمجھ میں آسکتی ہے کہ مولانا موصوف کسی بھی ادارے یا شخصیت کے تاڑ لینے میں قیامت کی نظر رکھتے تھے۔

''وہ خاک ہند میں جامع اشرفیہ مبارکپور سے بہت متاثر تھے۔ ملاقات کے بعد پہلے جامعہ کے حالات دریافت فرماتے۔ نام لے لے کر چند اساتذہ کی خیریت معلوم کرتے۔ اُن کے دارالعلوم میں چند مصباحی فُضلاء اساتذہ بھی تھے۔ وہ ان کے کاموں سے بہت خوش رہتے۔ فرزندانِ اشرفیہ کے تعلق سے فرماتے، ماشاء اللہ! بڑے باصلاحیت ہوتے ہیں اور کام کرنے کا جذبہ اور حوصلہ رکھتے ہیں''۔ بہرحال راقم کو مولانا مرحوم کا شعر و سخن کے میدان میں جو کچھ سرمایہ دیکھنے کا اتفاق پڑا ہے وہ اگرچہ مقدار کے لحاظ سے تھوڑا ہی ہے لیکن اسے پڑھ کر محسوس ہوا کہ اُن کی مشقِ سخن کا اسلوب کسی بھی بڑے شاعر سے کچھ کم نہیں ہے۔ ہاں البتہ اُن کے اندرون میں پنپتے دانشور کو طبیعت کا لال اُگلنے کے دوران سخن گوئی میں فنکاری کے جوہر دکھانے کے لیے زیادہ وقت ہاتھ نہیں لگا تھا۔ چونکہ انہوں نے منظومات کے لیے مقررہ اصناف سے نعتیہ کلام کو ہی اپنی شعر گوئی کے لیے اختیار کیا تھا۔ اگر انہیں دینی خدمات سے فرصت ملتی اور پھر شاعری کے لیے اپنی موزون طبعی سے دیر گئے تک کام لیتے تو آج ہمیں اُن کی ایک ضخیم کلیات کا جائزہ لینے کے لیے ایک علیحدہ دفتر کھولنا پڑتا۔

بدیں نظر راقم اُس طرحی مشاعرے کی یاد تازہ کرنے جارہا ہے جو معاصر روزنامہ 'سرینگر ٹائمز' نے سال ۱۹۷۶ء کے دوران منظم کیا تھا اور جس میں دیگر شعرائے کرام کے ساتھ مولانا موصوف نے بھی حصہ لیا تھا۔ اس شاعرانہ (انعامی) مقابلے کے لیے علامہ اقبال کا مصرعہ ''مجھے آہ وفغانِ نیم شب کا پھر پیام آیا'' تجویز کیا گیا تھا۔ چونکہ راقم نے بھی طبع آزمائی کی تھی اس لیے نتیجہ نکلنے کی اضطراری جاری رہی، نتیجہ جب شائع ہوا تو یہ دیکھ کر راقم ہکّا بکّا رہ گیا کہ جس شاعر کی پہچان ہی نہ تھی وہی رُستم نکلا۔ مطلب کی بات یہ ہے کہ اس طرحی مشاعرے کے مقابلے میں مولانا موصوف المعروف محمد عاصمؔ اندرابی کو پہلے انعام کا مستحق قرار دیا گیا تھا۔ حالانکہ اس شاعرانہ مقابلے میں عبدالرحمٰن آزادؔ، قطب الدین ماہرؔ، واجدہ تبسم، مظفر ایرجؔ، پرتپال سنگھ بیتابؔ، رفیق رازؔ، غلام نبی ناظرؔ، محمد امین شاہ، غلام رسول اسیرؔ اور تنہا نظامی جیسے کہنہ مشق شعراء نے شرکت کی تھی۔ یہاں راقم اس منتخبہ غزل سے چند اشعار کا حوالہ دینا ضروری سمجھتا ہے۔ ملاحظہ کریں ؎

زہے قسمت مرے لب پر یہ کس مہوش کا نام آیا
کہ میرے نام گردوں سے فرشتوں کا سلام آیا
نہ ہو مایوس اے ذوقِ وفا پیمان باقی ہے
کئی شب سے مرے خوابوں میں وہ ماہِ تمام آیا
ابھی دارو رَسن کی آزمائش ہونے والی ہے
وہ قاتلِ پھر باندازِ دِگر بالائے بام آیا

مولانا موصوف چونکہ شیخ محمد عبداللہ مرحوم کی سیاسی طور بڑی عزت کرتے تھے اور ایک حد تک اُن کی کشمیر پالیسی کے معترف بھی رہے تھے لیکن جب

انہوں نے دہلی میں ''اِندرا عبداللہ اکارڈ'' طے کرنے کے بعد جموں وکشمیر کی زمامِ اقتدار ہاتھ میں لی تھی تو اس سے مولانا موصوف کافی مایوس ہو گئے تھے اوراس طرح اپنی دل برداشتگی کی بھڑاس نکالنے کے لیے منتخبہ غزل کے مقطع کے بند کا یوں سہارا لیا تھا ؎

وہ جس کی وضعداری پر ہمیں بھی ناز تھا عاصمؔ
وہ خود میں اِک ادائے دِلرُبا سے زیر دام آیا

الغرض مولانا موصوف کے کلام سے جو کچھ غزلیں اور نعتیہ اشعار پڑھنے کا اتفاق ہوا وہ یا تو ڈائری کے اوراق اور صفحاتِ قرطاس پر لکھے ہوئے ہیں یا پرانے اخبارات وجرائد میں منتشر پڑے ہیں۔ اُن کے تمام کلام کو جمع کرنے کی ضرورت ہے تا کہ اُسے باضابطہ مرتب کر کے کتابی صورت میں منظر عام پر لایا جا سکے۔

بہرحال مولانا موصوف کے پیشِ نظر کلام کہ جو زیادہ تر غزلوں اور نعتوں پر مشتمل ہے کا بغور مطالعہ کرنے سے اس حقیقت کی نشان دہی ہو کر رہ جاتی ہے کہ ان کے اشعار میں سلاست وبرجستگی کے ساتھ ساتھ فنی خصوصیات بدرجہ اُتم موجود ہیں۔ شعر وسخن کے میدان میں اُن کی قلیل وقتی وابستگی کے باوجود ان کا کلام، اسلوب کی انفرادیت، نُدرتِ خیال اور فکر مندی کے اعتبار سے لایق داد وتحسین ہے۔ جس ڈھنگ سے وہ پیغمبر آخر زمان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اپنی والہانہ عشق ومحبت کا اظہار اپنی تحریر وتقریر میں کیا کرتے تھے بالکل اُسی انداز میں عشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سراپا سرشار ہونے کا حق نعتیہ شاعری میں ادا کرتے رہے بلکہ وہ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر جمیل کرتے ہی اشکبار ہو جاتے۔ طبیعت میں روانی ہوتے ہی نعتیہ سخن طرازی شروع کرنے لگتے، کبھی اردو تو

کبھی کشمیری زبان میں اُن کے ملے جلے کلام سے چند اشعار کا انتخاب یوں پیشِ خدمت ہے ۔

ناؤ گرداب میں آئی اُمت کی ہے
گھپ اندھیرا ہے اور زور امواج ہے
ظلمتِ قبر کا خوف عاصمؔ ہے کیا
میرا آقا وہاں شمعِ وہّاج ہے

❖

وادی بطحا کو جائیں سر کے بل اے دوستو
آہِ سوزاں، دیدۂ غم ناک کی باتیں کریں
اپنے ایماں کو جلا دیں، مصطفےٰؐ کے ذکر سے
آل و اصحابِ شہہِ لولاک کی باتیں کریں
عاصمؔ آثم کی یارب التجا یہ ہو قبول
ہر نفس تیرے کلامِ پاک کی باتیں کریں

❖

بڑی اُمید سے آیا ہوں تیرے در پہ اے ساقی
اٹھائے پھر رہا ہوں بارِ عصیاں سر پہ اے ساقی

❖

جو عزم و یقین کا پیکر تھا اور علم و عمل کا متوالا
عبرت کا مقام ہے اے عاصمؔ وہ حاملِ قرآن ہوتا

❖

اُفق سے دور، حدودِ نظر سے کچھ آگے
ملے ہیں مجھ کو نشانات اپنی منزل کے

❖

اے ماہِ اربابِ یقین، خوش آمدی، خوش آمدی
فصل بہار مومنین، خوش آمدی، خوش آمدی

❖

جو بھی آتا ہے یہاں، آتا ہے جانے کے لیے
چند روزہ ہے یہ زندگی بس دُکھ اٹھانے کے لیے

❖

سراجِ اُمت، فقیہِ ملت امامِ اعظم ابوحنیفہؒ
نقیب وحدت، عُدوِ فرمت اِمامِ اعظم ابو حنیفہؒ

❖

گردشِ دہر سے مایوس نہ ہو عاصمؔ
مُونس و رحمت عالم ہے ہمارا آقاؐ

❖

رحمتوں کا پیام آیا ہے
یعنی ماہِ صیام آیا ہے
مطلعِ زیست پر قرآن حکیم
بن کے ماہِ تمام آیا ہے
مومنوں کے لیے بہر افطار
حوضِ کوثر سے جام آیا ہے

اس کے لیل و نہار کیا کہیے
موسمِ فیض عام آیا ہے
آؤ عہد کُہن کو تازہ کریں
دورِ صوم و صیام آیا ہے

❖

سُرمہ اہل نظر ہے، کحل ارباب بصر
شہرِ دلبرؐ کی معطر خاک کی باتیں کریں

مولانا موصوف کو ایک بار عُرس حضرت شاہ فرید الدینؒ کے ایام کے دوران کشتواڑ جانے کا اتفاق ہوا۔ یہاں ایک بڑے نعتیہ مشاعرے کا اہتمام ہورہا تھا۔ خوش قسمتی سے عین موقع پر موجود مولانا موصوف سے اس محفل مشاعرہ کی صدارت کرنے کی درخواست کی گئی۔ پہلے تو انہوں نے معذرت ظاہر کردی لیکن بعد میں چند بڑے علاقائی دانشوروں کے زبردست اصرار پر آمادہ ہوگئے لیکن دل ہی دل میں سوچنے لگے تھے کہ بغیر تیاری کے اپنی طرف سے نذرانہ عقیدت پیش کرنا ممکن نہ ہوسکے گا۔ لیکن جب صدارتی خطبہ دینے کی باری آئی تھی تو حاضرین مجلس کا یہی خیال تھا کہ مولانا صاحب عالم دین اور مبلغِ اسلام ہونے کے ناطے ولی کاملؒ کی زندگی پر روشنی ڈالیں گے۔ حمدِ باری اور درود وصلوات وِرد کرنے کے بعد چند طبع زاد نعتیہ اشعار پڑھنے شروع کئے جو موصوف نے ایوانِ صدر میں بیٹھے بیٹھے ہی لکھ دیئے تھے۔ محفل مشاعرہ میں شریک کئی بڑے دانشور اور سخن گو حضرات مولانا کی طبیعت کی جولانی پر ششدر رہ گئے تھے اور اُن کے ایک ایک مصرعہ پر عش عش کرتے رہے تھے۔ اِن ہی اشعار میں سے دو اشعار کا بطورِ نمونہ پیش کرنے کی

جسارت کرتا ہوں ؎

منبع برکات ہے تو مطلع انوار ہے
تجھ میں آسودہ فریدِ ملت اصرار ہے
مولدِ اسرار ہے تو مہ فن اخیار ہے
تو سراپا نور ہے اور مرکزِ انوار ہے

آخر پر مولانا سید محمد اشرف اندرابیؒ مرحوم کے اُن معنی خیز نکات کا خلاصۂ کلام تحریر میں لانا چاہوں گا جو راقم کو اُن کے مجلس آرا لمحات سے صحبتیں اٹھانے کے دوران گاہے گاہے سننے کی سعادت بن کر رہ جاتے۔ مولانا مرحوم کے تقریری بیانات کا نچوڑ اس طرح سے ہے:

(الف) ''علامہ اقبالؒ نوبوگ (چاڈورہ) گاؤں کے عالمِ دین مولانا عمر مرحوم کے ہمراہ مشہور صوفی شاعر سوچھ کرال کے مقبرے پر حاضری دینے گئے تھے''۔

(ب) ''چین کے وُوہُو'' نامی ایک گداگر نے بھیک مانگتے بڑی پونجی اکٹھا کر کے کوئی اچھا کام کرنے کا عزم کیا تھا۔ چند تعلیمی اداروں کی بنیاد ڈال دی تھی۔ آج وہ بڑی بڑی یونیورسٹیوں کی صورت میں قائم ہیں''۔

(ج) ''پیغمبر آخر زمان صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو سمجھنے اور دوسروں کو سمجھانے کی ضرورت ہے ورنہ لوگ روز بہ روز کنفیوژن میں ڈال دیئے جائیں گے''۔

(د) ''اولیائے کاملین خاص کر حضرت غوث الاعظمؒ، حضرت شیخ العالمؒ اور حضرت محبوب العالمؒ کے متعلق واقعات و کہانیاں سنانے کے بجائے اُن کی تبلیغی دوڑ دھوپ، سیاسی بصیرت اور دین کی آبیاری کی جدوجہد کو عام کرنا ہوگا۔

(ر) ''دین دراصل حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اداؤں کا نام ہے''۔حقیقت میں خدا مالکِ کائنات ہے۔کلامِ مجید کا اسکرپٹ رائٹر خدا ہی تو ہے لیکن اس کی ہدایت کاری اور اداکاری کی ذمہ داری خدائے برتر نے حضرت رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سپرد کر دی ہے۔ان ہی کلمات سے اپنی نگارش اِختتام کو پہنچاتا ہوں البتہ اس حسرت کا اظہار ضرور کرنا چاہوں گا ؎

اہل یقین، زمین بھی پوچھے گی ایک روز
سجدے یہاں جو کرتے تھے وہ انسان کدھر گئے

❖❖❖❖

ضلع پلوامہ کی ممتاز شخصیت

پیرزادہ محمد امین شاہ سے ایک ملاقات

محترم محمد امین شاہ وشہہ بُگ پلوامہ کے پیرزادہ خاندان کے چشم و چراغ ہے۔آپ نے ابتدائی تعلیم گھر کے علمی ماحول میں مکمل کرنے کے بعد پلوامہ ہائرسکینڈری میں مزید تعلیم حاصل کرنے کے لیے داخلہ لیا۔ پیرزادہ محمد امین شاہ صاحب کے آباء و اجداد خانقاہ و زیارت حضرت سید میر ظہیر الدینؒ وسید میر فرید الدینؒ کے سجادہ نشین تھے اور یہ سلسلہ آج تک جاری و ساری ہے۔آپ کا والد ماجد حضرت مولانا پیرزادہ غلام حیدر شاہ صاحب مرحوم ضلع پلوامہ اوراس کے ملحقہ علاقہ جات میں تبلیغ اسلام کے حوالے سے بہت مشہور ہیں۔پیرزادہ محمد امین شاہ صاحب محکمہ مالیات میں ملازم تھے۔آپ قائد اہل سنت حضرت علامہ سید محمد اشرف اندرابی کے دست راست رہے اور اپنی پوری جوانی اس کی معیت میں گزاری۔حضرت سید محمد اشرف اندرابی مرحوم کی زندگی کے مختلف پہلوؤں کے متعلق لئے گئے انٹرویو سے کچھ مختصر اقتباس قارئین کی خدمت میں حاضر ہیں________

ڈاکٹر تنویر حیاتؔ

المصباح: آپ مرحوم سید محمد اشرف اندرابی کو کب سے جانتے ہیں اور ان سے پہلی ملاقات کس نوعیت کی تھی؟

پیرزادہ محمد امین: حضرت سید محمد اشرف اندرابی صاحب سے میری پہلی ملاقات ۱۹۶۸ء میں ہوئی۔ یہ ملاقات بحیثیت اُستاد و شاگرد کے طور پر ہوئی۔ والد محترم پیر غلام حیدر شاہ کو پہلے سے ہی حضرت علامہ اندرابی مرحوم کے ساتھ ذاتی شناسائی تھی جس کی وجہ سے مجھے بھی حضرت کی شاگردی نصیب ہوئی۔ آج تک مجھے اندرابی صاحب جیسا اُستاد نہیں ملا۔ یہ ایک بہت بڑی داستان ہے جس کو بیان کرنے کے لیے کافی وقت درکار ہیں۔ چند صفحات میں اس کا احاطہ ممکن نہیں ہے۔

المصباح: اندرابی صاحب کے بہت سارے ہمعصر علماء تھے۔ کیا وجہ ہے کہ آپ نے اپنی وابستگی کو اُن کی شخصیت سے جوڑ دیا؟

پیرزادہ صاحب: میں بحیثیت شاگرد سے لے کر حضرت علامہ کی وفات تک ان کے زیرِ سایہ رہا۔ ان کی ہمہ گیر اور جامع شخصیت نے مجھے کسی اور سرچشمہ علم و معرفت میں جانے کے لیے تشنہ نہیں چھوڑا۔ ان کی رفاقت کی وجہ سے اُن کے ہمعصر علماء کے ساتھ بھی میرے اچھے تعلقات اور مراسم رہے ہیں۔

الصباح: اندرابی صاحب کی شخصیت کے کس پہلو سے آپ زیادہ متاثر ہوئے؟

پیرزادہ صاحب: حضرت کی فصاحت، بلاغت، تبحر علمی، سیادت و قیادت، زہد وتقویٰ اور روحانی تصرفات جیسے صفات سے میں ہمیشہ متاثر رہا ہوں۔ حضرت اندرابی مرحوم نے دین کے عوض کبھی بھی کسی سے ایک پیسہ نہیں

لیا۔ یہ وہ شخصیت تھی جو نہ کبھی جھکی اور نہ کبھی بِکی ۔ انہی خصائل نے مجھے حضرت علاہ کا گرویدہ بنایا تھا۔

المصباح: اندرابی صاحب اپنے ہمعصر علماء سے بالکل ایک مختلف طریقہ کار اپنائے ہوئے تھے۔ اس بارے میں آپ ہمیں ذرا تفصیل سے آگاہ کریں؟

پیرزادہ صاحب: حضرت اندرابی صاحب کا طریقہ کار ہمیشہ اعتدال پر مبنی تھا۔ آپ نے ذاتی مفادات پر ہمیشہ ملی اور اجتماعی مفادات کو شریعت مطہرہ کی روشنی میں ترجیح دی۔ آپؒ نے کبھی بھی فریضہ تبلیغ کو ذریعہ معاش نہیں بنایا۔ یہی صفت حضرت علامہ کو دوسرے واعظین و مبلغین حضرات سے مختلف اور ممتاز کرتی ہے۔ اس کی ایک مثال قارئین کی خدمت میں حاضر ہیں۔ ضلع پلوامہ میں ایک سیرتی جلسہ کی صدارت کے بعد انتظامیہ کمیٹی نے آپ کو نقدی ۲۰۰۰ روپیہ نظریں چرا کر جیب میں ڈال دی۔ حضرت علامہ نے جب گھر جا کر دیکھا تو دوسرے دن صبح سویرے یہ روپے انتظامیہ کمیٹی کو یہ کہہ کر واپس کی کہ میں حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دین کی خدمت کے عوض پیسہ نہیں لیتا ہوں۔ یہ اور اس جیسی کئی دوسری مثالوں سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت علامہ اپنا ایک الگ اور مختلف طریقہ کار اپنائے ہوئے تھے۔

المصباح: اندرابی صاحب کی خدمات کے بارے میں کچھ بتائیں؟

پیرزادہ صاحب: حضرت اندرابی صاحب مرحوم نے زبان و قلم دونوں طریقوں سے دین مصطفےؐ کی آبیاری کی ہیں۔ آپؒ نے مختلف جرائد، مجلہ، تصنیفات و تالیفات کی شکل میں موجود ہے۔ آپ نے تقریباً نصف

صدی سے زیادہ تبلیغ اسلام کے فرائض انجام دیئے۔آپ نے ریاست جموں و کشمیر کے علاوہ ملک کے کئی دیگر حصوں میں بھی دین اسلام کا پیغام پہنچایا۔آپ نے اپنی تیس سالہ زندگی میں ہزاروں طالب علموں کو علم کے نور سے روشن کیا۔ اس کے علاوہ دارالعلوم شاہ ہمدان پانپور، دارالعلوم غوثیہ پلوامہ اور مدرسۃ البنات مونگہامہ کی سنگ بنیاد اور سرپرستی آپ کی یادگاری خدمات ہیں۔

المصباح: دارالعلوم غوثیہ بالخصوص مدرسۃ البنات مونگہامہ کا پس منظر کیا ہے؟

پیرزادہ صاحب: ضلع پلوامہ میں اہل سنت کے لیے کسی معیاری علمی مرکز کا بندوبست حضرت اندرابی صاحبؒ کا ایک دیرینہ خواب تھا۔ اگرچہ اس کی شروعات آپ نے ۱۹۹۰ء میں دارالعلوم نعمانیہ کی صورت میں کیا لیکن بدقسمتی سے اس دارالعلوم کی عمارت شرپسندوں نے منہدم کی ہے۔ اس کے بعد اندرابی صاحب خاموشی سے دینِ حنیف کی تبلیغ کرتے رہے۔ جب حالات میں تھوڑی بہتری آئی تو حضرت علامہ نے پھر سے اپنے مشن کو آگے بڑھانے کی کامیاب کوشش کی۔ مردوں کے ساتھ ساتھ عورتوں کی تعلیم بھی ضروری ہے اور اس کو باضابطہ طور عملانے کے لیے حضرت علامہ نے مدرسۃ البنات قائم کیا۔

المصباح: اندرابی صاحب نے اتحاد اہل سنت کا نعرہ بار بار لگایا تھا۔ اس میں مرحوم کو کس حد تک کامیابی ملی؟

پیرزادہ صاحب: حضرت علامہ اندرابی صاحب تادمِ مرگ اتحاد اہل سنت کے لیے کوشاں رہے اور اس کو عملی جامہ پہنانے کے لیے ایک ٹیم بھی تشکیل دی جس کا ایک ممبر کی حیثیت سے میں بھی شامل تھا۔ بدقسمتی سے

اہل سنت کے مختلف داعیان حضرات کی کچھ ذاتی مصلحتوں کی وجہ سے اتحادِ اہل سنت کا نعرہ ابھی بھی نعرہ ہی ہے۔ دراصل اہل سنت کے مختلف تنظیموں کے سربراہوں کی عدم تعاون کی وجہ سے حضرت علامہ مرحوم کا یہ خواب شرمندہ تعبیر نہ ہوسکا۔

المصباح: اندرابی صاحب پہلے دعوت اسلامی کے ساتھ وابستہ رہے۔ بعد میں اس سے علیحدگی اختیار کیوں کی؟

پیرزادہ صاحب: حضرت علامہ اندرابی صاحب مرحوم سنی دعوت اسلامی سے کبھی بھی وابستہ نہیں تھے۔ البتہ آپ نے ہمیشہ ان کی حوصلہ افزائی کی ہے۔

المصباح: اندرابی صاحب ورلڈ اسلامک مشن کے ساتھ بھی وابستہ رہے۔ اس میں مرحوم کا کیا رول رہا ہے؟

پیرزادہ صاحب: انجمن تبلیغ الاسلام سے علیحدگی اختیار کرنے پر حضرت علامہ نے ورلڈ اسلامک مشن میں شمولیت اختیار کی۔ آپ نے بحیثیت صدر ریاست جموں و کشمیر اپنی خدمات انجام دی۔ ایک ماہنامہ اور مختلف کتابیں بھی اس دوران میں اجراء کی گئی۔

المصباح: اندرابی صاحب انجمن تبلیغ الاسلام سے کب اور کیسے وابستہ ہوئے؟

پیرزادہ صاحب: حضرت علامہ اندرابی صاحب جب پلوامہ ہائیر سکینڈری میں بحیثیت اُستاد تعینات تھے تو پلوامہ یونٹ سے کچھ عرصہ تک حامی رہے۔ اس کے بعد حضرت علامہ سید قاسم شاہ بخاریؒ کی ذاتی مداخلت سے مرحوم اندرابی نے انجمن میں باضابطہ طور شمولیت اختیار کی۔

المصباح: انجمن تبلیغ الاسلام سے بہت سارے علماء کرام نے علیحدگی اختیار کی

جن میں مرحوم اندرابی صاحب بھی تھے۔ کیا وجہ ہے کہ اتنے سارے علماء کرام ایک ساتھ انجمن سے علیحدہ ہوئے؟

پیرزادہ صاحب: اصل میں انجمن نظام شوریٰ کو مستحکم کرنے میں ناکام ہورہی تھی جو کہ ان علماء کرام کی دانست میں ناقابل قبول تھا۔ اس وجہ سے انھوں نے انجمن سے علیحدگی اختیار کی۔

المصباح: امیر شریعت کی نقاب کشائی نامی کتاب کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں؟ کیا آپ اس کی تفصیل سے قارئین کو واقف کریں گے؟

پیرزادہ صاحب: انجمن سے علیحدگی کے بعد ''امیر شریعت کی نقاب کشائی'' کا مسودہ سرینگر کے چند علماء کرام نے ترتیب دیا۔ کتاب کے ماتھے پر جو شعر ہے وہ مرحوم عبدالاحد کیفی نے لکھے ہیں۔ اس کتاب میں ان علماء کرام نے انجمن سے اپنی علیٰحدگی کی پوری روداد درج کی ہیں۔

المصباح: امیر شریعت کی نقاب کشائی کو حضرت علامہ اندرابی مرحوم سے کیوں منسوب کیا گیا؟

پیرزادہ صاحب: انجمن تبلیغ الاسلام سے علیحدگی اختیار کرنے کے بعد صرف حضرت مولانا سید محمد اشرف اندرابیؒ اور حضرت علامہ بخاری صاحبؒ کے درمیان میں خط و کتابت کا سلسلہ جاری رہا۔ اس دوران باقی علماء نے مل جل کر کتاب کے لیے مواد اکٹھا کیا۔ جب مواد کو ترتیب دے کر کتابی صورت میں چھاپنے کا وقت آیا تو ان علماء نے اخلاقی خیانت کر کے کتاب کو حضرت علامہ اندرابی صاحب سے منسوب کیا۔ دراصل حضرت علامہ اندرابی اور حضرت علامہ بخاری کے درمیان ہوئے خط و کتابت کا ناجائز فائدہ اٹھا کر اس کتاب کو حضرت اندرابی کی طرف

منسوب کیا گیا۔ میں اس سارے واقعے کا چشم دید گواہ ہوں۔

المصباح: اندرابی صاحب ایک مذہبی صحافی بھی تھے۔ اس میدان میں مرحوم کی کیا خدمات رہی ہیں؟

پیرزادہ صاحب: حضرت اندرابی مرحوم نے مذہبی صحافت کو پروان چڑھانے میں اہم اور مثبت کردار ادا کیا ہے۔ آپ نے اپنی آراء کا اظہار قلم و قرطاس کے حوالے سے کیا ہے۔ امت مسلمہ کو درپیش روزمرہ مسائل خواہ وہ سیاسی ہوں یا مذہبی، معاشی ہوں یا معاشرتی، ان تمام مسائل پر حسب ضرورت اپنی آراء کو عوام الناس تک غیر مبہم اور مؤثر انداز میں پہنچاتے رہے۔ آپ کی صحافتی زندگی کا آغاز ۱۹۶۴ء کے آس پاس شروع ہوئی جو آخری سانس تک جاری رہا۔ آپ کی نگارشات اخباروں اور مختلف رسائل میں چھپتے رہے۔

المصباح: اندرابی صاحب نے قریباً پوری زندگی جامع مسجد میر صاحب وشہ بگ پلوامہ میں خطابت کے فرائض آخری عمر تک انجام دیئے۔ ان کی خطابت کے بارے میں لوگوں کا کیا تاثر رہا ہے؟

پیرزادہ صاحب: حضرت اندرابی صاحب مرحوم کی خطابت کا یہ اثر رہا ہے کہ ان کے سامعین کو آج بھی ان کی خطابت کے خاص خاص نکتے از بر ہیں۔ ضلع کے تمام لوگ حضرت علامہ مرحوم کی اس بات کو داد دیتے ہیں کہ آپؒ نے کبھی بھی وعظ و تبلیغ میں قرآن وسنت کا دامن نہیں چھوڑا اور نہ ہی افراط وتفریط اور نفرت بھرے بیانات کبھی انکے منہ سے نکلے ہیں۔ وہ ہمیشہ اتحاد و اتفاق اور مسلمانوں کی فلاح و بہبود کو اپنے ذاتی مفاد پر ترجیح دی۔

المصباح: تفرقہ اور مناظرہ بازی دور حاضر کے کشمیری مولویوں کا اصل کارنامہ ہیں۔اس بارے میں اندرابی صاحب کا کیا رویہ تھا؟

پیرزادہ صاحب: حضرت علامہ مرحوم ہمیشہ تفرقہ بازی کے خلاف علَم بلند کرتے آئے ہیں۔آپ نے کبھی بھی مناظرہ نہیں کیا ہیں۔ ہاں علمی اختلاف ضرور کیا ہے لیکن وہ بھی اپنی جائز حدوں کے اندر اندر۔ باقی آپ نے کبھی مسلکی تفرقہ بازی کو ہوا نہیں دی۔ یہی رویہ ان کو اپنے ہمعصروں سے ممتاز کرتی ہیں۔

المصباح: اندرابی صاحب کی زندگی کا اصل کارنامہ کیا تھا؟

پیرزادہ صاحب: حضرت کی زندگی کا اصل کارنامہ لوگوں کے دلوں میں عشق رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور محبت اہل بیت وصحابہ کرام واولیاء کرام کی شمع کو روشن کرنا تھا۔جس میں آپ کو کامیابی بھی ملی ہے۔

المصباح: آخر پر قارئین المصباح کے لیے آپ کا کیا پیغام ہوگا؟

پیرزادہ صاحب: قارئین المصباح کی خدمت میں گزارش ہے کہ مولانا اندرابی صاحب کے قائم کردہ اس جریدہ کو تابندہ رکھیں اور اس کا دلچسپی سے مطالعہ بھی کریں۔

آخر پر ڈاکٹر تنویر حیات صاحب آپ کی خدمت میں عرض ہے کہ جو سوالات آپ نے مجھ ناچیز کج فہم سے کئے میں نے آپ کے اصرار پر ٹوٹے پھوٹے الفاظ میں ان کے جوابات دیئے ہیں ورنہ جس ذات گرامی کے بارے میں یہ سوالات کئے گئے اس کے سوا کچھ نہیں کہہ سکتا کہ

ع   چہ نسبت خاکِ را با عالم پاک

❖❖❖❖

حضرت علامہ سید محمد اشرف اندرابی

افکار کی معنوی شعاعوں کا ارتعاش

از ڈاکٹر تنویر حیات

نوٹ: یہ مقالہ ۹/اگست ۲۰۱۷ء کو دارالعلوم غوثیہ مونگہامہ پلوامہ میں مرحوم کی پہلی برسی کے موقع پر پڑھا گیا۔اب یہاں قارئین المصباح کے استفادہ کے لیے پہلی دفعہ اشاعت کررہے ہیں۔(ادارہ)

گزشتہ سال آج ہی کے دن ہم ایک باعمل عالم دین، میانہ روی کی راہ پر گامزن عالم اور محبت کی خوشبو بکھیرنے والے قلمکار سے محروم ہو گئے تھے۔ اندرابی صاحب مرحوم کی موت کے ساتھ ہماری آنکھوں کے سامنے سے صرف ایک شخصیت غائب نہیں ہوئی۔اس شخصیت میں کئی شخصیتیں چھپی ہوئی تھیں اور ہر شخصیت اپنی الگ الگ شناخت رکھتی تھی۔ایک عالم، ایک صحافی، ایک دانشور، ایک سماجی مفکر، ایک ادیب، ایک ذمہ دار شہری، غرض عالم دین ہونے کے علاوہ اندرابی صاحب مرحوم ایک ساتھ کئی حیثیتوں سے یاد کئے جاتے ہیں۔ میں جب ان کے بارے میں سوچتا ہوں تو آنکھوں کے سامنے تصویروں کا ایک پورا سلسلہ گزرنے لگتا ہے۔ ہر چند کہ یہ تصویریں ایک دوسرے سے الگ اور اپنے آپ میں مکمل ہیں لیکن ان سے مل جل کر جو تصویر بنتی ہے وہ صرف ایک شخص کی نہیں بلکہ زندگی اور فکر کے ایک اسلوب، ایک

روایت، ایک تہذیب، اقدار کے ایک مکمل نظام کی تصویر ہے۔ اس لحاظ سے حضرت سید محمد اشرف اندرابیؒ کی شخصیت ایک کائنات اصغر تھی۔ چند صفحات میں اس کا احاطہ آسان نہیں۔ حضرت سید محمد اشرف اندرابی عاصمؒ کی ولادت ۱۳ر جون ۱۹۲۷ء کو ضلع پلوامہ کے ایک مشہور گاؤں جڈورہ میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم گوجرانوالہ پاکستان میں جامعہ عربیہ میں حاصل کی۔ حضرت مولانا چراغ صاحبؒ اور حضرت مولانا خلیل صاحب کے سامنے مرحوم علامہ سید محمد اشرف اندرابی نے زانوئے ادب تہہ کر کے ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لیے آپؒ نے دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا۔ جہاں آپؒ نے حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کی صحبت میں رہ کر فضیلت کی ڈگری مکمل کی۔ تصوف اور طریقت کی تعلیم اپنے ابا حضور حضرت سید محمد امین اندرابیؒ سے حاصل کر کے خلیفہ مجاز ہوئے۔ حضرت علامہ سید محمد اشرف اندرابی مرحوم نے اپنے تبلیغی، تدریسی اور روحانی معمولات ومشاغل کو پاکستان سے ہی شروع کیا ہے۔ ۱۹۵۱ء کے اواخر میں حضرت علامہ سید محمد اشرف اندرابیؒ نے وادی کشمیر کی جانب اپنے والدین اور خویش واقارب سے ملاقات کے لیے سفر کیا۔ وادی کشمیر آنے کے بعد آپؒ بعض ناگزیر وجوہات کی بناء پر واپس نہ جا سکے۔ ۱۹۵۳ء کے آس پاس آپؒ کی تقرری بحیثیت استاد محکمہ تعلیم میں ہوئی۔ پہلی تعیناتی جنوبی کشمیر کے مشہور سیاحتی مقام ویری ناگ میں ہوئی۔ درس وتدریس کے ساتھ ساتھ حضرت سید محمد اشرف اندرابیؒ نے ویری ناگ علاقہ میں دینی خدمات بھی بحسن خوبی سرانجام دیتے رہے۔ حضرت سید محمد اشرف اندرابیؒ نے پلوامہ کی جامع مسجد وشہ بگ میں ساری زندگی واعظ وتبلیغ کی۔ اس طرح سے ضلع پلوامہ اور اس کے ملحقہ گاؤں میں مرحوم اندرابیؒ صاحب نے دین

محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بڑی خدمت کی۔ بقول حضرت علامہ شوکت حسین کینگ صاحب فن خطابت میں اندرابی صاحبؒ حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کے مثیل ہیں، فصاحت و بلاغت کے گویا آپ بادشاہ تھے“۔ کینگ صاحب مزید فرماتے ہیں کہ انتخاب الفاظ اور تلفظ میں اپنی نظیر آپ تھے۔قوتِ حافظہ میں اندرابی صاحبؒ اپنے پیش رو حضرت علامہ سید میرک شاہ صاحب اندرابیؒ کے مانند تھے“۔ حضرت سید محمد اشرف صاحبؒ کو دنیا کی بڑی بڑی شخصیات کے ساتھ بارہا شرف خط وکتابت رہا۔ مثلاً شیخ الاسلام حضرت علامہ سید محمد علوی مالکیؒ جس کا خطِ ارشاد بھی مرحوم اندرابی صاحبؒ کو حاصل ہے۔ حکیم اہل سنت حضرت علامہ محمد موسیٰ امرتسریؒ، ماہر رضویات پروفیسر ڈاکٹر مسعود احمد مجددیؒ، حضرت حکیم شرف قادری، پروفیسر ڈاکٹر طاہر القادری، حضرت علامہ منظور نعمانیؒ، مورخ اسلام حضرت علامہ سید ابوالحسن علی میاں ندویؒ، وغیرہا جیسے نابغہ روزگار شخصیات بھی شامل ہیں۔ حضرت سید محمد اشرف اندرابی صاحب مرحوم کو عربی، فارسی، اردو اور کشمیری زبانوں پر کامل دسترس حاصل تھی۔ حضرت اندرابی صاحبؒ نے مذکورہ بالا چار زبانوں کے علاوہ پنجابی زبان میں بھی اپنا کلام لکھنے کی کامیاب کوشش کی۔ پنجابی زبان میں لکھا ہوا آپ کا معراج نامہ ایک شاہکار کی حیثیت رکھتا ہے۔ نمونے کے طور پر پنجابی کے ایک دو شعر عرض کر دیتا ہوں۔

حبیب خدا مصطفےٰ بن کے آئے
وہ ختم الرسل مجتبیٰ بن کے آئے
ہزاراں رسولاں تے نبیاں نے آکے
ہدایت دے اَن گنت دیوئے جلائے

بڑا بے نصیبا ہے! وہ شخص عاصمؔ
جو اس ذاتِ والا دے احسان بھلائے
دعا ہے کہ یاراں لبسے میرا مولا
اُسے دے جھنڈے ہیٹھ سانوں اٹھائے

غرض حضرت اندرابی صاحبؒ جیسا عالم و فاضل، زاہد و متقی، اور مفکر آج کل کے کشمیر میں بہت کمیاب ہیں۔ عصر حاضر میں کشمیر اور عالم اسلام کو ایسے اہل علم کی انتہائی ضرورت ہے جو علم و عمل کے ساتھ ساتھ دلوں کو جوڑنے کا فن جانتے ہوں، حکمت اور دانائی سے اصلاح احوال کا ہنر رکھتے ہوں۔ نفرتوں کی آگ بجھانے اور محبت کی خوشبو عام کرنے کے خوگر ہوں۔ حضرت علامہ اندرابیؒ اسی قافلے کے ایک فرد تھے۔ ہم کشمیری فکری طور پر اس قدر غریب اور مفلس ہو گئے ہیں کہ ہمارے نزدیک نظریات، تصورات اور اصطلاحات کا یکسر مفہوم ہی بدل گیا ہے۔ ہمارے سامنے افکار نئے مفاہیم کے پیکر میں ڈھل رہے ہیں۔ اقدار مسلسل بدل رہی ہیں۔ ضعیف الاعتقادی کی یہ حالت ہے کہ ہر دیوانہ فرزانہ دکھائی دیتا ہے۔ مجنون اور فاتر العقل دانا اور حکیم بن بیٹھے ہیں۔ پستی بلندی ہوگئی ہے اور بلندی کا نشان تک دکھائی نہیں دیتا ہے۔ کرن سورج کو ڈسنے لگی ہے۔ قطرہ سمندر پی رہا ہے اور خوشبو پھول کے وجود پر الزام ہے۔ انہی فکری مغالطوں اور ہوشربا تغیرات نے ہماری زندگی کے حسن کو چاٹ لیا ہے۔ ہر لہر کے تعاقب میں دوسری لہر ہے۔ ہر مفہوم کے پیچھے ایک نیا مفہوم ہے۔ اصل میں مسئلہ یہ ہے کہ ہمیں روشنی، پھول اور سچ کا نعم البدل میسر آ گیا ہے۔ حالانکہ یہ بات مانی ہوئی حقیقت ہے کہ جس قوم اور معاشرے کو حق کا نعم البدل مل جائے تو پھر اس کا تباہ و براد ہونا یقیناً ٹھہر جاتا

ہے۔ درحقیقت روشنی، پھول اور سچ کا substitute ہوتا ہی نہیں ہے۔ کاش ہم ان کائناتی سچائیوں کو اپنے اصل روپ اور حقیقی مفہوم ہی میں دیکھ سکتے اور ان کا عرفان حاصل کرنے کے لیے اپنی مرضی، خواہش اور پسند کو ہرگز شامل نہ کرتے۔ کاش ہم سچ اور حق کے تابع ہوتے اور حق اور سچ کو اپنا تابع نہ بناتے۔ لیکن افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ہم نے ایسا نہیں کیا ہے۔ اس کی اساسی وجہ یہ ہے کہ ہمیں فکری اور مذہبی اعتبار سے آزاد ہی نہیں چھوڑا گیا ہے۔ ہمیں ہمیشہ محدود اور مخصوص نقطۂ نگاہ کا پابند اور عادی بنایا گیا ہے۔ اس کا فطری نتیجہ یہ نکلا ہے کہ ہم منطق اور حقیقی فلسفے کی دنیا میں غریب ہو گئے ہیں، اور رفتہ رفتہ ہماری علمی اور فکری ترجیحات ہی بدل گئی ہیں۔ ہم بے یقینی کے ساتھ اس اندھے جنگل میں اپنا رستہ کھو چکے ہیں۔ ہمیں اپنی منزل سے کوسوں دور فاصلوں کی خلیج نے نگل لیا ہے۔ فرعون اور نمرود کی زندگی ہماری خواہش اور حضرت ابراہیمؑ اور حضرت موسیٰؑ کا انجام ہماری حسرت ہے۔ اس دوغلے پن نے ہمارا حلیہ بگاڑ دیا ہے۔ یہی ہمارا خوفناک اور المناک المیہ ہے۔ ہم مومن بنتے بنتے منافق ہو گئے ہیں۔ اب ہم نے دنیا کی ہوس میں آخرت بھی گنوادی ہے۔ ہم نے اپنا سب کچھ اپنے پیر کے حوالے نہیں کیا ہے۔ ہم ایک نمبر مرید بھی نہیں بن سکے ہیں۔ ہمارا خارج خوبصورت ہے اور باطن بدصورت ہے۔ ہم ساجد ہیں مگر مسجود سے دور ہیں۔ ہم عابد ہیں مگر معبود سے لاتعلق ہیں۔ ہمارے اعمال کھوکھلے ہیں۔ ہمارا اخلاق مصنوعی ہے۔ ہم ظاہر کے بندے ہیں اور ہمارے اندر اندھیرا ہے۔ ہماری عقیدت ایک دھوکہ ہے اور ایثار مشکوک ہے۔ ہم فکری رسموں اور روایات کے پابند ہیں۔ اس کربناک منافقانہ کلچر (Hypocritical culture) سے ہمارے عقائد،

اعتقادات اور نظریات کو بھی شدید دھچکا لگا ہے۔ ایمان ہمارے سینوں سے جلاوطن ہے۔ خوبصورت عقائد کی مضبوط دیواروں میں دراڑیں پڑ چکی ہیں۔ مذہب محض رسم و رواج کی صورت اختیار کر گیا ہے۔ اسلام کے آنگن میں اندھیرا ہے۔ اللہ اپنے گھر میں اجنبی ہے۔ یہاں جادوگر عامل، جوتشی طاقتور اور اللہ کمزور ہے۔ ہم اپنی بہترین صلاحیتیں اور کوششیں ان اوٹ پٹانگ اور بے بنیاد کاموں میں صرف کر رہے ہیں۔ ہمارے مولوی اور مذہبی طبقے نے مذہب کو چیستاں (Enigma) اور گورکھ دھندا بنا دیا ہے۔ خدا کی ہمسائیگی اور شناخت مشکل ہوگئی ہے۔

ایسے میں حضرت قائد اہل سنت سید محمد اشرف اندرابیؒ ایک معتبر آواز بن کر سامنے آتے ہیں۔ انہوں نے عام انسانوں کے لیے دین کے عرفان اور خدا کی شناخت کو آسان بنانے کی کامیاب کوشش کی ہے۔ حضرت اندرابی صاحبؒ نے ضعیف الاعتقاد لوگوں کو اللہ پر اعتماد کرنے کا حوصلہ اور شعور عطا کیا ہے۔ اس پُرفتن اور پُرآشوب دور میں لوگوں کے دلوں میں مذہب کی رغبت کا احساس دلانا اور مذہب کی حقانیت اور صداقت کو دلائل اور براہین سے ثابت کرنا یقیناً ایک مستحسن عمل ہے۔ میں یہاں اندرابی صاحبؒ کو اس بات کی داد دیتا ہوں کہ وہ بطریق احسن مذہب کی روحانی اور فکری صداقتوں کی لافانی خوشبوؤں کو عام کرتے رہے اور اس بات کو Establish کیا ہیں کہ مذہب میں انسان کی نجات ہے اور مذہب ہی انسانی زندگی کی فلاح کا ضامن ہے۔ اندرابی صاحبؒ کا کمال یہ تھا کہ وہ عصر حاضر میں قرآنی حقائق مذہبی فلسفے اور دین کی تعلیمات کو اس انداز سے پیش کرتے تھے کہ اس میں فکری تازگی، جمالیاتی شگفتگی، سائنسی جدت اور روحانی پاکیزگی کا احساس ہوتا ہے۔ اندرابی

صاحبؒ کے نزدیک مذہب فکری خلجان اور علمی انتشار کا نام نہیں ہے بلکہ مذہب کو وہ ایسا روشن راستہ قرار دیتے ہیں جس پر انسان گامزن ہو کر اپنی منزلِ مقصود تک پہنچ سکتا ہے۔

حضرت اندرابی صاحبؒ کی تجزیہ کے مطابق مسلمانوں کے زوال کے اسباب علم سے پہلوتہی، آبا و اجداد کے شعار سے دوری، اخلاقی اور معاشرتی بے راہ روی، فتح کو مستقل سمجھنے کی غلطی اور خدا کی بندگی سے انکار شامل ہیں۔ مثلاً ابن رشد اپنے زمانے کا سب سے بڑا فلاسفر تھا۔ مگر اپنی تحقیق کے بغیر کسی چیز کو تسلیم کرنے سے بالکل عاری تھا۔ جب اس سے کہا گیا کہ تو نے عاد و ثمود کا حشر نہیں دیکھا تو اس نے کہا عاد و ثمود کون تھے؟ میں عاد و ثمود کے وجود سے ہی منکر ہوں۔ قوم عاد و ثمود کے یہ Pieces علماء نے نہیں نکالے بلکہ زمین کی کھدائی کر کے Archaelogist نے نکالے ہیں۔

دراصل حضرت سید محمد اشرف اندرابی صاحبؒ زندگی اور علم کے سفرنامے میں فکری غربت کے ایک سنگ میل کا پتا دے رہے ہیں، اور چلتے چلتے اس کرب کا اظہار کر رہے ہیں کہ اس زمانے میں ایک بھی غیر معمولی حیثیت کا حامل کوئی مسلم دانشور نہیں ہے جو اس زمانے کے کھیت میں جدید اور تازہ خیالات و نظریات کے بیج بو سکے۔ مثلاً ایک جگہ اندرابی صاحبؒ فرماتے ہیں۔

تریشہ تریشہ از بیہِ کران عرب و عجم
بیہِ حسیناہ گوژھ تُلن پزرچ علم
قصر استبداد یُس الہ راوِ ہے
یُس حیاٹک تازہ چھوکھ بلراوِ ہے

زندگی یُس بخشھے نوو آب و تاب
یُس یزیدن وقتہ کین دیہِ ہے جواب
خونہ سیت سگہ ناو ہے دینُک چمن
تازہ کرہے اُلفتک رسم کہن

حضرت سید محمد اشرف اندرابی صاحبؒ کوئی خشک مزاج مدرس یا سخت طبیعت مولوی نہیں تھے بلکہ خوش اخلاق، نرم گفتار، وسیع القلب، وسیع الظرف اور ایک مثالی انسان تھے۔ایک مقامی اخبار نے اندرابی صاحبؒ کی ذات کے خلاف ایک مولوی صاحب کا مضمون چھاپا۔مولوی صاحب نے بڑا گستاخانہ لب ولہجہ استعمال کیا۔حضرت اشرف صاحب اندرابیؒ یہ مضمون دیکھ کر خاموش رہے۔مشہور ومعروف صحافی، عالم و دانشور جناب قاضی غلام نبی شاہ نورانی نے اس مضمون کا جواب لکھ کر مولوی صاحب کو حقیقت کا آئینہ دکھایا۔اس جواب کی ایک کاپی قاضی نورانی صاحب نے حضرت علامہ اندرابی صاحبؒ کو بھی ارسال کیا۔ جب یہ جوابی کاپی اندرابی صاحبؒ تک پہنچی تو اندرابی صاحب آگ بگولہ ہوئے اور قاضی نورانی صاحب کو ایک خط لکھا جس میں نورانی صاحب کو اس بات کی ہدایت کی گئی کہ وہ میرے ساتھ چالیس روز تک ترک موالات کرے۔قاضی نورانی صاحب فرماتے ہے مجھے اس کے بعد بڑا افسوس ہوا اور میں نے چالیس دن گننے شروع کیں۔جب چالیس دن کی مدت ختم ہوئی تو میں صبح سویرے مرحوم اندرابی صاحب کے دولت خانہ پر حاضر ہوا۔سلام دُعا کے بعد اندرابی صاحبؒ نے بولا! قاضی صاحب میں جانتا ہوں کہ جو کچھ مولوی صاحب نے میرے خلاف لکھا وہ سب بہتان ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا فرمان ہے کہ ’’جب کوئی شخص کسی کے خلاف بدزبانی اور بُرا

بھلا کہے اور آپ خاموشی کا مظاہرہ کریں تو اللہ عزوجل آپ کی طرف سے برا بھلا کہنے والے کو جواب دیتا ہے۔ اگر آپ خود ہی جواب دینے لگو گے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اب آپ دونوں خود جانے‘‘۔آپ نے جواب دے کر مجھے نقصان پہنچایا ہے۔اس پر قاضی نورانی صاحب خاموش ہوئے۔غرض اگر کبھی کوئی بات ان کی طبیعت کے خلاف ہوجاتی تو وہ اس کو کمال حوصلے کے ساتھ برداشت کرلیتے۔ دوسروں کا شکوہ کرنے کی بجائے رضائے رب پر راضی رہتے۔یہی کمال ان کو ان کے معاصرین میں بلند رکھتا تھا۔بقول شوکت حسین کینگ صاحب ’قبلہ مولانا اشرف صاحب اندرابی نے ۵ مئی ۱۹۶۸ء (جمعۃ المبارک) کو انجمن تبلیغ الاسلام جموں و کشمیر کی ممبر شپ حاصل کی اور داخل انجمن ہوئے۔ ابتداء میں آپ نے صدر ضلع پلوامہ قبلہ سید غلام مصطفیٰ صاحب اندرابی مرحوم کے ساتھ شانہ بشانہ انجمن کے کام کو آگے بڑھایا۔بعد میں حضرت علامہ بخاری صاحب نے آپ کو مرکزی مجلسِ شوریٰ کا ممبر مقرر کیا، اور آپ باضابطہ مرکزی زعماء میں شمار ہونے لگے۔آپؒ مختلف اوقات میں صوبائی صدر، ناظم اعلیٰ، نائب مہتمم، معاون ماہنامہ الاعتقاد، اعزازی ایڈیٹر اخبار حنفی وغیرہ عہدوں پر فائز رہے۔ حضرت علامہ شوکت حسین کینگ صاحب مزید فرماتے ہیں کہ انجمن تبلیغ الاسلام جموں وکشمیر کے زیر اہتمام حنفی عربی کالج کا پہلا آئین آپؒ نے ہی مرتب فرمایا۔آپؒ نے ہمیشہ جانفشانی سے انجمن کی آبیاری میں اہم رول ادا کیا۔ مزید تفصیلات کے لیے دیکھئے سیرتِ بخاری۔

الغرض حضرت سید محمد اشرف اندرابیؒ نے اپنے آپ کو تعمیری کاموں میں لگایا۔گنبد کے بجائے بنیاد سے اپنے کام کا آغاز کیا۔ملت کا جھنڈا

بلند کرنے کے بجائے فرد کی اصلاح پر محنت کی۔ پوسٹر چھاپنے کے بجائے خاموش جدوجہد کو اپنا شعار بنا دیا۔ اس دور میں دینداری کم اور دکانداری زیادہ ہے۔قبلہ اندرابی صاحب اکثر فرماتے تھے کہ ''جب تک مسلمان بالخصوص اہل مناسب امیری میں فقیری کی زندگی گزارتے رہے اس وقت ان کا معاشرہ فساد و بگاڑ سے محفوظ رہا اور اسلامی مزاج اور تمدن و ثقافت پھیلتے رہے اور جوں ہی انہوں نے امیری میں فقیری کا احساس کھویا تو انہوں نے دنیاوی شکوہ بھی کھو ڈالا اور معنوی وجود بھی بُرباد کیا''۔ اندرابی صاحبؒ مزید فرماتے تھے'' مجھے اب بھی یقین ہے کہ اگر مسلمان خودغرضی اور ذاتی مفادات سے بالاتر ہوکر اختلافات کی دیواروں کو گرا کر ایک بنیانٌ مرصوص بن جائیں تو دنیا کی کوئی طاقت انہیں زیر نہیں کرسکتی۔تفصیلات کے لیے دیکھئے مقالات اندرابی۔حضرت سید محمد اشرف اندرابیؒ نے اپنی فکر کو بکھرنے سے ہمیشہ محفوظ رکھا۔آپؒ نے بار بار بتایا کہ ذہنی آزادی کے بغیر کوئی سماج ترقی نہیں کرسکتا۔ جس قوم نے فکر پر بندشیں لگائیں اس نے اپنی موت کے محضر پر دستخط کر دیئے۔(صدارتی خطبہ ۲۰۰۵ء بمقام شاہ ہمدان میموریل ٹرسٹ پانپور)

امت کے عروج و زوال کے تجزیہ نے مرحوم اندرابیؒ کو اس حقیقت تک پہونچا دیا تھا کہ فکر وعمل کے سانچے وقت کے ساتھ ساتھ بدلتے رہنے چاہیں۔ ہر دور ایک نئے علم کلام کا تقاضا کرتا ہے۔زندہ قوم کو یہ تقاضا پورا کرنا چاہیے۔ اجتہادی فکر سے امت میں زندگی کی نئی لہریں ابھرتی ہیں جو اس کو فوز و کامرانی کی راہ دکھاتی ہیں۔حضرت علامہ سید محمد اشرف صاحب اندرابی عاصمؔ رحمۃ اللہ کی فکر سے زیادہ اس وقت ہمیں ان کی ذات اور ان کی سیرت سے روشنی حاصل کرنے کی ضرورت ہے۔

زیارت پیر دستگیر صاحب سرینگر میں ایک دن سیرتی مجلس کو خطاب کے دوران اندرابی صاحبؒ نے انتظامیہ کمیٹی کو فرمایا ''آپ القابات بہت زیادہ لکھ دیتے ہیں، میں ان کا اہل نہیں لہٰذا یہ اسراف میں داخل ہے، احتیاط کریں''۔ اندرابی صاحبؒ اکثر فرماتے تھے 'جب کوئی قوم حقیقی دین کو چھوڑ دیتی ہے تو پھر وہ ایک ایسا دین ایجاد کر لیتے ہیں جو انکی خواہشات اور مفادات کے مطابق ہوتا ہے''۔ کشمیر میں اندرابی صاحب اپنے دور میں وہ پہلے شخص تھے جس نے علمی میدان میں غیر صوفیانہ نظریات کا رد بلیغ انداز میں کیا ہے اور ایک زبردست ذمہ داری کو پورا کیا۔ ردِّ عیسائیت میں بھی اندرابی صاحب سرفہرست تھے۔ ان تجدیدی اور اصلاحی کارناموں کی بناء پر اندرابی صاحبؒ ایک سماج سدھارک (Social Reformer) بھی تھے۔

❖ ❖ ❖

نمونہ اسلاف تھے قائد ملت

مفتی مبارک حسین نعمانی
صدر انجمن مصباح الاسلام جموں وکشمیر

دنیا میں لاکھوں لوگ پیدا ہوتے ہیں، اور رخصت ہو جاتے ہیں اور ان کی موت کا کسی کو افسوس نہیں ہوتا، لیکن اس دنیا میں کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جن کی اس دنیا سے رخصتی پر ایک عالم میں کہرام بپا ہو جاتا ہے اور وہ غم اس وقت اور بھی جاں کاہ ہوتا ہے جب کہ وفات پانے والے کی شخصیت ایسی ہو کہ اس سے ایک عالم کو ضیاء ملتی ہو، ایک نسل کو علمی و دینی تربیت ہوتی ہو اور ملت اسلامیہ کی بڑی امیدیں اور تمنائیں اس سے وابستہ ہوں، ان ہی عظیم اور معتبر شخصیات میں ایک شخصیت حضرت قائد ملت امیر اہلسنت علامہ سید محمد اشرف صاحب اندرابی رحمۃ اللہ علیہ کی ہے،

حضرت قائد ملت علیہ الرحمہ ان خوش نصیب انسانوں میں سے ہیں جن کو اللہ مجدہ الکریم نے بہت ساری نعمتوں سے نوازا تھا، حسب، نسب، عزت، عظمت، بصیرت، خداداد لیاقت وسعادت الغرض وہ ایک ہمہ جہت شخصیت تھی ادب، تقویٰ اور شرافت میں ایک مثالی انسان تھے، شریعت اور حقیقت کے سچے طالب تھے صالحین واہل اللہ کی علامتیں ان کی پیشانی سے ظاہر تھی۔

علم کے لئے عجب وخودنمائی اور خودستائی ایک ایسی دیمک ہے جو کہ اسے کھوکھلا اور بے جان کر دیتی ہے اور عاجزی، انکساری وفروتنی ایسے جامع

اوصاف ہیں کہ اسے بام عروج تک پہنچا دیتے ہیں، بحمد اللہ حضرت قائد ملت خود نمائی اس موذی و مہلک مرض سے ہمیشہ محفوظ رہے، ان کی زندگی نہایت ہی سادہ تھی، اگر ان کے سامنے کوئی ان کی تعریفیں کرتا تھا تو اس کو بڑے جلال و سختی سے منع کرتے تھے نہ خانقاہی رکھ رکھاؤ کا دماغ میں سودا تھا اور نہ علمی طمطراق کی ذرا بھی نمائش تھی۔ وہ خانقاہی اخلاق کے پیکر تھے اور تواضع کا خاندانی انداز رنگ و پے میں رچا بسا تھا۔

حضرت قائد ملت غفر اللہ لہ نے جس جوش اور ولولے سے اسلاف کی علمی و دینی خدمات کو منظر عام پر لانے اور نوجوان علماء کے اندر تحقیقی ذوق اور مزاج پیدا کرنے کی جد و جہد کی وہ قابل رشک اور لائق صد تحسین ہے راقم الحروف پر بھی حضرت کا دست شفقت خصوصیت کے ساتھ رہا۔ میں جب بھی کچھ لکھتا تو اس کی تصحیح حضرت سے کرواتا یا اور کوئی کام دین کے تعلق سے کرنا چاہا تو اس کے لئے بھی حضرت سے صلاح و مشورہ لیتا تھا، حضرت خندہ پیشانی اور بڑے محبت کے ساتھ نہ صرف مشورہ دیتے بلکہ خوب حوصلہ افزائی بھی فرماتے۔ احقر نے جب اوراد و اذکار پر مشتمل ایک کتاب بنام ''سرور القلوب فی ذکر المحبوب'' مرتب کی تو اس کی تصحیح کرانے کی غرض سے حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا تو حضرت نے نہ صرف تصحیح کی بلکہ ایک اعلیٰ علمی تقریظ دل پذیر تحریر ضبط فرمائی۔ پھر میں نے ایک اور کتاب بنام ''حادثہ کرب و بلا حقیقت کے آئینے میں'' لکھی اور جب وہ کتاب میں نے حضرت کی خدمت میں پیش کی تو حضرت قائد ملت خوشی سے جھوم اٹھے اور فرمایا یہ ہے ''سرور القلوب'' پر تقریظ لکھنے کا انجام، میں نہایت حیراں ہوا کہ سرور القلوب الگ کتاب ہے اور یہ الگ کتاب۔ ان کے موضوعات مختلف ہیں تو اس کو اس کے ساتھ کیا

تعلق۔ بعد میں پتہ چلا کہ سرور القلوب پر تقریظ لکھنے سے کچھ حاسدین ملاؤں نے حضرت سے یہ کہہ کر روکنے کی کوشش کی تھی کہ یہ تو عام اوراد ہیں اس پر تقریظ لکھنے کی کیا ضرورت ہے مگر حضرت نے فرمایا کہ اس پر تقریظ لکھنے سے حوصلہ افزائی ہوگئی تو اس سے بڑھکر کتاب وجود میں آئے گی۔ اللہ کے فضل و کرم سے وہی ہوا کہ یہ کتاب وجود میں آئی۔

حضرت قائد ملت طبعاً بہت سنجیدہ تھے، ان کی سنجیدگی ان کی تقریر اور گفتگو میں صاف دکھائی دیتی تھی۔ ان کی تحریریں اس کی شہادت دیتی ہیں کہ وہ بناوٹی اور جذباتی گفتگو نہیں کرتے تھے، لوگوں سے ملتے تو ان کی عمر اور ان کے مرتبے کا پورا لحاظ رکھتے ہوئے ملتے اور اسی انداز میں باتیں کرتے۔ کسی نا آشنا شخص سے بھی ان کی ملاقات ہوجاتی تو اسے نا آشنائی کا احساس نہیں ہونے دیتے۔ جب کوئی کسی سے ملاقات کرنے کی غرض سے جاتا ہے تو ایک عجیب سی کیفیت ہوتی ہے کہ کس طرح کلام کروں اور وہ کس طرح کا برتاؤ کریں گے۔ میں بھی جب پہلی بار حضرت کے پاس ملاقات کرنے گیا تو یہی کیفیت تھی کیوں نہ ہوتی کہ علم البحر سے ملاقات کرنی تھی، لیکن جب در پر حاضر ہوا تو ان کے لبوں پر ایسی مسکان پائی چہرہ پر ایسی شگفتگی اور خندہ پیشانی کی صورت ایسی پائی کہ ساری بے چینی رفع ہوگئی اور ایسا لگتا تھا کہ یہ پہلی ملاقات نہیں بلکہ برسوں کی وابستگی تھی، ہر شخص سے بڑے خلوص، اخلاق اور تواضع سے پیش آتے اور پہلی ہی ملاقات میں لوگوں کے دلوں پر اپنا دیرپا نقش چھوڑ جاتے۔ اسی بنیاد پر وہ علماء وعوام دونوں کے درمیان یکساں طور مقبول تھے۔

کثرت علایق وشدت عوایق میں بھی ثابت قدمی اور مثالی صبر واستقلال

کا بدرجہ اتم مظاہرہ کرتے ہوئے مسلک اہل سنت کے تحفظ اور آبیاری کے لئے حضرت قائد ملت نے عصر حاضر کے فتنہ خیز تحریکوں سے پیدا شدہ کتابی و خطابی حملوں کا مختلف سطحوں پر معرکہ خیز اور ہمت آزما طور مقابلہ کر کے اپنے مشن کو معانی ،نفوذ اور تاثیر سے شرمندہ تعبیر کیا۔ جبکہ اکثر نفس پرست علماء کا ایسے موقعوں پر گوشہ عافیت پر ہی اصرار رہتا ہے، لیکن حضرت نے ان تقاضوں کو پورا کرنے میں حالت پیری کو بھی آڑے آنے نہیں دیا۔

اوصاف حمیدہ سے انہوں نے لوگوں کے دل و دماغ میں ایسا گھر کر لیا تھا کہ بوقت وصال پورا کشمیر کرفیو و ہڑتال سے بند تھا، ہمسایہ ہمسایہ کے ہاں جانے سے ڈرتا تھا اس خوف کے ماحول میں بھی والہانہ اظہار کے طور پر ان کے جلوس جنازہ میں لوگوں کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر کبریت شریف اور تہلیلات کا ورد کرتے ہوئے اپنے قائد کو پرنم آنکھوں کے ساتھ الوداع کہہ رہا تھا۔

حضرت قائد ملت علیہ الرحمہ کی وفات حسرتِ آیات قوم کا خصوصاً اہل سنت و جماعت کا عظیم خسارہ ہے جس کی مستقبل قریب میں آج کل کے قحط الرجال کو سامنے رکھتے ہوئے تلافی محال دکھائی دیتی ہے، اللہ تعالیٰ حضرت کے درجوں میں بلندی عطا فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

☆☆☆☆

ایک روشن چراغ تھا نہ رہا

ابوطارق غلام نبی میر
ڈوروشاہ آباد
مرکزی سیکریڑی حمایت الاسلام)

علامہ سید محمد اشرف اندرابی جیسی شخصیت دہائیوں کے بعد کسی خطے کو اپنا آبائی وطن ہونے کا اعزاز بخشتے ہیں، جنوبی کشمیر کے ایک تاریخی گوشہ جڈورہ پلوامہ میں خاندان اندربیہ میں شعور کی آنکھ کھولی اور محض دس برس کی عمر میں ہی اپنے علمی سفر کے لئے زادراہ باندھ لیا۔علامہ اندرابی کا غیر معمولی علمی تحقیقی ادبی اور دعوتی سفر کشمیر سے متحدہ ہندوستان کی ریاست پنجاب کے گجرانوالہ جواب پاکستان کا حصہ ہے، سے گزرتا ہوا برصغیر کی عظیم دانش گاہ دارالعلوم دیوبند پر محیط ہے۔لیکن اس کے باوجود مرحوم نے اپنی قرارگاہ کے لئے وطن عزیز کشمیر کی ہی انتخاب کیا۔

ہزار قافلہ شوق می کشد شب گیر
کہ بار عیش کشاید بہ خطہ کشمیر

ظاہر ہے کہ اس جامع ہستی کی تاریخ درحقیقت علوم وفنون کی تاریخ ہے جسے لکھنا کسی جامع العلوم عالم ہی کا کام ہوسکتا ہے، تاہم کسی محبوب کی تاریخ چونکہ محض علم ہی کا تقاضا نہیں ہوتی بلکہ عشق ومحبت متقضی بھی ہوتی ہے، اور عشق

کے لئے مہارت علوم ضروری نہیں عقیدت ومحبت کا جوش وجذبہ ہی کافی ہے، اس لئے میں نے بھی تاثرات رقم کرنے کی جسارت کی ہے، مرحوم نے علوم و فنون کے لئے ماضی قریب کے محدث، علامہ حسین احمد مدنی رحمتہ اللہ علیہ کی رہبری میں اپنی ذہن سازی کی، جبکہ روحانی پروازوں کے لئے اپنے پیرِ بے نظیر حضرت سید شاہ محمد اندرابی کرالہ پوری کا دامن ہاتھ میں لیا۔ اس کا تذکرہ مرحوم نے اپنی تحریر میں بھی کیا ہے۔

دماغ کے لئے دل کی نظر ضروری ہے
کوئی بھی گھر ہو، ہو کا گزر ضروری ہے۔

مرحوم کے تعلقات برصغیر کے کئی اہم علماء کرام سے رہے جن میں خاص طور پر مولانا علی میاں ندوی قابل ذکر ہے علامہ مرحوم کے رشحات قلم آبگینوں نے ہمیشہ ملی اتحاد کے درخت کی آبیاری کی ہے، ان کی حقیقی تاریخ ایک پیروں چلتی تاریخ ہے جو ان کے تلامذہ اور مآثر علمی کی صورت میں ہمہ وقت دائر وسائر نمایاں اور چشم دید رہتی ہے، وادیٔ کشمیر میں گذشتہ چھ دہائیوں میں کئی علماء و فضلا پیدا ہوئے اور اپنے نورانی آثار اس خطہ کے لئے چھوڑ گئے لیکن علامہ مرحوم جیسی ہستیاں معدودے چند ہیں جن کا فیض محبوبیت عام قلوب کی امانت ہو اور جن کے علم کے ساتھ ساتھ عمل سے بھی عوام نے استفادہ کیا ہو۔ علامہ کی ہستی انہیں مبارک اور معدودے چند ہستیوں میں سے ایک ممتاز ہستی ہے، جو دہائیوں میں پیدا ہوتی ہے اور مدتوں کو علم وفضل سے رنگیں کر جاتی ہیں، مرحوم کی حیات کا جب بغور جائزہ لیا جائے تو میں ایک طالب علم کی حیثیت سے یہ کہنے میں جسارت کرسکتا ہوں کہ علامہ کا علم اگر متقدمین کی یاد تازہ کرتا تھا تو ان کا عمل سلف صالحین کو زندہ کئے ہوئے تھا۔ اور اسوہ سلف کے لئے نمونہ ساز

تھا۔راقم کی بالمشافہ ملاقات، وفات سے چند ماہ قبل ہوئی۔سفید داڑھی اور سفید روایتی کپڑوں میں ملبوس تھے اور پل بھر میں ایسا محسوس ہوتا رہا کہ باغ نشاط کے کسی قدآور سرو کو برف کی چادر سے ڈھک لیا گیا ہو۔علامہ ہمیشہ کہتے کہ علمی اختلاف سے تحقیق کی دنیا آباد ہے اس پر نہ سیخ پا ہونا ہے اور نہ ہی نفرت کو اپنی نفسیات کا محور بنانا ہے، مرحوم اس بات پر یقین رکھتے تھے کہ دماغ کے اختلاف کو دل کی دوری کا سبب نہیں بننے دینا چاہئے جو اس وقت امت مسلمہ کے اتحاد کے لئے بنیادی اصول ہونا چاہئے۔وہ خوب سمجھتے تھے کہ قلم کہاں زخم بنتا ہے اور کہاں پھول کھلاتا ہے، اس لئے مرحوم ہمیشہ کسی شخصیت کے بجائے نظریہ پر ہی بات کرنا مناسب سمجھتے تھے۔، اللہ تعالیٰ نے ان پر فکر ونظر کی راہیں کھول رکھی تھیں اور ہمیشہ اپنے اشغال میں ڈوبے رہتے تھے،طبعیت میں غلامی نہیں تھی اور محفل ہوتی تو گلفشانی گفتار کا میدان انہی کے ہاتھ ہوتا۔کبھی اپنے قلم کو کشکول نہیں بنایا۔ بہر حال مورخہ ۹/ جولائی ۲۰۱۶ء کو داغ فراق صحبت شب کی جلی ہوئی۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ یہ شمع ہمیشہ کے لئے خاموش ہوگئی۔

☆☆☆

مولانا سید محمد اشرف اندرابی صاحب مرحوم

عبدالرحیم زڈورہ

نگاہ بلند سخن دلنواز جاں پرسوز
یہی ہے رختِ سفر میر کارواں کے لئے

۹ راگست ۲۰۱۶ء منگل کے روز ہمارے گاؤں زڈورہ (پلوامہ) کی ایک پُر جہت اور عظیم المرتبت شخصیت جناب مولانا محمد اشرف اندرابی صاحب اس جہاں فانی سے بھرپور اور فعال زندگی گزار کر ہم سے بچھڑ گئے اور عالم بقا میں جا پہونچے، انا للہ وانا الیہ راجعون، راقم آپ کے پاس پڑوس میں رہا۔ پلا بڑھا آپ کو نزدیک سے دیکھا آپ کا کہا سنا اور آپ سے متعلق اوروں کے تاثرات سے بھی واقف رہا۔ یہی کچھ سپرد قلم کر کے انکے تئیں اپنی عقیدت کا تھوڑا سا حق بجالانے کی حقیر سی سعی کرتا ہوں۔

از دل خیزد بر دل ریزد

مولانا صاحب مرحوم اوصاف حمیدہ کا ایک مرقع تھے، طبعاً خوش اخلاق، شیریں زبان، حلیم الطبع، ملنسار، نیک دل، لطیف الحسن، مجلس آرا ہونے کے ساتھ ساتھ نفاست پسند اور خوش پوش صاحب ذی شان تھے، جب لب کشائی فرماتے تو معنی آفرین کلام سے قلب روح کو فرحت ملتی تھی، آپ کا طرز تکلم شستہ، شایشہ دل پزیرا اور عالمانہ ہوتا تھا، مٹھاس بھرے لہجے سے کسی بھی مسئلے

کی گرہ کشائی کوئی آپ سے سیکھتا۔ خندہ پیشانی اور لبوں کی مسکراہٹ آپکی طبعیت ثانیہ تھی۔ خورد و نوش کی عادتیں اور مہمان نوازی میں مثال تھے۔ آپ ایک سیر چشم مرد قلندر کی حیثیت سے ہر ملاقی کے لئے باعث دل جمعی ہوا کرتے تھے، امیر و غریب میں کوئی فرق نہ بھرتتے تھے۔ اسطرح جذبہ مساوات میں پختہ دیندار رتھے، مولینا صاحب ایک عالم باعمل تھے۔ اور عالموں کے قدر دان تھے، وسیع النظر اور صبر و تحمل کا پیکر تھے حب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کی رگ میں بسا تھا۔ ذرا بھی گستاخی اور بے ادبی اس معاملے کی آپ کو رنجیدہ کرتی تھی قول و فعل اور قلم سے دلیل و برہان کے ساتھ اپنے نظریہ کا دفاع کرنے میں ہمیشہ سرخیل کارواں رہے۔ آپ مخاصمت سے بے زار اور مفاہمت کے داعی رہے۔ اپنی فکر سے کبھی پیچھے نہ ہٹے بلکہ مستعدی کے ساتھ اس پر مستحکم رہے۔

لوٹ آئے جتنے فرزانے گئے
تا بمنزل صرف دیوانے گئے

مولینا صاحب کی مبلغانہ صلاحیتوں اور وسیع مطالعہ کے سب قائل تھے، آپکی تقریر میں متانت، وذن، اور زور ہوتا تھا لیکن شور نہیں،۔ اعلیٰ پایہ کے صوفیائے کرام، فارسی اور اُردو شعرا کے کلام اور اشعار کے برمحل استعمال سے انکی تقریر بہت دلچسپ اور موثر بنتی تھی۔ مولوی صاحب کا قوت حافظ بہت ہی مضبوط تھا جو آپ میں تا دم باز پسیں قائم رہا۔ بڑی بڑی دینی تقاریب میں جب آپ کشمیری یا اردو زبانوں میں خطاب فرماتے تھے تو ان کو داد و تحسین ملتی تھی۔

مولانا صاحب نے دینی خدمات کا بھیڑا اٹھایا تھا۔ مسجد کی تعمیر اور درسگاہوں کے قیام میں ہمیشہ سرگرم عمل رہے تھے۔ اس مقصد میں توکل کے

سرنہاں سے بہت کام یاب رہے،آپ نے اس سلسلے میں جو شمعیں روشن کیں وہ چمکتی رہیں گی اور انکی ضیا پاشی قائم ودائم رہ کر آپکے لئے یقیناً ثواب وصدقہ جاریہ ہیں۔

مولٰینا سید محمد اشرف صاحب کو زورِ قلم اور قوتِ تحریر میں بھی ایک امتیاز حاصل تھا، رموز و کنایہ اور سلیس زبان میں سنجیدہ مسائل کی گرہ کشائی کرنا آپکی علمی اور ادبی وسعت کا اظہار ہوا کرتا تھا۔آپ کے دینی ،سماجی اور کبھی کبھی سیاسی صورت حال کے مضامین بھی رسائل کی زینت بنتے تھے،ان مضامین کا مدعاو مقصد اسلام کی خدمت ہی تھا۔ التبلیغ رسالہ میں دیر تک آپ کے مضامین شائع ہوتے رہے۔المصباع رسالہ آپکی کاوشوں کا ثمر گراں مایہ ہے، جس کے آپ تادم حیات نگران اور مدیر اعلیٰ تھے۔شاہ ہمدان میموریل ٹرسٹ پانپور اور دارالعلوم مونگہامہ پلوامہ آپ کی خواہش گراں قدر اور محنت و استقلال کی نمایاں مثالیں ہیں۔مولانا صاحب مرحوم کی زیرتربیت کئی ایک مضامین نگار اور بہت اچھے مقرر حضرات پیدا ہوئے جو میدانِ عمل میں موجود ہیں جو مولانا صاحب کے مشن کو آگے بڑھانے کی پوری صلاحیتوں سے مزین میں نعت نویس حضرات آپ سے اصلاح لیتے تھے اور خود انہوں نے عشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سوز دروں کو نعتوں کی شکل میں اظہار کیا ہے۔درس قرآن اور درس حدیث کے انمول خطابات آپ کے علم وفضل کے گواہ ہیں، جو ریکارڈ بھی ہوئے ہیں اور شائقین کو منور کرتے رہیں گے۔مولٰینا صاحب کتابوں کے شوقین تھے اور بضرورت مطالعہ میں مگن رہتے تھے۔آپکی ایک اچھی خاصی لائبریری ضرور ہوگی جس کی حفاظت اور استفادکرنا یا کروانا آپ کے ورثاء اور قریبی معتقدین کی ذمہ داری ہے۔

مولانا سید اشرف صاحب اپنے اندر ایک انسٹیچوشن اور تجربہ گاہ تھے۔ آپ یہاں زڈورہ میں جیئے تھے لیکن بچپن میں اپنے پیرومرشد دادا جان سید احمد اللہ اندرابی صاحب کی معیت اور صحبت میں گجروانوالہ پنجاب میں پلے بڑھے اور وہیں سے عالم و فاضل بنے۔ پھر تقسیم ملک کے بعد واپس آئے اور یہاں جناب شیخ صاحب نے آپ کو مدرس بھرتی کیا۔ یہ ۱۹۵۲ء کا سال تھا۔ اور شیخ صاحب کو پکھر پورہ روڑ کا افتتاح کرنا تھا۔ آپ نے لنچ کے لئے قیام یہیں فرمایا تھا جہاں اس وقت مولانا صاحب آباد رہے۔ آپ نے ملازمت ویری ناگ میں شروع کی۔ ۱۴ر سال تک وہاں رہے پھر ملازمت سے سبکدوش ہونے تک ہائر سیکنڈری پلوامہ میں اپنا فرض منصبی انجام دیتے رہے۔

گجرانوالہ میں اور پھر یہاں بلند پایہ علماء اور دوسری شخصیات سے اٹھنا بیٹھنا ہوا تھا صحبت صالح ترا صالح کند۔ آپ کا اٹھنا بیٹھنا اوڑھنا بچھونا علم دین رہا۔ عالم سے علامہ کے لقب سے یاد کئے جاتے تھے۔ جو ہر لحاظ سے بجا تھا۔ وہی لکھا جو سچ ہے، کوئی مدح سرائی نہیں نہ میں اس کا قائل ہوں۔

جناب مولانا صاحب شان سے جیئے اور شان عظمت کے ساتھ وہ رخصت بھی ہوئے اور واصل حق ہونے کے ابدی اور آخیری پیالہ کو نوش فرمایا۔ واہ! کیا ہی پرکشش بزرگ اور برگزیدہ شخصیت تھے۔

خدائے رحیم و کریم آپ کو جوارِ رحمت میں جگہ دے آمین۔

☆☆☆

ترکشِ مارا خدنگِ آخرین

(شوکت حسین کینگ
سابقہ پرنسپل حنفیہ عربی کالج نور باغ

برصغیر عظیم المرتبت سیاسی و مذہبی قائد جناب رئیس الاحرار مولانا سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری علیہ الرحمہ فرماتے تھے 'کہ انتقال کے بعد ہر خاص و عام کا رتبہ بڑھ جاتا ہے، اور عظیم شخصیت ''صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' نہ سہی (معاذ اللہ) البتہ علیہ السلام کے رتبہ پر فائز ہوتی ہے۔'

اہل کشمیر اس عمل میں سب سے آگے ہیں علامہ اقبالؒ نے یہی نظر شعر میں اسی جانب اشارہ کیا تھا۔

کشیر ے کہ بابندگی خو گرفتہ
بتے مے ترا شد زسنگ مزار ے

حضرت علامہ سید محمد اشرف صاحب اندرابی علیہ الرحمہ کی بلند پایہ علمی شخصیت بعد انتقال 'ایسے بعد مرگ ایوارڈ کی محتاج نہیں ہے، امیر شریعت مفسر قرآن علامہ الوریٰ حضرت مولانا سید محمد قاسم شاہ صاحب بخاری رحمتہ اللہ علیہ نے آج سے تقریباً تیس سال قبل تحریر اور تقریر بالخصوص اپنی وقیع علمی کتاب 'انفاس قدسیہ' میں اعتراف کیا تھا کہ کشمیر کے علماء سابقین کے قافلہ سخت جان میں بس یہی ایک شخصیت یعنی اشرف صاحب باقی ہے اور خاکسار

نے بھی چند سال قبل اپنی دو کتابوں کا انتساب بنام حضرت موصوف تحریر کر کے بالترتیب علامہ اقبالؒ کی روح سے معذرت کے ساتھ عنوان بالا کا مصرعہ

ترکش مارا خدنگ آخرین

اور

اٹھ گئے ساقی جو تھے میخانہ خالی رہ گیا
یاد گار بزم دہلی ایک حالی رہ گیا

والا شعر قلمبند کیا تھا۔ ہوسکتا ہے علامہ بخاری مرحوم اور خاکسار کے ان خیالات کو کوئی طویل رفاقت کے ثمرہ پر محمل کرے۔ مگر گذشتہ سال مولانا کے انتقال پر ملال سے چھ مہینے قبل حضرت مولانا رحمت اللہ میر قاسمی نے دارالعلوم رحیمیہ میں جو سہ روزہ عظیم علمی سمینار منعقد کیا تھا جس میں راقم الحروف کے علاوہ حضرت علامہ پروفیسر میر محمد طیب کاملی پرنسپل مدینۃ العلوم حضرت بل وامام خطیب درگاہ نقشبند خواجہ بازار سرینگر بھی مدعو تھے اس میں برصغیر کے بلند پایہ علماء کرام ومفتیان عظام کے سامنے بطورِ خطبہ استقبالیہ میں حضرت مولانا اندرابی صاحب کا ذکر خیر کر کے باوجود علمی اختلافات ان کی عظمت کا اعتراف حق کیا۔ اور بعد وصال جملہ مکاتب فکر وارباب سیاست خاصکر جناب سید علی شاہ گیلانی صاحب نے آپ کے سانحہ ارتحال کو نقصان عظیم سے تعبیر کیا۔ اور میر واعظ کشمیر مولانا محمد عمر فاروق صاحب نے علامہ مرحوم کو کاروان سابقین کا آخری فرد قرار دیا۔

الفضل ما شهدت به الكرام

مولانا مرحوم کا سیاسی موقف:۔

مولانا سید محمد اشرف صاحب اندرابی ریاست جموں و کشمیر کی مکمل

آزادی کے خواہاں تھے۔ اگرچہ آپ نے علماء دیوبند میں ان حضرات سے اکتساب علم کیا تھا جو کانگریس کے زبردست حامی تھے میری مراد یہاں حضرت مولانا محمد چراغ (گوجرانوالہ) مصنف عرف شذی (عربی شرح جامع ترمذی) اور حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند سے ہے۔، اور جن حضرات حامی نظریہ پاکستان کے قریب آپ رہ چکے تھے ان ہی حضرت شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی اور حضرت امیر ملت حافظ پیر سید جماعت علی شاہ صاحب علی پوری نقشبندی قابل ذکر ہیں۔ ۱۹۴۷ء تک اندرابی صاحب نظریہ پاکستان کے حامی تھے اگرچہ جمعیت علماء ہند (یونٹ گجرانوالہ) کے مقامی صدر تھے۔ چنانچہ میں نے حضرت مولانا حفظ الرحمٰن سیوھاروی سابق پارلیمنٹ ممبر و جنرل سیکریڑی جمعیت علماء ہند کا وہ مکتوب گرامی بچشم خود ملاحظہ کیا تھا جس میں جمعیت کے گوجرانوالہ یونٹ کو مضبوط کرنے میں آپ کے خدمات کا اظہار تشکر تھا۔ لیکن پاکستان کی سلطنت میں ۱۹۴۷ء کے بعد ارباب سلطنت نے ملک کو اسلامی مملکت قرار دینے میں لیت ولعل کیا۔ تو سب سے پہلے علامہ شبیر احمد عثمانی بددل ہوئے۔ اندرابی صاحب نے فرمایا کہ علامہ عثمانی نے فیصلہ کیا کہ میں سارے ملک کا دورہ کر کے اسلامیان پاکستان کو آگاہ کروں گا کہ آپ کو اسلام کے نام پر گمراہ کیا گیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ علامہ عثمانی کو زہر دے کر شہید کر دیا گیا، اور تعجب کی بات یہ ہے کہ محمد علی جناح صاحب نے جس حضرت سید پیر جماعت علی شاہ صاحب کو امیر ملت کے لقب سے ملقب کیا تھا انکا دائرہ حیات تنگ کیا گیا اور انکم ٹیکس کے نام پر بار بار چھاپہ ڈال دیا گیا یہاں تک کہ پیلی بیت (یوپی۔ ہندوستان) کے ایک شاعر نے مرثیہ لکھا جس کا مقطع یہ تھا۔

جھلستے ہوئے ریگ زاروں کی خاطر
مہکتے ہوئے گلستان چھوڑ آئے

شاعر ملتان جیسے گرم علاقہ میں مہاجرت کے ایام نظام مصطفیٰ کے آرزو میں بسر کررہا تھا، حکومت کے کارندوں نے فیصلہ کیا کہ شاعر کو پھانسی دی جائے مگر سخت گیر صدر محترم جنرل محمد ایوب خان نے مخالفت کی اور کہا آخر ہم دنیائے انسانیت کو کیا جواب دیں گے۔

۱۹۵۱ء کے اوائل میں قبلہ اندرابی صاحب ایک نجی معاملہ میں مداخلت کی غرض سے واردِ کشمیر ہوئے۔ یہاں آپ جاسوسی الزام میں گرفتار ہوئے اور آپ پر مقدمہ چلایا گیا چندروزہ گرفتاری کے بعد ضمانت پر رہا ہوئے۔ مگر یہ ایک حقیقت ہے کہ گھریلو معاملہ کے ساتھ ساتھ آپ ایک خصوصی مشن پر کشمیر آئے تھے۔ اور آپ نے اس سلسلہ میں کپواڑہ (کشمیر) کے سرحدی گاؤں گزریال کا خفیہ دورہ کیا تھا۔ اور جناب پیر ضیاء الدین صاحب اور جناب قطب الدین صاحب قریشی مرحومان کے ساتھ ملاقی ہوئے ان کے شدید اصرار پر تیسرے روز جب زیارت حضرت بابا عبداللہ گزریالی (خلیفہ خاص حضرت بابا نصیب الدین غازی) کی جامع مسجد میں بعد نماز فجر خطاب فرمایا۔ محکمہ سی آئی ڈی نے گورنمنٹ کو مطلع کیا۔ جیسا کہ اوپر ذکر ہوا کہ آپ کو پابند سلاسل بنایا گیا۔ زبردست خاندانی اثر ورسوخ کی بناء پر بہت جلد رہائی ممکن ہوئی۔ اور آپ جان گئے کہ اب پاکستان واپسی کا کوئی راستہ ہی نہیں، لیکن مقدمہ قائم تھا ادھر آپ آئندہ زندگی گذارنے کے سوچ میں پڑ گئے۔ والد ماجد حضرت مشیخت پناہ میر سید محمد امین اندرابی قادری علیہ الرحمہ نے فاذا درتم باالامور فاستعینوا الاھل القبرہ کے قائدہ ارباب سلوک کے

تحت چرار شریف حضرت شیخ العالم شیخ نورالدین نورانی رحمتہ اللہ کی درگاہ پر جانے کا حکم صادر کیا۔ان دنوں آپ بقول خود گلابی وہابی تھے لیکن وہاں جو واقعہ درپیش آیا وہی بنیادی طور اس مشرب میں آنے کا سبب بنا جس مشرب کے آپ آخری ایام میں زبردست وکیل بن گئے۔

چند ایام کے بعد جناب شیخ محمد عبداللہ مرحوم مرزا محمد افضل بیگ کے ساتھ بسلسلہ عرس پاک حضرت شیخ العالمؒ براستہ جڈورہ پلوامہ چرار شریف روانہ ہوئے۔آجکل جہاں اندرابی صاحب کا موجودہ رہائش گاہ ہے، وہاں جنت نظیر پر جھرمٹ چشمہ ہا وابشار خط کا ملاحظہ کر کے گاڑی سے نیچے اتر آئے اور وہیں ظہرانہ نماز کا ضمنی پروگرام بنایا۔الغرض اسی دوران اندرابی خاندان کے حضرات نے معاملہ مذکورہ یعنی مقدمہ جاسوسی ان کی نوٹس میں لایا۔آپ نے ماسٹر ولی ملک (جو بعد میں محاذ رائے شماری کے بے تاج بادشاہ تھے) اور اشرف صاحب کے استاد بھی رہ چکے تھے سے استفسار کیا۔شیخ صاحب اور بیگ صاحب نے مقدمہ خارج کرنے کا حکم دیا۔اور علمی قابلیت کی بنا پر محکمہ تعلیم میں آپ کی تقرری کر دی۔اور سیکریڑی کو آرڈر نکالنے کا حکم دیا۔

اس میں نہ کوئی قباحت ہے اور نہ کوئی طعنہ زنی یا کردار کشی، شیخ صاحب وزیر اعظم ہونے کے ساتھ ساتھ وزیر تعلیم بھی تھے۔ان دونوں پبلک سروس کمیشن، ریکروٹمنٹ بورڈ وغیرہ کارستانی نہیں ہوتی تھی۔باقی کسی صاحب کی ملازمت بغیر درخواست آسمان سے موصول نہیں ہوتی ہے۔باقی آپ شیخ صاحب کے پاس نہیں گئے بلکہ اتفاقاً ایسا ہوا۔۱۹۵۳ء میں شیخ صاحب موحوم معزول کئے گئے۔اہل کشمیر کیا اہل پاکستان کی تمام تر ہمدردیاں ان کے ساتھ ملحق ہوئیں۔بیگ صاحب نے ۱۹۵۵ء میں محاذ رائے شماری کا قیام عمل میں

لایا۔ ماسٹر ولی ملک پلوامہ میں اس محاذ کے بقول اندرابی صاحب بے تاج بادشاہ بن گئے۔ ان کا مقام اتنا بلند تھا جب ۱۹۷۵ء میں بیگ صاحب نے محاذ کو دفنایا۔ تو آخری خطبہ صدارت میں صرف ہزاروں مرحومین میں ماسٹر ولی ملک اور پیر مقبول صاحب ویلگامی کو نام لیکر خراج عقیدت ادا کیا۔ اشرف صاحب کی جملہ ہمدردیاں محاذ کے ساتھ تھیں لیکن جب ماسٹر ولی ملک نے پوست ہائی قربانی کی مستحق اسی تنظیم کو قرار دیا تو اندرابی صاحب نے ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ اور اسے منافی شریعت قرار دیا۔ ماسٹر ولی ملک صاحب مرحوم، حضرت علامہ سید غلام مصطفیٰ صاحب اندرابی (المتوفی یکم جمید الثانی ۱۴۱۲ء) اورسورگ باشی مادھورام جوحصول تعلیم دور اول کشمیر میں استادرہ چکے تھے۔ بعد میں موصوف نے میٹرک پاس کے بعد جامعہ عربیہ گوجرانوالہ میں عربی علوم کے اکتساب کے داخلہ لیا تھا۔ اور تکمیل دارالعلوم دیوبند میں کی تھی۔

۱۹۷۵ء میں سقوط ڈاکہ کے بعد شیخ صاحب اور بیگ صاحب واپس ہندوستانی قومیت کے دائرے میں آ گئے۔ انجمن تبلیغ الاسلام جموں وکشمیر نے حضرت علامہ بخاری کی صدارت وقیادت میں شیخ صاحب کا ساتھ دیا۔ تنظیمی ڈسپلن برقرار رکھنے کے لئے آپ خاموش رہے۔ بخاری صاحب مولانا محمد سعید مسعودی کی شہ پر اورینٹل کالج زیر اہتمام نصرت الاسلام کے عہدہ پرنسپل سے برخاست کئے گئے۔ اندرابی صاحب نے اس حمایت بے جا کو ''گناہ بے لذت'' سے تعبیر کیا۔ لیکن انجمن سے ناطہ نہیں توڑا۔

حسن اتفاق سے سرینگر ٹائمز کے ایڈیٹر نے اخبار کومقبول بنانے کے لئے ایک تحریری عربی مشاعرہ کا اہتمام کیا میر غلام رسول نازکی مرحوم کی قیادت میں ایک بورڈ تشکیل دیا گیا، مشاعرہ اس پایہ کا تھا کہ پروفیسر جگن ناتھ آزاد

جیسے ماہر اقبالیات نے بھی اپنا کلام ارسال کیا لیکن اس شرط کے ساتھ کہ اسکو مقابلہ یعنی انعام کے لئے منتخب نہ کیا جائے۔طرح علامہ اقبال کا یہ مصرعہ تھا۔

مجھے آہ و فغان نیم شب کا پھر پیام آیا

پروفیسر جگن ناتھ آزاد کی غزل کا ایک شعر مجھے آج تک یاد ہے۔

میرے حق میں کہا اقبال نے حالیؔ سے جنت میں
یہی اک کافر ہندی مسلمانوں کے کام آیا۔

حضرت علامہ سید محمد اشرف صاحب اندرابی نے بھی مقابلہ کے لئے انہیں غزل بھیج دی۔اور موقعہ غنیمت جان کر' اندرا شیخ ایکارڈ' اور شیخ صاحب و بیگ صاحب پر زبردست چوٹ کی ، حضرت مولانا عاصمؔ تخلص کرتے تھے۔ غزل کے آخری دوشعریوں تھے پہلے شعر میں جملہ قیادت اور آخری شعر میں شیخ صاحب کی زبردست سرزنش کی گئی تھی۔

نہ پوچھ ان کام کاران محبت کی ہوس ناکی
یہ نادان گر گئے سجدوں میں جب وقت قیام آیا
وہ جس کی وضع داری پر ہمیں بھی ناز تھا عاصمؔ
وہ خود ہین اک ادائے دلربا سے زیر دام آیا

تمام غزلیات میں اندرابی صاحب کی غزل مقابلہ میں انعام اول کی مستحق قرار دی گئی۔ جب کہ جناب سلطان الحق شہیدی دوسرے انعام کے لئے منتخب کیئے گئے ، مدتِ مدید تک پوری وادی میں ان اشعار کا چرچا رہا، علامہ بخاری مرحوم بھی اس کلام سے بہت متاثر ہوئے اور ایک غزل طنزیہ شعر قلمبند فرمایا۔

بارك الله قائد الكشمير اضحیٰ صادقاً
الذی ماکان وعد لرجال خاطباً

جس کی پوری روداد میں نے سیرۃ البخاری میں قلمبند کی ہے۔

بہرکیف ۱۹۷۷ء میں جب جنتا پارٹی ہندوستان میں برسر اقتدار آ گئی اور ساتھ ہی بعد میں کشمیر میں ۱۹۸۸ء کے الیکشن کا بگل بج گیا۔ انجمن تبلیغ الاسلام جموں و کشمیر نے شیخ صاحب کی حمایت کا اعلان کر دیا۔ ڈاکٹر محمد رمضان (جنرل سکریڑی) جناب مولانا محمد مبارک سوپور، جناب مولانا غلام نبی قریشی، جناب چودھری گلزار صاحب، گوجر لیڈر جموں وغیرہ تقریباً دو سو اراکین نے انجمن سے استعفیٰ دے دیا۔ لیکن قبلہ اندرابی صاحب نے بخاری صاحب کا ساتھ دیا۔ محض اس لئے کہ کشمیر اور کشمیریت کے لئے یہی قدم موزون ہے۔ جناب قاضی غلام محمد میر واعظ جنوبی کشمیر جناب مولانا غلام رسول امام بجبہاڑہ جناب مفتی اعظم سوپور مولانا غلام حسن صاحب وغیرہ ہم نے بھی اس فیصلہ میں بخاری صاحب کا ساتھ دیا۔ جناب قبلہ اندرابی صاحب نے شہید ملت مولانا محمد فاروق میر واعظ کشمیر کو جنتا پارٹی کی حمایت سے باز رکھنے کی سرتوڑ کوشش کی۔ لیکن شہید ملت نے ایک نہ مانی۔ لیکن جب انتخابات کے نتائج سامنے آئے تو قبلہ اشرف اندرابی صاحب کے سامنے اپنی پشیمانی کا رونا رویا بعد میں انجمن کے فیصلہ پر شیخ صاحب مرحوم نے حنفیہ کالج کا سنگ بنیاد نصب کیا۔ آپ نے مرکزی پالسی کی حمایت کی، اگر چہ اس فیصلہ کے خلاف بھی چند عہدیدار مستعفی ہوئے جن میں الحاج غلام حسن خان سابق چیف انجینئر مرحوم قابل ذکر ہیں۔ بایں ہمہ گورنمینٹ کے فیصلہ جات کے خلاف آپ ہمیشہ برہنہ تلوار تھے، جب گورنمنٹ نے شراب بل پاس کی تو آپ نے

مرحوم مولانا غلام محی الدین عازم کو اسکے خلاف رسالہ لکھنے کی ترغیب دی۔ عازم صاحب مرحوم نے 'کیا شراب حلال ہوگئی ہے' کے نام سے رسالہ ضبط تحریر کیا آپ نے تقریظ لکھ ڈالی اور اسکی ہزاروں کاپیاں مفت تقسیم کی اور جگہ جگہ زبردست احتجاج کیا۔ برصغیر ہندو پاک کا بار بار دورہ کر کے خصوصاً مملکت خداداد پاکستان کا دورہ کرتے آپ اسی نتیجہ پر پہنچتے تھے کہ ریاست جموں وکشمیر بشمول آزاد کشمیر ایک الگ ریاست کا قیام بہتر ہے۔ گذشتہ دنوں جناب سید علی گیلانی صاحب اور میر واعظ کشمیر مولانا عمر فاروق صاحب نے بھی ۱۹۴۷ء کی پوزیشن بحال کرنے کی مانگ کی۔ اخبارات میں ان کے بیانات پڑھکر مجھے یاد آیا: قلندر ہرچہ گوید دیدہ گوید۔ باقی آپ کو سیاسات عالم پر کتنا عبور تھا اس پر مقالات اندرابی گواہ ہیں۔

سفینہ چاہئے اس بحر بیکراں کے لئے
یار زندہ صحبت باقی

☆☆☆

چھوڑ کر آپؒ سارا جہاں چل دیئے

محمد یوسف میر

مجھ ناچیز کے پاس ایک کتابچہ ہے جو غالباً ۷۳۔۱۹۷۴ء سے میرے پاس محفوظ ہے اور اسے بطور تبرک کی ہی نظر سے دیکھتا ہوں، نو اوراق کا یہ چھوٹا موٹا کتابچہ بعنوان 'گلدستہ سلام' بحضور خیر الانام علیہ وعلی آلہ واصحابہ الصلوٰۃ والسلام۔ ان دنوں کی یاد دلاتا ہے جب حضرت جب بحیثیت میر واعظ و بانی اوقاف جامع مسجد ویری ناگ شاہ آباد کشمیر تھے اور وہاں پر ایک مدرس کے فرائض بھی انجام دیتے تھے، میرے خیال میں یہ اُن کے ذوق طبع آزمائی کا ابتدائی دور تھا، ایسا لگتا ہے عشق نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے رگ و پے میں عطیہ الٰہی و نعمت ربانی جوانی کی دہلیز پر قدم رکھتے ہی تھا، بریں بنا ان کا سب سے عظیم وصف عشق رسالت مآب اور تصلب فی الدین ہے جو ایک مومن کامل کے لئے سرمایہ افتخار اور تمغہ امتیاز ہے، خیر۔۔۔ بات یہ ہے اس کتابچہ میں صاحب موصوف نے ابتدائیہ چند حمدیہ اشعار کو صفحہ قرطاس کیا ہے، میں یہاں پر ان کا اعادہ کر رہا ہوں تا کہ حمد باری تعالیٰ سے آغاز کلام ہو سکے۔

حمد

حمدت الله حمد الشاکریں
وار جو الله رب العالمین

حمد ساری تس خدایس یس چھو رب العالمین
یم بنووس، داغدار رحمۃً للعالمین
خالق کل، مالک کل وحدہ سوی لا شریک
سوئی سزاوار عبادت سوی چھ خیر الناصرین
تس منگان عاصم چھو پرتھ کارس اندر توفیق حق
تس اتھے قوت چھ ساریٰ سوی چھ سلطان مکین

میرے ذہن میں حضرت علامہ موصوف اشرف صاحب علیہ الرحمۃ کی خطابت کا ایک واقعہ یاد آتا ہے جو غالباً ۱۹۷۴ء مارچ۔اپریل میں پیش آیا۔ یہ ان کے خطابت کے ابتدائی دور کی بات ہوگی۔قصبہ سوپور میں انجمن تبلیغ الاسلام جموں وکشمیر کے زیر اہتمام عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ریاستی سطح پر جلسہ میلاد النبی منعقد ہوا، اسمیں ریاستی سطح کے علاوہ بیروں ریاست کے علمائے دین بھی شامل حال تھے۔محترم مولانا قاسم شاہ بخاری صاحب اس کانفرنس کے روح روان تھے اور مولولانا صاحب جیسے اکابرین کانفرنس کے پروانے تھے۔مولوی صاحب کی بدولت ہماری (میں ناچیز اور ماموں زاد بھائی اصغر صاحب) اس کانفرنس میں شمولیت ممکن ہوئی اور لگ بھگ ہر بڑے عالم سے دست بوسی اور شرف زیارت نصیب ہوئی۔اگر چہ ہم ابھی طفل ابجد کے دور سے ہی گذر رہے تھے۔جلسہ میلاد کی پہلی نشست مسجد امیر کبیرؒ قصبہ سوپور میں بعد نماز فجر منعقد ہوئی۔درس قرآن سے محفل میلاد کا آغاز ہوا۔مرحوم بخاری صاحبؒ نے اندرابی صاحب کو حاضرین وسامعین کے سامنے متعارف کیا۔ اور فرمایا کہ اس قافلے انجمن تبلیغ الاسلام میں آپ حضرات کو بڑے بڑے علمائے دین کی زیارت ہوگی۔اندرابی صاحب منبر شریف پر جلوہ افروز

ہوئے۔جسمانی لحاظ سے کمزور اور ضعیف لگتے تھے۔لیکن زبان کھولتے ہی حمد وثنا کے ساتھ ساتھ صلوٰۃ والسلام سے سورہ النساء رکوع آٹھ کی تلاوت شروع کی۔تلاوت کا ان کا مخصوص جداگانہ انداز بیان تھا۔شیرین زبان سے ہر ایک کو، کیا بڑے کیا چھوٹے کیا عالم کیا عامل رس گھولتے، ایسا لگتا تھا کہ جدائے ذوالجلال نے سامعین کے سروں پر جانوروں کا جھنڈ بٹھایا۔لوگ داد دیتے رہے۔عش عش کرنے لگے۔وجد میں آگئے۔وقفے وقفے پر اللہ اکبر۔سبحان اللہ، یارسول اللہ سے محفل مجلس میلاد شادماں وخراماں ہوگئی۔وقت گزرتا رہا۔لوگ مسجد سے باہر آنے کو بھول گئے۔صبح کے ناشتہ کو چھوڑ گئے۔دو گھنٹے گذر گئے، چار بھی پار کر گئے۔سورج بھی بلند ہوتا گیا۔پھر بھی اشرف صاحب کا موضوع مکمل نہیں ہو رہا تھا، فارسی پنجابی اردو عربی زبانوں کے ماہر تھکنے کا نام نہیں لے رہے تھے۔خیر چار پانچ گھنٹے گذرنے کے بعد مجلس اختتام پذیر ہوئی۔جس اشرف صاحب سے اس سے پہلے سوپور کے لوگ انجان تھے وہی اب اسکے گرویدہ ہو گئے۔اور خانقاہ عالیہ سے اصلی جائے قیام تک کندھوں پر بیٹھا کر جلوس کی صورت میں لے گئے۔کیا سہانا سمان تھا۔اسکے بعد اشرف صاحب نے واعظ وتبلیغ میں آج تک یعنی وقت رحلت تک پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا۔

جناب قبلہ حضرت جی وعدہ نبھا کر ہم سے رخصت ہوئے۔اور ہم سبھوں کو داغ مفارقت دے گئے۔سبھی حضرات اپنے پرائے خاص وعام محسوس کر رہے ہیں، اور برابر محسوس کر رہے ہیں کہ ہم نے کچھ کھویا ہے، واقعی ہم نے بہت کچھ کھویا ہے، دنیاوی لحاظ سے بھی بالخصوص دینی لحاظ سے بھی۔اب اشرف صاحب کی یادیں ہی ہمارا سرمایہ ہے اور ہمارا حق بنتا ہے کہ ملت

کے اس سرمایہ کی پاسداری اور آبیاری کریں۔ اور حق ادائیگی کریں۔ یا درہے ایسی ہی معروف قابل احترام شرین بیان شیریں کلام حضرات کی موت پر کسی اردو شاعر نے وزن دار گوہر افشانی کی ہے، جسکی حقیقت علامہ موصوف کی ذات گرامی ہے۔

موت اسکی ہے زمانہ کرے جس پر افسوس
ورنہ دنیا میں سبھی آتے ہیں مرنے کے لئے۔

سوال پیدا ہوتا ہے، مولانا موصوف اشرف کی حقیقت کیا تھی۔ میں سمجھتا ہوں ہم جیسے کمزور اور ناتوان لوگ اس کا احاطہ نہیں کر سکتے ہیں، ہم نے جو بھی زندگی بسر کی کھانے اور پینے میں بسر کی۔ اور دن رات نیند میں بسر کی، ہم زندگی کے ادنیٰ سے ادنیٰ مقاصد سے واقف نہیں۔ ہماری آنکھیں تو ہیں لیکن بصارت سے خالی ہیں۔ خیر ۔۔۔۔۔۔۔۔ ہم سجھ نہ پائے راز حیات دارین۔ اشرف صاحب ہمارے دور کے ایک معروف و مشہور عالم دین تھے۔ اگر چہ دیکھنے میں دبلے پتلے کمزور انسان تھے مگر درحقیقت علم و عمل علم و فضل کے جامع مرکز تھے۔ ان کا وزن ہمالیہ جیسا تھا۔ اور ان میں سمندر جیسی گہرائی اور گیرئی تھی۔ آپ حضرت نہ صرف خود ایک عالم جید تھے بلکہ عالم گر بھی تھے، خدائے عزوجل کے عاشق کامل و عامل تھے۔ بات بات پر رب ذوالجلال کی وحدانیت، صمدیت، احدیت کے سخن گو سخن پرور تھے۔ عشق نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں دن رات سرگردان تھے۔ بالخصوص سیدی غوث پاک کے دامن رحمت سے والہانہ عقیدت واحترام کے داعی تھے غوث پاک کی اولاد میں سے تھے، سیدنا امیر کبیرؒ کے مشن کی آبیاری مشعل اسلام لئے ہوئے سرگرم جہادی تھے علمدار ملک کشمیر شیخ نورالدین نورانی علیہ الرحمہ کے آستان

عالیہ کے دربان تھے۔ حضرت سلطان سیدی پکھر پورہ میں حاضر باش عارف وقت فقیرانہ، قلندرانہ اوصاف کے مالک اپنے وقت کے رازی وغزالی اور رومی جیسی خوبیوں کے متصف و مالک تھے وعیرہ وغیرہ۔ صبر وسادگی بے ریائی خوش روئی خوش مزاجی خوش اخلاقی خوش کلامی عاجزی و انکساری صبر و استقامت، حمیت وغیرت عالمانہ وقار، سیادت وسیاحت سے بھر پور مملکت کے اجزاوعناصر سے جو پیکر جمیل تیار ہوتا ہے اسی کا نام سید محمد اشرف اندرابی، عاصم اندرابی قائد اہل سنت جموں وکشمیر ہے۔

خیر مولانا محترم کے تئیں میں ناچیز کور چشم کیا خراج عقیدت پیش کرسکتا ہوں یہ میرے بس کی بات نہیں ہے۔ مولانا صاحب کا انتقال پر ملال ہمارے لئے عظیم خسارہ ہے، آپ کی ذات ایک انجمن تھی یہ وہی جانتے ہیں جنہوں نے مولانا صاحب کو اپنے دلوں میں بسایا تھا۔ جو ان کی حقیقت کو جان چکے تھے۔ جنہیں ان کی صحبت نصیب ہوئی تھی، جنہیں ان کی قدسم بوسی حاصل ہوئی تھی۔ جن کی قسمت نے انہیں ساتھ دیکر اشرف صاحب (مغفور ومرحوم) کی نزدیکیاں مل گئی تھی۔ افسوس تو اس بات کا ہے کہ ہم لوگ سمندر میں رہ کربھی پیاسے ہی رہے۔ اس آب حیات سے ہم تشنہ لب ہی رہے۔ ہم نے اس عطیہ الٰہی کی قدر نہ جانی ہم نے جوہر دیکھا البتہ جوہر شناس بن نہ پائے۔ اس سے اور کیا ستم ظریفی اور حرمان بدنصیبی ہوگی۔ 'جوہر' یعنی لعل بننے میں انسان کی ساری زندگی ملتی ہے تبھی لعل پیدا ہوتا ہے۔ پیدائش سے لے کر سفر آخرت تک قائد اہل سنت علامہ اشرف صاحب کی زندگی تکلیفوں آزمائشوں تنقیدوں سے گذر بسر ہوتی رہی اور بحثیت ایک عالم ایک عارف ہمارے سامنے سے روپوش ہوگئے۔ آخر پر میں کم ظرف اعتراف اعلان کرتا ہوں کہ علامہ موصوف

کی یاد زندہ رکھنے کے لئے نہ تو طلوع شمس کی ضرورت ہے اور نہ ہی غروب آفتاب کی بلکہ ان کی فقیرانہ درویشانہ پاکیزہ حیات مبارکہ (جو ہمارے سامنے ہے) کے زریں نقوش ہمارے لئے باعث خیر و برکت سعادت و مغفرت ثابت ہونگے انشاء اللہ۔ اور اختتام پر تاج الشریعہ مفتی اختر رضا خان صاحب سجادہ نشین بریلی شریف یوپی انڈیا کے اشعار پر کر رہا ہوں۔

چھوڑ کر آپ سارا جہاں چل دئے
اے امین شریعت کہاں چل دئے
دے کے ہستی کا اپنی نشان چل دئے
سب کی منزل جہاں ہے وہاں چل دئے
داغ عشق نبی ﷺ دل میں رکھے ہوئے
لے کے شمع لحد شاد ماں چل دئے
خدا مغفرت کنند ایں عاشقان پاک طینت دا

☆☆☆

ایک عالم کو سوگوار کر گئے وہ

الطاف حسین ندوی

اس دنیا کی ہر شئی عارضی ہے اور یہاں پیدا ہونے والی ہر شئی فنا ہو جاتی ہے۔فنا اس کا مقدر ہے۔بقا اس کی فطرت میں نہیں ہے۔یہ غموں کا عالم ہے لہذا یہ ہر گرد وپیش کی چیز کو غم میں مبتلا کر دیتا ہے۔یہاں جو بھی آیا دیر سویر اس کو یہاں سے جانا پڑا۔بقول کسے یہ دنیا فانی وزوال پذیر دنیا ہے، یہاں کسی کے لیے بقا نہیں ہے، ہر آنے والے کو ایک نہ ایک دن یہاں سے رخت سفر باندھنا ہے۔یہ وہ خدائی نظام ہے جس کو دنیائے آب وگل میں رہنے والے تمام افراد تسلیم کرتے ہیں، چناں چہ افراد انسانی کا انتقال روزانہ نہ معلوم کتنے سو، ہزار یا لاکھ میں ہوتا ہے، اور جانے والا اپنے ورے ایک دنیا چھوڑ کر چلا جاتا ہے جس سے وہ طبقہ اور افراد غم زدہ اور متاثر ہوتے ہیں جن سے اس کے تعلقات تھے، لیکن بعض اشخاص کا اس دنیا سے منتقل ہونا پوری ایک دنیا کا منتقل ہونا سمجھا جاتا ہے، جو ”موت العالِم موت العالَم“ کے مصداق ہوتے ہیں (عالم کی موت دنیا کی موت کے برابر ہے) اور اس کی وجہ سے ایک بہت بڑا طبقہ اپنے آپ کو یتیم تصور کرنے لگتا ہے۔انہی اشخاص اور بزرگوں میں مولانا سید محمد اشرف اندرابی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا بھی شمار ہوتا ہے کہ وہ یوں تو دنیا کی روایت کے عین مطابق اکیلے چلے گئے مگر ان کے جانے کے بعد

یوں محسوس ہوا کہ وہ اکیلے نہیں بلکہ ان کے ساتھ ایک عالم چلا گیا۔

احادیثِ مبارکہ اور فضیلتِ علم وعلماء

کثیر بن قیس رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ میں دمشق کی جامع مسجد میں حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ ان کے پاس ایک شخص آیا۔ اس نے کہا: " اے ابوالدرداء! میں تیرے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شہر (مدینہ منورہ) سے ایک حدیث (سننے) کیلئے آیا ہوں۔ میں کسی دوسرے کام سے نہیں آیا ہوں بلکہ مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ آپ اس حدیث کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بیان کرتے ہیں۔ ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے فرمایا: " میں نے رسول اللہ سے سنا تھا۔ آپ فرما رہے تھے کہ " جو علم طلب کرنے کی راہ پر چلا تو اللہ تعالیٰ اس کو جنت کی راہ پر چلائے گا۔ اور فرشتے اپنے پروں کو طالبِ علم کی خوشنودی کیلئے بچھاتے ہیں۔ اور عالم کیلئے آسمانوں اور زمین کی تمام چیزیں اور پانی کے اندر رہنے والی مچھلیاں بھی استغفار کرتی ہیں اور عالِم کو عابد (عبادت گزار) پر ایسی فضیلت حاصل ہے جیسا کہ چودھویں رات کے چاند کو تمام ستاروں پر فضیلت ہے، علماء، انبیاء علیہم السلام کے وارث ہیں اور انبیاء علیہم السلام دینار اور درہم کا ورثہ نہیں چھوڑتے بلکہ انہوں نے علم کا ورثہ چھوڑا ہے۔ پس جس شخص نے اس سے (علم) حاصل کیا اس نے بڑا حصہ لے لیا۔" (مسند احمد، جامع ترمذی، سنن ابوداود، سنن ابن ماجہ)

حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس دو اشخاص کا تذکرہ کیا گیا۔ ان میں ایک عابد اور دوسرا عالم تھا۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: " عالم کی

عابد پر (اس طرح) فضیلت ہے جس طرح تم میں سے ادنیٰ درجے کے مسلمان پر میری فضیلت ہے۔" (پھر فرمایا) "بلاشبہ اللہ تعالی، اُس کے فرشتے، آسمانوں اور زمین میں رہنے والے حتیٰ کہ چیونٹی اپنے سوراخ میں اور مچھلی (سمندر میں) بھی اس شخص کیلئے دعائیں کرتے ہیں جو لوگوں کو بھلائی کی تعلیم دیتا ہے۔" (جامع ترمذی)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "جو شخص علم کی تلاش میں نکلا، وہ واپس آنے تک اللہ کے راستے میں ہے۔" (ترمذی، دارمی)

4: حضرت ابوسعید خُدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "مومن علم (کی باتیں) سننے سے سیر نہیں ہوتا یہاں تک کہ وہ جنت میں داخل ہوجاتا ہے۔" (ترمذی)

5: حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ اس شخص کے چہرے کو تر و تازہ رکھے جس نے میری بات کو سنا، اس کو محفوظ کیا، اس کو یاد رکھا اور اس کو (لوگوں تک) پہنچایا۔ پس ایسے لوگ بہت ہیں جو علم کے حامل تو ہیں لیکن فقیہہ نہیں ہیں (یعنی استنباط کا ملکہ نہیں رکھتے) اور ایسے لوگ بھی بہت ہیں جو علم ایسے لوگوں تک پہنچاتے ہیں جو ان سے زیادہ فقیہہ ہوتے ہیں۔ تین خصلتیں ایسی ہیں جنہیں مومن کا دل ترک نہیں کرتا بلکہ انہیں اپناتا ہے۔ اللہ کی رضا کیلئے خالص عمل کرنا، مسلمانوں کی خیرخواہی کرنا اور مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ منسلک رہنا کیونکہ اُن کی دعا اس کو چاروں طرف سے

گھیرے رہتی ہے۔(بیہقی۔ نیز احمد، ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ اور دارمی نے اس حدیث کو زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے بیان کیا ہے جبکہ ترمذی و ابوداؤد نے " تین خصلتیں" سے حدیث کے آخر تک کے الفاظ ذکر نہیں کیے)۔

6: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: " ایماندار انسان کو اس کی وفات کے بعد اس کے اعمال اور اس کی نیکیوں میں سے جن کا (ثواب) ملتا رہتا ہے، ان میں سے ایک علم ہے جس کو اس نے حاصل کیا اور پھیلایا۔۔۔" (ابنِ ماجہ، بیہقی شعب الایمان)

7: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، وہ بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ فرمارہے تھے کہ اللہ عزوجل نے میری جانب وحی کی کہ جو شخص علم کی جستجو میں چلا، میں اس کیلئے جنت کا راستہ آسان کردوں گا اور میں جس شخص کی دو محبوب چیزیں (یعنی آنکھیں) چھین لوں تو میں ان دونوں کی وجہ سے اس کو جنت کا ثواب عطا کروں گا اور علم کی فضیلت عبادت کی فضیلت سے بہتر ہے اور دین (اسلام) کا دار و مدار پرہیزگاری پر ہے۔ (بیہقی شعب الایمان)

8: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک موقع پر فرمایا: " تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا ہے کہ " بے شک اللہ اس کتاب (قرآن مجید) کے ذریعے بعض قوموں کو بلندی عطا فرماتے ہیں اور اسی (پر عمل نہ کرنے) کے سبب بعض کو پست کردیتے ہیں۔(صحیح مسلم)

9: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: " دو شخصوں پر رشک کرنا جائز

ہے۔ ایک وہ جس کو اللہ نے مال دیا اور وہ اسے راہِ حق میں خرچ کرتا ہے۔ دوسرا وہ جسے اللہ نے حکمت دی جس سے وہ فیصلے کرتا ہے اور لوگوں کو اس کی تعلیم دیتا ہے۔" (متفق علیہ)

10: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم شہدائے غزوہ احد کے دو دو آدمیوں کو ایک ایک قبر میں اکٹھا دفن کرتے تو آپ پوچھتے ان میں سے قرآن کس کو زیادہ یاد تھا؟ پس جب آپ کو کسی ایک کے بارے میں بتایا جاتا تو آپ اسے قبر میں پہلے اتارتے۔ (بخاری)

11: حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سفید ریش (عمر رسیدہ) مسلمان، حامل قرآن (حافظ و عالم) جو افراط و تفریط سے محفوظ ہو (یعنی غلو کرنے والا ہو نہ اس کی تعلیمات پر عمل کرنے سے کوتاہی برتنے والا ہو) اور عادل و منصف بادشاہ کی تکریم کرنا اللہ تعالیٰ کی عزت کرنے کے ہم معنی ہے (ابوداؤد۔ حدیث حسن ہے)

12: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ عینیہ بن حصن مدینہ آئے تو اپنے بھتیجے حر بن قیس کے ہاں ٹھہرے اور وہ ان لوگوں میں سے تھے جنہیں حضرت عمر اپنے قریب بٹھایا کرتے تھے اور حضرت عمر کے ہم نشین اور ان کی مجلس مشاورت میں قراء حضرات شامل تھے، خواہ وہ بوڑھے ہوں یا جوان۔ عینیہ نے اپنے بھتیجے سے کہا: " میرے بھتیجے! آپ کو اس امیر کے ہاں خاص مقام حاصل ہے مجھے اس سے ملنے کی اجازت لے دیں۔ پس انہوں نے اس (عینیہ) کے لیے اجازت طلب کی تو حضرت عمر نے انہیں اجازت

دے دی۔ پس جب وہ ان کے پاس گئے تو کہا:" افسوس! اے ابن خطاب! اللہ کی قسم! آپ ہمیں زیادہ عطیے دیتے ہیں نہ ہمارے درمیان انصاف سے فیصلہ کرتے ہیں۔ حضرت عمر غضبناک ہو گئے حتیٰ کہ انہیں سزا دینے کا ارادہ کیا تو حر بن قیس نے کہا:" اے امیر المومنین! اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا ہے:

خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ

(" عفو و درگزر اختیار کریں، نیکی کا حکم دیں اور جاہلوں سے اعراض فرمائیں" الاعراف:199)

اور یہ عیینہ بھی جاہلوں میں سے ہے۔" (حضرت ابنِ عباس کہتے ہیں) اللہ کی قسم! جب انہوں نے یہ آیت تلاوت کی تو حضرت عمر نے اس سے تجاوز نہیں کیا اور وہ اللہ کی کتاب کے حکم پر ٹھہر جانے والے تھے۔ (یعنی اپنے رائے، قیاس یا غصے پر اللہ تعالیٰ کے حکم کو ترجیح دینے والے تھے)

جس علم کی فضیلت بیان ہوئی ہے، اُس سے کون سا علم مراد ہے؟

13: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے:" علم تین (قسم کا) ہے۔ (قرآنِ کریم کی) آیتِ محکم، یا سنتِ ثابتہ، یا فریض عادلہ۔ اس کے سوا جو کچھ ہے وہ زیادہ ہے" (یعنی اتنا ضروری ہے اور اس کے بعد جو حاصل ہو جائے ٹھیک۔ نہ ہو تو اُس پر مواخذہ نہیں) (ابنِ ماجہ، مستدرک حاکم، جامع بیان العلم وفضلہ لابن عبد البر)

اور حافظ ابن حجر علیہ رحمۃ اللہ لکھتے ہیں:

ترجمہ:" اور علم (جس کی فضیلت بیان کی گئی ہے) سے مراد وہ شرعی علم ہے جس سے ان امور کی آگاہی میں مدد ملے جن کا انسان عبادات اور

معاملات میں مکلف ہے"۔ پس علم کی جو فضیلت اور عالم کے جو فضائل بیان کیے گئے ہیں، وہ شریعت سے متعلق علوم ہی کے بارے میں ہیں۔ (فتح الباری شرح کتاب العلم)

علم (علمِ دین) دنیا سے کیسے رخصت ہوگا؟

14: حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: " بے شک اللہ (کتاب وسنت کے) علم کو بندوں کے دلوں سے نکال کرنہیں اٹھائے گا۔ البتہ علماء کوفوت کر کے اٹھائے گا یہاں تک کہ جب کوئی عالم باقی نہ رہے گا تو عوام الناس جاہل لوگوں کو سردار بنائیں گے، ان سے مسائل دریافت کیے جائیں گے، علم نہ ہونے کے باوجود وہ فتویٰ دیں گے اس طرح وہ خود گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔" (متفق علیہ)

حصولِ علم کیلئے صحاب کرام اور علمائے سلف کے مجاہدات اور ان کی خدمات:

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث سننے کی خاطر ملک شام کا سفر کیا اور ایک ماہ کی مسافت کی مشقت برداشت کی۔

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ ایک حدیث سننے کیلئے مدینہ منورہ سے مصر تشریف لے گئے اور حدیث سننے کے بعد وہاں رکے بغیر فوراً دوبارہ مدینہ منورہ کیلئے روانہ ہو گئے۔ حدیث یہ تھی:

" جس نے کسی مسلمان کی پردہ پوشی کی اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی ستر پوشی فرمائیں گے" (متفق علیہ)

ابو العالیہ فرماتے ہیں: " ہم سنتے تھے کہ فلاں صحابی رضی اللہ عنہ سے یہ روایت مروی ہے۔ تو اسناد میں علو (بلندی، یعنی درمیانی واسطے کم سے کم کرنے کی خاطر) ہم اُن صحابی کی جانب سفر کر کے اُن سے براہ راست وہ روایت سنا کرتے تھے"۔

سلیمان بن شعبہ کہتے ہیں: " ابوداود رحمہ اللہ سے چالیس ہزار احادیث لکھی گئیں (اس حال میں کہ) ان کے پاس کتاب نہیں تھی۔"

اور ابوزرعہ الرازی کہتے ہیں: " مجھے دو لاکھ احادیث یوں یاد ہیں جیسے تم میں سے کسی کو " قل ھواللہ احد " یاد ہوتی ہے۔

قاضی ابوبکر ابن العربی رحمہ اللہ نے قرآن مجید کی تفسیر لکھی جو 80 جلدوں میں ہے۔ اس کے علاوہ بھی بڑی تعداد میں ان کی تصانیف ہیں جن میں " شرح الترمذی " ، " شرح موطاء " ، " احکام القرآن الکبریٰ والصغریٰ " ، " العواصم من القواصم " اور " المحصول فی الاصول " مشہور ہیں اور یہ تمام کی تمام اپنی مثال آپ ہیں۔

ابن ابی الدنیا کی تصانیف ایک ہزار سے زائد ہیں۔

اسی طرح امام حاکم رحمہ اللہ، صاحبِ مستدرک کی تصانیف کی تعداد بھی ایک ہزار سے زائد ہے۔

حافظ ابنِ عساکر رحمہ اللہ نے اپنی مشہور تصنیف " تاریخ ابن عساکر " 80 جلدوں میں مکمل کی۔

امام محمد بن اسحاق رحمہ اللہ حصولِ علم کیلئے ایک ہزار سات سو سے زائد اساتذہ کے پاس گئے۔ وہ بیس برس کی عمر میں طلبِ علم کیلئے گھر سے نکلے تھے اور پینسٹھ برس کی عمر میں واپس آئے۔

علم سے متعلق حکیمانہ اقوال:

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:"علم مال سے بہتر ہے۔ کیونکہ مال کی تم حفاظت کرتے ہو اور علم تمہاری حفاظت کرتا ہے۔ مال خرچ کرنے سے گھٹتا ہے جبکہ علم تقسیم کرنے سے کم نہیں ہوتا۔ عالم حاکم ہے اور مال اس کا محکوم ہے۔خزانوں والے مر گئے،علم والے باقی ہیں جب تک یہ دنیا باقی رہے گی۔

حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹوں اور بھتیجوں سے فرمایا: "علم حاصل کرو، اس لیے کہ اگر تم آج قوم کے چھوٹوں میں سے ہو تو کل تم اِس قوم کے بڑوں میں سے ہو گے۔ جسے یاد نہیں ہوتا وہ لکھ لیا کرے"۔(المدخل الی السنن الکبریٰ)

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کم سنی میں حصولِ علم کی اہمیت سے متعلق فرماتے ہیں:" طلب العلم فی الصغر کالنقش فی الحجر"

(ترجمہ) کم عمری میں طلبِ علم (اپنی پختگی میں) پتھر پر لکیر کی طرح ہے۔ (حوالہ بالا)

حضرت لقمان سے متعلق ایک روایت میں ہے کہ اپنے بیٹے سے فرمایا: " اے بیٹے ! علماء کی صحبت اختیار کرو۔اُن کے گھٹنوں سے اپنے گھٹنے ملاؤ (اُن کے قریب رہو) کیونکہ بے شک اللہ تعالیٰ دلوں کو حکمت سے زندگی دیتے ہیں جس طرح مردہ بنجر زمین کو بارش سے زندگی حاصل ہوتی ہے"۔

اور فرمایا:" اے بیٹے ! مجلسوں کو دیکھ کر اُن میں بیٹھا کرو۔ اگر دیکھو کہ ایک قوم ہے جو اللہ کا ذکر کرتی ہے تو ان کے ساتھ بیٹھ جاؤ، اگر تم عالم ہو گے تو تمہارا علم نفع پہنچائے گا۔ اگر جاہل ہو گے تو وہ تمہیں سکھائیں گے۔ اور ہو سکتا

ہے اُن پر اللہ کی رحمت نازل ہوتو تم بھی (ان کے ساتھ ہونے کی وجہ سے) اس رحمت میں سے حصہ پاؤ۔ اور اگر تم کسی قوم کو دیکھو کہ وہ اللہ کا ذکر نہیں کرتی تو ان کے ساتھ مت بیٹھنا۔ اگر تم عالم ہوتو تمہارا علم تمہیں نفع نہیں دے گا اور اگر جاہل ہوتو یہ تمہارے جہل میں مزید اضافہ کر دیں گے"

اور فرمایا: " اے بیٹے! بے شک علم ہی وہ ذریعہ ہے جس نے مساکین کو بادشاہوں کی مجالس تک جا پہنچایا اور انہیں وہاں مقام دلایا"۔

مزید فرمایا: " جس طرح بادشاہوں اور امراء نے تمہارے لیے علم و حکمت چھوڑ رکھی ہے (یعنی اس کی طلب نہیں رکھتے) اسی طرح تم ان کیلئے مال و دولت چھوڑ دو"۔ (جامع بیان العلم وفضلہ لابن عبدالبر رحمہ اللہ)

جس نے کتاب اللہ (قرآن) کی ایک آیت یا علم (دین) کا ایک باب سکھایا تو اللہ تعالیٰ قیامت تک اس کا اجر وثواب بڑھائے گا۔ (ابن عساکر عن ابی سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ)۔

فقہ کا طلب کرنا ہر مسلمان پر لازم و واجب ہے۔ (الحاکم فی تاریخہ عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

جس نے علم کا ایک باب حاصل کیا تا کہ اس کے ذریعے اپنے نفس کی اصلاح کرے یا اپنے بعد والے کی تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے ریگستان کی ریت کے برابر اجر لکھتا ہے۔ (ابن عساکر عن ابان عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ)۔

جو علم کی طلب میں ہے (تو) جنت اس کی طلب میں ہیاور جو معصیت کی طلب میں ہے (تو جہنم کی) آگ اس کی طلب میں ہے۔ (ابن النجار عن ابی عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما)۔

جب تو علم کا ایک باب سیکھے گا (تو وہ) تیرے لیے ہزار رکعت مقبول نفلی

نماز پڑھنے سے بہتر ہے اور جب تو وہ علم لوگوں کو سکھائے گا اس پر عمل کیا جائے یا نہ کیا جائے تو وہ تیرے لیے ہزار رکعت مقبول نفلی نماز سے بہتر ہے۔ (الدیلمی عن ابی ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ)۔

جس نے دو حدیثیں سیکھیں تو وہ نفع دیتا ہے ان کے ذریعے اپنی جان کو یا وہ اپنے سوا کو دو حدیثیں سکھاتا ہے اور وہ اس سے فائدہ اٹھاتا ہے تو یہ اس کے لیے ساٹھ سال کی عبادت سے بہتر ہے۔(الدیلمی عن البراء رضی اللہ تعالیٰ عنہ)۔جس شخص نے ایک کلمہ یا دو تین یا چار یا پانچ کلمے اس چیز سے سیکھے جسے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرض کیا پھر ان کا علم رکھا اور انھیں سکھایا تو وہ جنت میں داخل ہوگا۔(ابن النجار عن ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ)۔

تم علم سیکھو اور لوگوں کو سکھاؤ اور تم فرائض سیکھو اور لوگوں کو سکھاؤ۔ (الدارقطنی عن ابی سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ)۔

نہیں ہے کوئی شخص مگر اس کے دروازے پر دو فرشتے ہوتے ہیں پس جب وہ نکلتا ہے تو وہ دونوں فرشتے کہتے ہیں صبح کر اس حال میں کہ تو عالم ہو یا متعلم اور تو تیسرا نہ ہونا۔(ابونعیم عن ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ)۔ حضرت لقمان نے اپنے بیٹے سے فرمایا: اے میرے پیارے بیٹے !تو علما کی مجالس کو لازم کر اور حکما کا کلام غور سے سن کیوں کہ اللہ عزوجل مردہ دل کو حمت کے نور سے زندہ کرتا ہے جیسے مردہ زمین کو موسلا دھار بارش کے ذریعے زندہ کرتا ہے۔(الطبرانی فی الکبیر فی المثال عن ابی امام و سندہ ضعیف)۔

بے شک افضل ہدیہ یا افضل عطیہ کلام حکمت کا کلمہ ہے بندہ اسے سنتا ہے

پھر اسے سیکھتا ہے اس کے بعد اسے اپنے بھائی کو سکھاتا ہے تو یہ اس کے لیے ایک سال کی عبادت سے بہتر ہے۔(ابن عساک عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ)۔عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ:

" ان ایک ہزار عبادت گزاروں کی موت کا غم برداشت کرنا آسان ہیجو دن میں روزے رکھتے ہیں اور رات میں قیام کرتے ہیں بنسبت اس ایک عالم کے موت کے جو حرام اور حلال کا فرق سمجھتا ہو۔" [جامع البیان العلم وَ فضلہ،جلد.]

امام ابن القیم نے فرمایا:

فرض کرو ایک ایسا شخص ہے جسکے پاس دنیا بھر کی دولت ہو اور وہ بڑا سخی بھی ہو اور وہ ہزاروں لوگوں کی مدد بھی کرتا ہو اور انکے حاجات بھی پورا کرتا ہو۔ پھر وہ مر جاتا ہے اور اسکی رسائی اب اپنے دولت تک نہیں ہو۔ پس ایک عالم کی موت بنسبت اس مالدار شخص کے موت کے بہت بڑا سانحہ ہے" ۔[مفتاح دار السعدہ]

امام عبداللہ بن مبارک رحم اللہ سے پوچھا گیا:

" بہترین لوگ کون ہیں؟"

انھوں نے جواب دیا" علماء" ۔

ان سے پوچھا گیا کہ حقیقی بادشاہ کون ہیں؟

انھوں نے جواب دیا" سادہ وَ درویش لوگ" ۔

ان سے پوچھا گیا" بے کار لوگ کون ہیں؟"

انھوں نے جواب دیا" وہ لوگ جو دین کو دولت کا ذریعہ بناتے ہیں" ۔

ان سے پوچھا گیا،" بھیڑ/ ہجوم کون ہیں؟"

انھوں نے جواب دیا، " خزیمہ بن خازم اور اسکے اصحاب" .

اور انسے پوچھا گیا، " کم ضرف شخص کون ہے؟"

انھوں نے جواب دیا، " جو اپنے مہمان کو قیمتوں کے چڑھاؤ کا ذکر کرتا ہے" ۔[ابوبکر الدینوری، المجلاصوٰ جواہر العلم]

الزہری:

ایک سنت کا درس دینا دوسو سالوں کے نفلی عبادت سے بہتر ہے۔

[احمد بن حنبل، اصول السنہ، باب 6: اہل سنہ کے امتیازی نشانیاں]

" مجھے یہ بہت محبوب ہے کہ تھوڑی دیر کے لئے اپنے دین کو سمجھنے کے لئے بیٹھوں بجائے اسکے کہ میں پوری رات صبح ہونے تک عبادت کروں۔"

[جامع البیان العلم وٗ فضائل جلد صفحہ]

امام ترمذی نے اپنے کتاب جامع ترمذی میں ایک باب " فقہ کی عبادت پر برتری کے بارے میں" قائم کیا ہے۔ اس باب میں ایک حدیث کچھ اسطرح ہے:

قیس بن کثیر سے روایت ہے:

" مدینہ سے ایک شخص ابو دردہ کے پاس آیا جب وہ دمشق میں تھے۔تو انھوں نے پوچھا:

" وہ میرے بھانجے کیا بات تمھیں یہاں لائی ہے؟"

اسنے جواب دیا:

" ایک حدیث مجھ تک پہنچی ہے جسے آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے۔"

آپ رضی اللہ عنہ نے کہا:

" توتم ادھر اپنے کسی ضرورت کی وجہ سے نہیں آئے ہو؟

اس نے جواب دیا:

"نہیں" ۔

آپ نے پوچھا:

" کیا تم ادھر تجارت کے لئے آئے ہو؟ ۔

اسنے کہا: " نہیں، میں صرف اس حدیث کی جانکاری کے لئے یہاں آیا ہوں" ۔

تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

بے شک میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کہتے ہوئے سنا کہ:

ترجمہ:" اگر کوئی شخص علم کا راستہ اختیار کرے گا تو اللہ اس کے لئے جنت کا راستہ آسان کر دے گا اور فرشتے طالب علم کی رضا کے لئے (اسکے پاؤں کے نیچے) اپنے پر بچھاتے ہیں عالم کے لئے آسماں وَ زمین میں موجود ہر چیز مغفرت طلب کرتی ہے۔ یہاں تک کہ مچھلیاں پانی میں اس کے لئے استغفار کرتی ہیں۔ پھر عالم کی آباد پر اسطرح فضیلت ہے جیسے چند کی فضیلت ستاروں پر۔علماء انبیاء کے وارث ہیں اور بیشک انبیاء کی وراثت درہم وَ دینار نہیں ہوتے بلکہ انکی میراث علم ہے۔ پس جسنے اسے حاصل کیا اسنے انبیاء کی وراثت سے بہت سارا حصہ حاصل کرلیا۔

[جامع ترمذی، اس روایت کی طرح اور بھی روایت ہیں اور انکی متن پر علماء کا اتفاق ہے]

امام العینی رحم اللہ صحیح بخاری کی شرح عمدۃ القاری میں لکھتے ہیں۔ اس حدیث (علماء انبیاء کے وارث ہیں) کی دلیل قرآن کی اس آیت میں ہے

جہاں اللہ نے فرمایا:

پھر ہم نے ان لوگوں کو (اس) کتاب کا وارث بنایا جن کو ہم نے اپنے بندوں میں سے پسند فرمایا۔[سورہ فاطر]

علماء کی سب سے پہلی جماعت صحابہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم تھے، اور پھر انکے بعد تابعین پھر انکے بعد طبع تابعین اور یہ سلسلہ اسطرح چلتا گیا"۔

نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہم سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ترجمہ:" اللہ کی حدود میں سستی برتنے والے (عام طور پر ایک جاہل یا عامی) اور اس میں مبتلا (یعنی اللہ کی حدود کی پابندی کرنے والے یا علماء) ہو جانے والے کی مثال ایک ایسی قوم کی سی ہے جس نے ایک کشتی (پر سفر کرنے کے لیے جگہ کے بارے میں) قرعہ اندازی کی۔ پھر نتیجے میں کچھ لوگ نیچے سوار ہوئے اور کچھ اوپر۔ نیچے کے لوگ پانی لے کر اوپر کی منزل سے گزرتے تھے اور اس سے اوپر والوں کو تکلیف ہوتی تھی۔ اس خیال سے نیچے والا ایک آدمی کلہاڑی سے کشتی کا نیچے کا حصہ کاٹنے لگا (تاکہ نیچے ہی سمندر سے پانی لے لیا کرے) اب اوپر والے (یعنی علماء) آئے اور کہنے لگے کہ یہ کیا کر رہے ہو؟ اس نے کہا کہ تم لوگوں کو (میرے اوپر آنے جانے سے) تکلیف ہوتی تھی اور میرے لیے بھی پانی ضروری تھا۔ اب اگر انھوں نے نیچے والے (یعنی عام آدمی) کا ہاتھ پکڑ لیا تو انہیں بھی نجات دی اور خود بھی نجات پائی۔ لیکن اگر اسے یوں ہی چھوڑ دیا تو انہیں بھی ہلاک کیا اور خود بھی ہلاک ہو گئے۔" [صحیح البخاری]

ابو امامہ بھلی رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے

سامنے دو آدمیوں کا تذکرہ کیا گیا جن میں سے ایک عابد تھا اور دوسرا عالم۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

ترجمہ: عالم کی فضیلت عابد پر اسطرح ہے جس طرح میری تمہاری ادنی ترین آدمی پر۔ پھر فرمایا کہ یقیناً اللہ، فرشتے اور تمام اہل زمین و آسماں یہاں تک کہ چیونٹی اپنے سوراخ میں اور مچھلیاں بھی، اس شخص کی لئے دعائے خیر کرتے ہیں اور رحمت بھیجتے ہیں جو لوگوں کو بھلائی کی باتیں سکھاتا ہے۔[جامع ترمذی]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:

ترجمہ: اللہ علم کو اس طرح نہیں اٹھالے گا کہ اس کو بندوں سے چھین لے۔ بلکہ وہ (پختہ کار) علماء کو موت دے کر علم کو اٹھائے گا۔ حتیٰ کہ جب کوئی عالم باقی نہیں رہے گا تو لوگ جاہلوں کو سردار بنالیں گے، ان سے سوالات کیے جائیں گے اور وہ بغیر علم کے جواب دیں گے۔ اس لیے خود بھی گمراہ ہوں گے اور لوگوں کو بھی گمراہ کریں گے۔[صحیح بخاری، سنان ابن ماجہ، جلد، حدیث]

عوف بن مالک الشجعی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ آسمان کی طرف دیکھا اور فرمایا: " لگتا ہے یہ علم کے اٹھائے جانے کا وقت ہے"، پس ان میں سے ایک نے کہا :" یارسول اللہ، علم کس طرح اٹھایا جا سکتا ہے جبکہ ہمارے پاس کتاب اللہ ہے ، ہم اسے پڑھتے ہیں، اسکا مطالعہ کرتے ہیں اور اسے اپنے بچوں کو سکھاتے ہیں" ۔تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

" میں تمھیں مدینہ کے لوگوں میں سب زیادہ علم والا سمجھتا تھا، کیا یہود اور نصاریٰ کی پاس اپنی کتابیں نہیں تھی؟

[قتضاء العلم العمل، الخطیب البغدادی بمع تحقیق شیخ البانی، جنہوں نے اسے صحیح کہا، صفحہ]

رسول اللہ صلی اللہ وسلم نے فرمایا:

" کیا میں تمھیں نہ بتاؤں کے علم میں سب سے پہلے کیا اٹھایا جائیگا ؟ آپنے فرمایا خشوع اور اللہ کا خوف، یہاں تک کہ آنے والے وقت میں تم کسی میں بھی عاجزی اور اللہ کا خوف نہیں دیکھو گے۔

انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

" بے شک زمین پر علماء کی مثال بالکل اسس طرح ہے جیسے آسماں میں ستاروں کی. انکے زریعے ایک انسان کو زمین وَسمندر کے اندھیروں میں روشنی ملتی ہے۔

[مسند احمد بن حنبل، جلد، حدیث شیخ البانی نے اس حدیث کو ضعیف الجامع میں ضعیف کہا ہے]

آدب حاتم رضی اللہ نے فرمایا:

" تم بہتری میں رہو گے جب تک تم اس چیز کی اجازت نہیں دو گے جس کو تم برا جانتے تھے یا اس چیز کی مذمت نہیں کرو گے جسے تم اچھا جانتے تھے، اور جب تک اہل علم تمہارے بیچ نڈر ہو کر بولے (حاکم وقت اور لوگوں کے خوف سے)۔[ابنے بطاح، الابانہ الکبریٰ، مضمون]

عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

ترجمہ:" لوگ ہمیشہ اچھائی پر رہیں گے جب تک وہ علم لے اپنے بڑھوں سے، قابل اعتماد اور ثقہ لوگوں سے اور علماء سے۔ اگر لوگ اپنے نوجوانوں اور

برے وَ خیانت دار لوگوں سے علم لیں گے تو پھر وہ تباہ ہو جاینگے۔[ابن مند مسند ابراہیم بن آدم، صفحہ اور نصیح الخطیب البغدادی، صحیح الالبانی]

مذہبی مضامین

علماء کرام کا مقام و مرتبہ

اللہ تعالیٰ نے بہت ہی محکم انداز میں اس کائنات کو رچایا اور بسایا۔اس کائنات میں جن و انس کی خلقت فرمائی اور ان کی ہدایت و رہنمائی کے لئے نبیوں اور رسولوں کا سلسلہ جاری فرمایا۔رسولوں کی آمد کا یہ سلسلہ آخری نبی جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے ساتھ منقطع ہو گیا تو رب تعالیٰ نے انبیاء کرام کے مشن کی انجام دہی کے لئے علمائے کرام کی جماعت تیار فرمائی۔ علمائے کرام حقیقی معنوں میں سماج و معاشرہ کی اصلاح کے اولین ذمہ دار اور انسانیت کے حقیقی بہی خواہ ہیں۔اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے کاندھوں پر عوام کو سیدھی راہ دکھانے کی ذمہ داری رکھی ہے اور کتاب وسنت کی توضیح وتفسیر اور دعوت وارشاد کا فریضہ عائد کیا ہے۔رب تعالیٰ کی زبانی یہ لوگ رب تعالیٰ سے حقیقی معنوں میں خوف کھاتے ہیں۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا:''انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء'' بلکہ رب تعالیٰ نے ببانگ دہل قرآن مجید میں یہ وضاحت فرمادی ہے کہ عالم اور جاہل بہرصورت برابر نہیں ہوسکتے۔ فرمایا:''قل ھل یستوی الذین یعلمون والذین لا یعلمون''(سورہ الزمر:9) یعنی اے نبی! آپ بتایئے کہ کیا علم والے اور بے علم برابر ہوسکتے ہیں۔

احادیث مبارکہ کی ورق گردانی سے معلوم ہوتا ہے کہ علمائے کرام کا مقام ومرتبہ انتہائی بلند وبالا ہے۔اللہ تعالیٰ جسے علم شرعی کے حصول کی توفیق بخشتا ہے

گویا اس کے حق میں خیر کا ارادہ فرماتا ہے۔(صحیح بخاری 71، صحیح مسلم 1037) یہی نہیں، حدیثوں میں وارد ہے کہ ایک عالم جتنے انسانوں کو علم سکھاتا ہے، وفات کے بعد بھی اس کا ثواب اسے ملتا رہتا ہے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب انسان مرجاتا ہے تو اس کے لئے نیکیوں کا سلسلہ بند ہوجاتا ہے، سوائے تین اعمال کے۔ ان میں سے ایک عمل یہ ہے کہ انسان نے اپنے پیچھے ایسا علم چھوڑا ہو جس سے لوگ فائدہ اٹھارہے ہوں۔(صحیح مسلم 1631)

غرضیکہ علمائے کرام کی قدرومنزلت، رفعت شانی اور بلند مکانی کے بیان سے کتاب وسنت کے نصوص بھرے پڑے ہیں۔ زیر نظر مضمون میں علمائے کرام کے ایسے ہی چند فضائل کو ذکر کرنے کی سعادت حاصل کی جارہی ہے کیونکہ موجودہ دور میں ہم دیکھ رہے ہیں کہ ہر طرف لوگ علمائے کرام کی شان میں گستاخی کے مرتکب ہورہے ہیں اور ان کی تنقیص کررہے ہیں۔ یقینی طور پر اس کے ذمہ دار بہت حد تک علمائے کرام کی جماعت بھی ہے کیونکہ انہوں نے بھی اپنے وقار کو مجروح کیا ہے، نیز لوگوں کا رشتہ بھی اپنے دین سے انتہائی کمزور ہوا ہے، اس کی وجہ سے بھی ان کے دلوں میں علماء کی عزت کم ہوئی ہے۔ اللہ کرے یہ چند سطور علماء کرام کی عزت و وقار کی بحالی کے سلسلے میں معاون ثابت ہوں۔

علماء کرام وارثین انبیاء ہیں:

علم ایک انتہائی بیش بہا دولت اور عظیم نعمت ہے۔ شریعت اسلامیہ نے علم کو انتہائی عظیم مقام ومرتبہ عطا کیا ہے، اس وجہ سے کہ علم کے بغیر انسانی زندگی کے صلاح وفلاح کا تصور ممکن نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے

دنیا کے سب سے بہتر انسانوں یعنی انبیاء کرام کو وافر مقدار میں اس دولت سے بہرہ ور کیا تھا۔سبھی انبیاء کرام اپنی قوم میں الٰہی شریعت کے سب سے بڑے جانکار تھے۔اللہ تعالیٰ نے انہی کے ذمہ اپنے دین کی دعوت وارشاد اور پند ونصائح کی ڈیوٹی سپرد فرمائی تھی اور وہ اپنی پوری زندگی علی وجہ البصیرہ اس فریضہ کی انجام دہی کرتے رہے۔اللہ تعالیٰ کی کمال حکمت کہئے کہ انبیاء کرام کی وفات کے ساتھ ہی وہ علم دین وشریعت کو اٹھاتا نہیں ہے بلکہ انبیاء کرام اپنی وفات سے پہلے پہلے اس عظیم نعمت کا مخصوص انسانوں کو وارث بنادیتے ہیں۔انبیاء کرام کے بعد یہ لوگ لوگوں کی تعلیم وتعلم کا بیڑہ اٹھاتے ہیں اور اپنی زندگی میں انبیائی مشن کی انجام دہی کرتے ہیں۔علمائے کرام اور انبیاء عظام میں فرق اتنا ہوتا ہے کہ انبیاء کرام کے برعکس علمائے کرام معصوم نہیں ہوتے اور نہ ہی ان کے پاس وحی ہی نازل ہوتی ہے۔ابودرداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:”جو علم کی راہ میں چلتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے جنت کی راہ آسان کردیتا ہے۔طالب علم سے خوش ہوکر فرشتے اس کے لئے اپنا پر بچھادیتے ہیں۔علم حاصل کرنے والے کے لئے زمین وآسمان کی سبھی چیزیں دعاء خیر کرتی ہیں حتی کہ پانی میں موجود مچھلیاں بھی۔عبادت گزار پر عالم کی فضیلت ویسے ہی ہے جیسے چاند کی فضیلت سبھی ستاروں پر ہے۔علماء کرام انبیاء عظام کے وارثین ہیں۔انبیاء کرام نے درہم ودینار وراثت میں نہیں چھوڑے بلکہ انہوں نے وراثت میں علم دین کو چھوڑا ہے،جس نے اس ورثہ کو پالیا،اس نے حظ وافر پالیا“۔(مسند احمد ، سنن ترمذی 2682، سنن ابوداود 3641، سنن ابن ماجہ 223، مسند احمد 21763، شیخ البانی نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔)

اس حدیث میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کی وضاحت فرمادی ہے کہ انبیاء کرام نے درہم و دینار میراث میں نہیں چھوڑے ہیں بلکہ انہوں نے علم دین کی میراث چھوڑی ہے اور یہ علم انتہائی عظیم نعمت اور بیش بہا دولت ہے، اللہ تعالیٰ جس انسان کو بھی اس گنجینہ رحمت سے بہرہ ور کرے گا اور اسے اس دولت سے فیضیاب فرمائے گا، وہ حقیقی معنوں میں دین و دنیا میں کامیاب ہوگا۔

ایک عالم کا مقام عابد سے بلند و بالا ہے:

ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک عالم اور دوسرے عابد کا تذکرہ کیا گیا تو آپ نے ارشاد فرمایا: ''عابد پر عالم کی فضیلت بالکل اسی طرح سے ہے جیسے کہ تم میں سے سب سے کمتر انسان پر میری فضیلت ہے''۔اس کے بعد آپ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ، اس کے فرشتے، سبھی آسمان اور زمین والے حتی اپنے بل میں موجود چیونٹیاں اور مچھلیاں اس شخص کے حق میں دعاء خیر کرتی ہیں جو کہ لوگوں کو بھلائی کی طرف بلاتا ہے''۔(سنن ترمذی 2685، شیخ البانی نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔)

اس حدیث پر غور کریں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک عالم کے لئے کس قدر فضیلت بیان کی ہے اور اس کے مقام و مرتبہ کو کتنا بلند بتایا ہے۔ایک ادنی انسان پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جو فضیلت حاصل ہے، وہی فضیلت ایک عالم کو ایک عابد پر حاصل ہے۔جی ہاں! اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے عالم و عابد کے مابین فضیلت کے فرق کو بیان کرنے کے لئے آپ نے اپنے اور کسی عظیم انسان کے مابین کی

فضیلت کے فرق کو نہیں بیان کیا جبکہ آپ سید ولد آدم ہیں اور عظیم سے عظیم انسان پر بھی آپ کی فضیلت و برتری مسلم ہے، لیکن ایک عام انسان کو بھی یہ سمجھ میں آسکتی ہے کہ ادنی انسان پر آپ کی فضیلت کئی گنا متحقق اور ثابت ہے۔

ہوسکتا ہے کہ کسی کو اس بات پر حیرت ہو کہ عبادت گزار پر ایک عالم کی اس قدر کیوں فضیلت بخشی گئی ہے۔حالانکہ یہ حیرت و استعجاب بالکل غیر مناسب ہے۔اس وجہ سے کہ بغیر علم عبادت کرنے والا انسان خود گمراہ ہوتا ہے اور اپنے عمل سے دوسرے لوگوں کو بھی گمراہ کرتا ہے۔آپ مشرکین مکہ ہی کو لیں کہ وہ لوگ عبودیت کے معترف تھے لیکن یہ اعتراف علم سے عاری تھا جس کی وجہ سے کافر اور گمراہ ٹھہرے۔اللہ تعالیٰ نے بتوں کے تعلق سے کفار مکہ کے اس قول کو بیان کرتے ہوئے قرآن پاک میں فرمایا ہے:"والذین اتخذوا من دونه اولیاء ما نعبدهم الا لیقربونا الا الله زلفی" (سورہ الزمر:3) یعنی اور جن لوگوں نے اس کے سوا اولیا بنا رکھے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم ان کی عبادت صرف اس لئے کرتے ہیں کہ یہ (بزرگ) اللہ کی نزدیکی کے مرتبہ تک ہماری رسائی کرادیں۔

اسی طرح ایک عبادت گزار کسی عبادت کو انجام دے لیکن اس تعلق سے اس کی سوچ فاسد ہو تو ایسی صورت میں اس کی عبادت قابل قبول نہیں ہوگی۔اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:"وذلکم ظنکم الذی ظننتم بربکم ردا کم فصبحتم من الخاسرین" (سورہ فصلت 23) یعنی تمہاری اسی بدگمانی نے جو تم نے اپنے رب سے کر رکھی تھی تمہیں ہلاک کردیا اور بالآخر تم زیاں کاروں میں ہو گئے۔

علماء کرام کا مقام مجاہدین اور شہداء کے مقام سے بھی زیادہ بلند و بالا ہے:

بہت سارے فقہاء کا کہنا ہے کہ علماء کا مقام و مرتبہ صرف عابدوں سے ہی نہیں بلکہ مجاہدین اور شہداء کے مقام و مرتبہ سے بلند ہے۔ مشہور صحابی عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے بقول: قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اللہ کی راہ میں سعادت پانے والے بہت سارے لوگ عالموں کی تکریم کو دیکھ کر یہ چاہیں گے کہ انہیں عالم بنا کر مبعوث کیا جائے"۔ (احیاء علوم الدین للغزالی 18)

حسن بصری کہتے ہیں کہ علماء کی روشنائیوں اور شہیدوں کے خون کو وزن کیا جائے گا اور علماء کی روشنائی کو بوجھل کر دیا جائے گا"۔ (مصدر سابق)

ایک عالم ہی جہاد کے فضائل و فوائد کو جانتا ہے، اس کے شروط و واجبات کا علم رکھتا ہے، جہاد کی فرض عین اور فرض کفایہ قسموں کے مابین تفریق کو جانتا ہے اور لوگوں کو ان چیزوں سے آگاہ کرتا ہے جبکہ ایک جاہل جہاد کی حقیقت سے نا آشنا ہوتا ہے، اسے فرض جہاد اور نفل جہاد کے مابین فرق معلوم نہیں ہوتا ،کبھی تو ایسا ہوتا ہے کہ فرض جہاد کو چھوڑ کر نفل جہاد میں لگ جاتا ہے، کبھی جہاد کے شرعی حدود کا پاس و لحاظ نہیں رکھتا ،جس کی وجہ سے غلط ڈھنگ سے جہاد کرنے کی وجہ سے گنہگار بھی ٹھہرتا ہے۔ خوارج کا فتنہ اس بابت ایک واضح مثال ہے۔ خوارج انتہائی عبادت گزار تھے، فرائض کی ادائیگی کیا کرتے تھے اور اللہ کی راہ میں جہاد بھی کرتے تھے لیکن ان کے پاس علم نہیں تھا جس کی وجہ سے یہ دین اسلام سے خارج ہو گئے۔ انہوں نے بغیر علم کے اجتہاد کیا اور اس اجتہاد نے انہیں کہیں کا نہ چھوڑا۔ یہ مسلمانوں کے خلاف برسر پیکار ہو گئے۔

ایک خارجی لیڈر عبدالرحمن بن ملجم نے علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو قتل کیا اور افسوس کی بات یہ ہے کہ یہ ملعون انسان اپنی اس حرکت کو تقرب الٰہی کا ذریعہ بھی سمجھتا تھا۔

علم اور علماء کی قدر و منزلت:

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: "یرفع اللہ آمنوا منکم والذین اوتوا العلم درجات واللہ بما تعملون خبیر" (سورہ المجادلہ:11) یعنی اللہ تعالیٰ تم میں سے ان لوگوں کے جو ایمان لائے ہیں اور جو علم دیئے گئے ہیں درجے بلند کردے گا اور اللہ تعالیٰ ہر اس کام سے جو تم کر رہے ہو خوب خبردار ہے۔

ہر زمانے میں لوگوں نے اہل علم کے مقام و مرتبہ کو سمجھا ہے اور انہیں بلند و بالا مقام عطا کیا ہے۔ عہد صحابہ کو دیکھیں کہ معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نوعمر ہونے کے باوجود علم کی دولت سے مالا مال ہونے کی وجہ سے حد درجہ عزیز تھے۔ عالم یہ تھا کہ بڑے بڑے صحابہ کرام معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی توقیر کیا کرتے تھے اور انہیں عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھا کرتے تھے۔ ابو مسلم خولانی کہتے ہیں کہ میں دمشق کی ایک مسجد میں داخل ہوا تو دیکھا کہ ایک مجلس میں اجلاء صحابہ تشریف فرما تھے۔ ان کے مابین ایک نوعمر جوان بھی بیٹھا تھا جس کی آنکھیں سرمئی تھیں اور سامنے کے دانت چمکیلے تھے۔ صحابہ کرام کے مابین جب کسی معاملے میں اختلاف ہوتا تو وہ اس تعلق سے اس نوجوان کی رائے لیتے اور اسے اختیار کیا کرتے تھے۔ ابو مسلم خولانی کہتے ہیں کہ میں نے اپنے قریب بیٹھے ایک انسان سے پوچھا کہ یہ کون ہیں؟ اس نے بتایا کہ یہ معاذ بن جبل ہیں۔ (مسند احمد 22117، شعیب ارناؤوط نے اس کی

سند کو صحیح قرار دیا ہے۔)

یہی نہیں، تابعین، تبع تابعین، فقہاء کرام اور علمائے عظام ہر دور میں عزت کی نگاہ سے دیکھے گئے۔امام ابوحنیفہ، امام شافعی، امام مالک، امام احمد بن حنبل، امام بخاری، امام مسلم، امام ابوداود سجستانی، امام ترمذی، امام نسائی، امام ابن ماجہ، امام ابن ابی شیبہ، امام عبدالرزاق بن ہمام، امام ابن سعد، امام دارقطنی، امام نووی، امام ابوحاتم رازی، امام ابن ابی حاتم، امام ابن تیمیہ حرانی، امام ابن قیم جوزیہ، حافظ ابن حجر عسقلانی، جلال الدین سیوطی بلکہ موجودہ دور میں شیخ ابن باز، شیخ البانی، شیخ ابن عثیمین وغیرہ کو جو قدر و منزلت حاصل ہوئی، وہ کسی بھی شخص سے مخفی نہیں ہے۔ان میں سے ہر ایک نے اپنے اپنے زمانے میں لوگوں کے سامنے حق کی وضاحت فرمائی ہے بلکہ امراء و سلاطین کو بھی سیدھی راہ دکھانے کا کام کیا اور نیک نامی حاصل کی۔

علماء کو دوسروں پر مقدم کیا جائے گا:

علماء کرام کی قدر و منزلت کا اندازہ لگانا ہے تو آپ سیر و مغازی اور تاریخ کی کتابیں پڑھیں۔آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ ہر دور میں علماء کو کس قدر عزت و تکریم حاصل ہوئی، نیز امراء و خلفاء نے عالموں کو دیگر افراد پر فوقیت بخشی۔چنانچہ عبدالرحمن بن ابزی کو دیکھیں کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے انہیں اہل وادی کا گورنر متعین کیا تھا حالانکہ وہ ایک غلام تھے اور جب اس بارے میں ان سے سوال ہوا تو انہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ اس مقدس کتاب کے ذریعہ بہت سارے لوگوں کو سربلندی عطا کرتا ہے۔(صحیح مسلم 817)

ایک بار کا واقعہ ہے کہ زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے جنازے میں شرکت کی اور اس کے بعد اپنے خچر پر سوار ہونا چاہا تو عبداللہ بن عباس رضی اللہ

عنہما نے ان کی سواری کا رکاب تھام لیا جسے دیکھ کر زید بن ثابت رضی اللہ عنہ گویا ہوئے: رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بھتیجے! یہ کیا کر رہے ہو؟ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے عرض کیا: ہمیں علماء کے ساتھ ایسے ہی پیش آنے کا حکم دیا گیا ہے۔اس کے بعد زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے ہاتھ کا بوسہ لیا اور کہا کہ ہمیں بھی اہل بیت کے ساتھ اسی عزت کا حکم دیا گیا ہے۔(مدارج السالکین لابن قیم الجوزی2330)

مجاہد بن جبر مکی کو دیکھیں کہ وہ انتہائی کالے کلوٹے انسان تھے لیکن اس کے بعد بھی مرجع خلائق تھے۔

علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے بقول: عالم کا حق ہے کہ اس سے زیادہ سوال نہ پوچھا جائے، جواب دینے کے لئے اسے مجبور نہ کیا جائے، جواب دینے میں سستی کا مظاہرہ کرے تو اس سے الحاح اور ضد نہ کیا جائے، جب اٹھے تو اس کا کپڑا نہ پکڑا جائے، اس کی راز کو فاش نہ کیا جائے، اس کے سامنے کسی بھی انسان کی غیبت نہ کی جائے، اس کی لغزشوں کو نہ ڈھونڈھا جائے۔اگر اس سے کوئی غلطی ہو جائے اور وہ عذر پیش کرے تو اسے قبول کیا جائے۔تم پر ضروری ہے کہ جب تک عالم اوامر الٰہی کی پابندی کرے اس کی عزت وتوقیر کرو، اس کے سامنے نہ بیٹھو اور اسے کچھ ضرورت آن پہنچے تو قوم کو اس کی تکمیل کی کوشش کرنی چاہئے۔(احیاء العلوم الدین للغزالی151)

علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے مزید کہا ہے کہ ایک عالم صوم کی پابندی کرنے والے اور قیام اللیل کا اہتمام کرنے والے مجاہد سے بہتر ہے۔جب کسی عالم کی موت ہوتی ہے تو اس کی وجہ سے اسلام میں ایک خلاء پیدا ہو جاتی ہے جس کی بھرپائی بعد کے لوگ ہرگز نہیں کر سکتے۔(احیاء علوم

الدین للغزالی 17)

امراء وخلفاء کے ذریعہ علماء کی تعظیم وتوقیر کی چند مثالیں: ایسا نہیں ہے کہ علماء کرام کی تعظیم وتکریم صرف عام لوگوں نے ہی کی ہے بلکہ کتب تاریخ کا مطالعہ بتاتا ہے کہ امراء وسلاطین نے بھی علمائے کرام کو شایان شان عزت و مقام عطا کیا۔مشہور واقعہ ہے کہ اموی بادشاہ سلیمان بن عبدالملک ایک بار اپنے دو بیٹوں کے ہمراہ حج کے سفر پر گیا۔دوران سفر حج کے بعض مسائل پوچھنے کی ضرورت پڑی۔تلاش بسیار کے بعد وہ لوگ عطاء بن ابی رباح رحمہ اللہ کی خدمت میں پہنچے۔وہ اس وقت نماز پڑھ رہے تھے۔سلیمان بن عبدالملک اوراس کے دونوں بیٹوں نے انتظار کیا حتی کہ عطاء رحمہ اللہ نماز سے فارغ ہوئے تو انہوں نے اپنے سوالات پوچھے۔عطاء رحمہ اللہ بغیر ان کی طرف متوجہ ہوئے ان کے سبھی سوالوں کے جواب دیئے۔جب وہاں سے فارغ ہوئے تو سلیمان بن عبدالملک نے اپنے بیٹوں کو مخاطب ہو کر کہا: دیکھو! تم لوگ علم کے حصول میں ہرگز سستی و کاہلی مت کرنا، کیونکہ میں اس کالے کلوٹے غلام کے پاس اپنی ذلت کو کبھی بھی فراموش نہیں کر سکتا۔(صفۃ الصفوی لابن الجوزی 2212)

مشہور عباسی خلیفہ مامون نے اپنے بیٹوں کو نحو کی تعلیم کے لئے مشہور نحوی فراء کو مکلف کیا تھا۔ایک دن کا واقعہ ہوا کہ انہوں نے کسی کام سے باہر جانے کا ارادہ کیا تو مامون کے دونوں بیٹے ان کی جوتیوں کو سیدھی کرنے کے لئے جھگڑ پڑے۔آپ تصور کیجئے کہ خلیفہ وقت کے صاحبزادے اپنے استاذ کی جوتیوں کو سیدھا کرنے کے لئے لڑ پڑتے ہیں، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اس زمانے میں علماء کرام اور اساتذہ عظام کو کافی قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا اور

ہر طبقہ کے لوگ انہیں وہ عزت دیا کرتے تھے جن کے وہ حقیقی معنوں میں مستحق ہیں۔

یہ رہے کتاب وسنت اور تاریخ کے ذخیرے سے علمائے کرام کے بعض فضائل۔ ہم سبھی پر ضروری ہے کہ ہم علمائے کرام کی عظمت ورفعت کا خیال رکھیں اور ان کی توہین یا تنقیص کر کے اپنی عاقبت خراب نہ کریں۔ علمائے کرام رب تعالیٰ کے محبوب بندے ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں اپنے دین کے لئے انتخاب فرماتا ہے لہذا، ان کی تنقیص انتہائی سنگین جرم اور گناہ کا باعث ہے۔ ہمیں چاہئے کہ ہم علمائے کرام کی عزت وتوقیر کریں اور ان کی اہانت کر کے گناہ میں مبتلا ہونے سے بچیں۔ اللہ ہمیں اس کی توفیق ارزانی فرمائے۔ آمین

❖❖❖

حضرت علامہ اندرابی صاحب کے

تبلیغی اور علمی و قلمی خدمات

عبدالحمید نعیمی
متعلم دارالعلوم شاہ ہمدان پانپور کشمیر

نابغہ عصر، یکتائے روزگار، یگانہ زمانہ اور وادیٔ کشمیر کے عظیم سپوت حضرت علامہ الحاج سید محمد اشرف صاحب اندرابی القادری الحنفی رحمۃ اللہ علیہ کی تبلیغی اور علمی خدمات پر کچھ روشنی ڈالنے سے قبل ان کی ابتدائی نشونما اور تعلیم و تربیت پر سرسری نظر ڈالنا ایک لازمی امر ہے۔ بعدازاں آپ کے تبلیغی اور عملی خدمات پر کچھ عرض کیا جائے۔

حضرت کی پیدائش مورخہ ۶ ستمبر ۱۹۲۶ء وادی کشمیر ضلع پلوامہ کے ایک محلقہ گاؤں جڈورہ میں ہوئی آپ کے والد گرامی قبلہ حضرت سید محمد امین اندرابی صاحب اپنے دور کے مشہور پیر طریقت تھے۔

لہٰذا آپ کی ابتدائی پرورش اور دینی تعلیم و تربیت اپنے ہی گھر میں اپنے والد گرامی کے سائے میں ہوئی اور مروجہ تعلیم بھی آپ نے ابتداء اپنے ہی آبائی گاؤں جڈورہ کے گورنمنٹ پرائمری اسکول میں پائی اور پھر مڈل اسکول پلوامہ سے مڈل پاس کر کے گورنمنٹ ہائی اسکول پلوامہ سے میٹرک پاس کیا

چونکہ آپ کے جد بزرگوار حضرت سید احمد صاحب اندرابی اپنے دیگر فرزندران کے ساتھ اس وقت غیر منقسم ہندوستان صوبہ پنجاب کے شہر گوجرانوالہ میں سکونت پذیر تھے۔

لہٰذا آپ کے والد گرامی نے آپ کو میٹرک پاس کرانے کے بعد ۱۹۴۲ء کے اواخر میں مزید اعلیٰ دینی ومروجہ تعلیم حاصل کرنے کیلئے شہر گوجرانوالہ روانہ کیا اور آپ نے وہیں پر اعلیٰ مروجہ تعلیم کے ساتھ ساتھ مزید دینی (عربی وفارسی) تعلیم حاصل کی۔ اس کے بعد بارہویں جماعت پاس کر کے ۱۹۴۵ء کے اوائل میں دوسال کی مدت کیلئے دارالعلوم دیو بند میں داخلہ لیا۔ تاکہ درس نظامی (جس کا ان دنوں تعلیمی میدان میں کافی وزن مانا جاتا تھا بلکہ اس کا یہ وزن تقریباً ۲۰۰۵ء تک بالکل قائم تھا مگر بعد ازاں طلباء کے جی چرانے اور اساتذہ کی عدم توجہی سے اس کا وزن قدرے کم پڑ گیا ہے) کی تکمیل کر کے باضابطہ فضیلت حاصل کریں۔ اور ایسا ہی ہوا۔ نیز اس کے ساتھ ساتھ آپ نے بی۔ اے (گریجویشن) بھی مکمل کر لیا۔ اس دوران آپ کو دیو بند میں مولانا حسین احمد مدنی اور مولانا حافظ چراغ صاحب وغیرہ سے خاصا تلمذ رہا۔

چونکہ آپ نے ابتدائی عربی اور فارسی تعلیم اپنے ہی خاندانی افراد سے ایک خاص ماحول میں ایک اچھے معیار تک حاصل کی تھی اس لئے دارالعلوم دیو بند میں اس دور کے اختلافی ماحول کا آپ پر کوئی خاص اثر نہیں پڑا۔ اگر چہ سادہ لوحی اور صاف ذہنی کی وجہ سے کچھ کم وکاس اثرات پڑ بھی گئے تھے۔ مگر بعد میں اپنی خاندانی گرفت اور اعلیٰ حضرت رحمتہ اللہ علیہ کی تصنیف حسام الحرمین اور تمہید ایمان کے گہرے اور بالاستیعاب مطالعہ سے وہ اثرات مکمل

طور پر زائل ہوئے اور ذہن وفکر کی کامل تطہیر ہوگئی اور ایسا حضرت نے خود راقم الحروف سے بیان کیا ہے۔

۱۹۴۶ء کے وسط میں آپ درس نظامی کے فارغ التحصیل بھی تھے اور سرکاری تعلیم کے اعتبار سے بی اے پاس یعنی گریجویٹ بھی تھے۔ فراغت کے بعد آپ دیوبند سے واپس گوجرانوالہ پہونچے سلسلہ عالیہ قادریہ کی عروۂ وثقیٰ میں آپ اپنے ہی جد بزگوار حضرت سید احمد صاحب اندرابی کے درست حق پرست پر پیوستہ ارادت ہوئے ہیں۔

یکم اکتوبر ۱۹۴۶ء کو گرونانک خالصہ کالج لاہور کی جانب سے آپ کو (عارضی) عربی لیکچرار کا آرڈر ملا اور مبلغ ۷۵ روپے ماہانہ کفافہ پر آپ نے ۷/اکتوبر ۱۹۴۶ء کو مذکورہ کالج میں بحیثیت عربی لیکچرار جوائن کیا۔ بعدازاں چونکہ ۱۹۴۷ء میں تقسیم ہند کا معاملہ پیش آیا لیکن آپ کا مشغلہ یوں چلتا رہا۔ اور آپ پاکستان شہر گوجرانوالہ ہی میں رہ گئے۔

مگر چونکہ آپ کے والد گرامی، والدہ ماجدہ اور دیگر برادران سرزمین کشمیر ضلع پلوامہ کے جڈورہ نامی گاؤں (چونکہ آپکا پیدائشی گاؤں بھی تھا) میں سکونت پذیر تھے۔ اسلئے ۱۹۵۰ء کے آس پاس آپ وارد کشمیر ہوکر اپنے والدین کریمین کی خدمت میں حاضر ہوئے اور پھر مستقل سکونت یہی پر اختیار فرمائی اور یہاں آکر آپ ۱۹۵۲ء میں سرکاری محکمہ تعلیم میں ایک اچھے اور قابل استاد کی حیثیت سے گورنمنٹ ہائی اسکول ویری ناگ میں تعینات ہوئے۔ چونکہ آپ ایک قابل اور ماہر استاد ہونے کے ساتھ ساتھ ایک بلند فکر اور بالغ نظر عالم دین بھی تھے اس لئے آپ سرکاری ہائی اسکول کی تدریسی خدمات تک ہی محدود نہ رہ سکے۔ بلکہ آپ نے ایک جواں سالہ اور جواں جذبہ

و بلند حوصلہ عالم دین کی حیثیت سے وہیں ویری ناگ ہی میں مسند خطابت بھی سنبھالا اور وعظ وتبلیغ کے مشن کو خاصا فروغ دیا۔

تبلیغی خدمات کا آغاز:۔

حضرت علامہ اندرابی صاحب نے اپنے تبلیغی مشن اور خدمات کا آغاز جنوبی کشمیر کے علاقہ ویری ناگ سے فرمایا، اور دوران ملازمت ہی وہاں پر ایک مستقل ادارہ اوقاف اسلامیہ کی بنیاد ڈالی۔ غلبہ اشاعت دین کے جذبے کے تحت اسی ادارہ اوقاف اسلامیہ کے تحت ایک پرائمری درجہ کا پرائیویٹ اسلامیہ اسکول بھی قائم کیا جو کہ آج ترقی کر کے کامیاب اسلامیہ مڈل اسکول کی صورت میں اپنی منزل مقصود کی جانب بڑی آب وتاب کے ساتھ رواں دواں ہے، نیز مشن کو مزید فروغ دینے کیلئے آپ نے یہیں پر ایک عظیم الشان جامع مسجد کی بنیاد ڈالی اور اس کو تعمیر کرا کے اپنے تبلیغی خدمات کا ایک عظیم مرکز بنایا اور اپنی زندگی کے نوجوانی اور سنہرے دور کے ۱۶ر سولہ سال اسی جنوبی کشمیر میں گذارے۔

بعد ازاں حضرت علامہ اندرابی صاحب علیہ الرحمہ ۱۹۶۷ء میں ویری ناگ سے مزید ترقی پا کر گورنمنٹ ہائر سیکنڈری اسکول پلوامہ منتقل ہوئے۔ ضلع پلوامہ چونکہ آپ کا آبائی علاقہ بھی تھا اور اس وقت آپ تعلیمی تدریسی اور تبلیغی میدان کے ۲۱ر سالہ تجربہ سے بھی گذر چکے تھے۔

لہٰذا آپ نے بلا کسی تاخیر وتامل کے ضلع پلوامہ کی مرکزی جامع مسجد شریف میں مسند خطابت کو سنبھالا اگرچہ ان دنوں وہاں حضرت مولانا سید غلام مصطفیٰ صاحب اندرابی رتنی پورہ زیب مسند تھے پر وہ خود معمر بھی تھے اور ان کو آپ پر بڑا فخر بھی تھا اس لئے آپ نے تقریباً ۱۳ر سال یہاں پر بھی بڑی

بے باکی کے ساتھ اپنے تبلیغی خدمات انجام دینے میں کوئی کمی نہیں چھوڑی۔آپ کا علمی اور فکری جاہ وجلال روز فزوں تر ہوتا جا رہا تھا اس ۱۹ر سالہ تبلیغی دورانیہ میں آپ کی علمی، ادبی اور فکری کمند نہ صرف ریاست جموں و کشمیر کے اطراف واکناف میں جا لگی تھیں بلکہ برصغیر پاک و ہند کے مشاہیر علماء ودانشوروں میں آپ کا شمار ہونے لگا تھا۔اور دیکھتے ہی دیکھتے وادی کشمیر کی سرکردہ علمی اور روحانی شخصیات کے منظور نظر اور معتمد خاص بھی بن گئے جن میں کئی چند کے اسمائے گرامی ذیل میں ذکر کرنا اخلاقی طور لازمی معلوم ہوتا ہے۔

۱۔ حضرت سید مولانا غلام مصطفیٰ صاحب اندرابی رتنی پورہ پلوامہ

۲۔ حضرت سید مولانا شمس الدین غمگین اندرابی رتنی پورہ پلوامہ

۳۔ حضرت مولانا قاضی غلام محمد صاحب اسلام آباد والد محترم علامہ ڈاکٹر قاضی نثار احمد صاحب

۴۔ میر واعظ شوپیاں پیر غلام محمد شاہ صاحب مرکزی جامع مسجد شوپیاں

۵۔ حضرت مولانا امام غلام رسول صاحب بجبہاڑہ۔

۶۔ حضرت علامہ سید محمد قاسم شاہ بخاری صاحب نور باغ سرینگر۔

۷۔ فقیر ملت حضرت سید میرک شاہ صاحب کاشانی شالیمار سرینگر۔

بلکہ علامہ بخاری صاحب کے آپ دست راست تھے اور ان کے شانہ بشانہ انجمن تبلیغ الاسلام میں کچھ مدت تک اعلیٰ تنظیمی خدمات بھی انجام دیتے رہے۔

اخلاص وللہیت، اعمال صالحہ، زہد وتقویٰ اور علمی میراث حضرت علامہ اندرابی صاحب کا ہتھیار واسلحہ، زاد سفر اور عظیم سرمایہ تھا۔مزید برآں فروغ

مشن کا جذبہ جنون کی حد تک سوار تھا اس لئے آپ نے پوری وادی کے کونے کونے میں جا کر بکثرت تبلیغی اسفار کئے جس کی وجہ سے آپ کی مقبولیت اور آپ کا علمی شہرہ شرقاً غرباً ساری وادی پر چھا گیا اور آپ کی تبلیغی خدمات کا دائرہ کافی وسیع ہو گیا۔ کیونکہ آپ نے اپنے تبلیغی مشن (سفر) کے دوران عقائد اہل سنت کی خوب ترویج بھی کی اور جم کر دفاع بھی کیا۔ تبلیغی میدان کے ایک مردمجاہد بن کر پوری ریاست میں فروغ مشن کا فریضہ بھی انجام دیا اور اپنا علمی لوہا بھی منوایا۔

مگر اس سب کے باوجود آپ کا علمی جلال، فکری بلندی اور شعور و نظر کی گہرائی و گیرائی ایک مستقل خود مختار اور آزاد سٹیج و پلیٹ فارم (مسند خطابت) کا تقاضا کرتی تھیں جس کے پیش نظر آپ نے ۱۹۸۰ء کے اوائل میں وشہ بگ پلوامہ کے مقام پر بہت ہی بلند پائے ولی کامل حضرت میر سید ظہور الدین اور حضرت میر فرید الدین رحمتہ اللہ علیہما کے روحانی سائے میں ایک عظیم الشان خانقاہ کی بنیاد ڈالی اور اس کی ایک مستقل اوقاف کمیٹی بھی تشکیل دی اور اس کی تعمیر اور انتظام و انصرام اس اوقاف کمیٹی کے ذمہ کر دیا اور ۱۹۸۰ء کے اواخر سے لے کر ۲۰۱۶ء کے وسط تک مسلسل ۳۵ سال ایک عظیم وارث نبی کی حیثیت سے حضرت علامہ اندرابی صاحب نے اپنے بے لوث تبلیغی خدمات انجام دئے۔

علمی خدمات کا آغاز:۔

حضرت علامہ اندرابی صاحب علیہ الرحمہ نے اگرچہ جزوی طور اپنے علمی خدمات کا آغاز ۱۹۵۴ء کے آس پاس ہی کر لیا تھا اور علاقہ ویری ناگ میں جز وقتی درسگاہ جات کے قیام کے ساتھ ساتھ ایک پرائیویٹ پرائمری اسلامیہ

اسکول بھی قائم کیا تھا مگر اصلاً آپ نے اپنے علمی خدمات کی شروعات ۱۹۷۰ء کے آس پاس اسی وقت کی جب ضلع پلوامہ کے شرعی مسائل حل کرنے کی ذمہ داری آپ کے سر آ گئی۔ اور آپ نے دینی و شرعی مسائل کا حل باضابطہ تحریری طور پر کرنا شروع کیا اور ''خادم شریعت پلوامہ'' کے نام کی ایک دستخطی مہر بنوائی جو آپ تحریری فیصلہ جات کے آخیر میں ثبت کرتے تھے۔

ہاں میدان میں آ کر آپ نے ۱۹۹۰ء میں علمی خدمات انجام دینے کیلئے درسو پلوامہ کے مقام پر حضرت سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نام نامی اسم گرامی سے ایک اسلامی مدرسہ دارالعلوم نعمانیہ کی سنگ بنیاد ڈالی اور غالباً ایک منزل کے قریب تک تعمیر بھی کر لی لیکن نصیب دشمنان بعض ناعاقبت اندیش شر پسندوں نے مذکورہ عمارت کو منہدم کر دیا جس سے آپ سخت دل برداشتہ اور رنجیدہ خاطر ہوئے اور راجیاً راجع الی اللہ ۱۹۹۳ء میں قائم ہونے والے ایک عظیم دینی ادارہ دارالعلوم شاہ ہمدان کی سرپرستی خالق تقدیر اور مالک لوح وقلم نے آپ کے دامن میں ڈال ڈی۔ جہاں پر اللہ کریم کی توفیق سے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عنایت اور حضرت شاہ ہمدان کے روحانی فیض سے آپ کی سرپرستی میں شاہ ہمدان میموریل ٹرسٹ کے نام سے ایک مضبوط و مستحکم ٹرسٹ وجود میں یا جس کے تحت دو مستقل تعلیمی ادارے ا۔ دارالعلوم شاہ ہمدان، ۲۔ ہمدانیہ مشن ہائی اسکول اپنی منزل کی جانب رواں دواں ہے، جبکہ راقم الحروف ناچیز بھی اسی دارالعلوم شاہ ہمدان کا ایک ادنیٰ سا متعلم ہے۔

پانپور میں ایک عظیم علمی مرکز قائم کرنے کے باوجود آپ کی پیاس نہ بجھ سکی اور اپنے آبائی علاقہ قصبہ پلوامہ کا آپ کو اس لحاظ سے بہت بے چینی تھی لہٰذا آپ سے سرزمین مونگہامہ پلوامہ میں (جو کہ پلوامہ ٹاؤن کے ساتھ ہی

منسلک ہے) ایک اسلامی ادارہ دارالعلوم غوثیہ ہمدانیہ کی بنیاد ڈال کر ایک بڑا ذاتی ادارہ بھی قائم کیا۔

جبکہ ۲۰۱۲ء میں وہیں پر ایک عالی شان مدرسۃ البنات بھی قائم کیا جو کہ بڑا ہی کامیاب رہا۔ اور اخیر وقت تک اس کے بانی ہونے کے ساتھ ساتھ مہتمم اعلیٰ کی حیثیت سے علمی خدمات انجام دے رہے تھے، علاوہ ازیں پاکستان گوجرانوالہ میں بھی ایک اسلامی مرکز مدرسہ قادریہ کے نام سے قائم فرمایا ہے۔ جب کہ اسی علمی و دینی خدمت کے جذبے کے تحت آپ مزید کئی مدارس اسلامیہ (اہلسنت) کی سنگ بنیاد رکھی ہے۔ جن کی فہرست کافی طویل ہے۔

جرائدو رسائل کی ادارت :۔ یوں تو حضرت علامہ اندرابی صاحب علیہ الرحمہ حضرت علامہ سید محمد قاسم شاہ بخاری صاحب کے دور ہی میں انجمن تبلیغ الاسلام جموں و کشمیر سے شائع ہونے والے ماہنامہ ''التبلیغ'' کے مدیر رہے ہیں مگر بعد میں آپ نے ایک الگ رسالہ ماہنامہ ''ختم نبوت'' دارالعلوم شاہ ہمدان پانپور سے شائع کیا اور اس کے نہ صرف مدیر اعلیٰ تھے بلکہ اکثر مضامین میں آپ ہی کے علمی شہ پارے شائع ہوا کرتے تھے۔ بعد ازاں کچھ مختصر سے وقفے کے بعد شاہ ہمدان میموریل ٹرسٹ پانپور نے آپ ہی کی سرپرستی میں ایک اعلیٰ معیار کا نیا رسالہ ''ماہنامہ المصباح'' شائع کیا جس کے آپ اخیر وقت تک مدیر اعلیٰ تھے اور آپ نے مذکورہ رسالے کے اداریوں میں وہ علمی و قلمی خدمات پیش کئے جو واقعی آپ ہی کا حصہ تھا جن میں سے چند اداریوں پر مشتمل ''مقالات اندرابی'' نامی تر جیم کتاب آپ کی علمی اور قلمی خدمات کی عظیم شاہکار رہے۔

تقاریظ وتصانیف:۔

مذکورہ ہر سہ رسالوں کے اداریہ جات اور مقالات اندرابی کے علاوہ آپ نے برصغیر پاک وہند کے بڑے بڑے عظیم علماء ودانشوراور سکالروں کی عظیم فنی تصانیف پر کثرت کے ساتھ اپنی گرانمایہ اوراعلیٰ پایہ کی تقاریظہ جلیلہ سپرد قرطاس فرمائی ہیں جس پر ان تمام علماء و دانشوروں کو فخر اور ناز ہے بلکہ آپ کا بلند پایہ اور مصلحانہ قلم اپنی علمی سوغات وخیرات لٹا کر وادئی کشمیر کے کئی مشہور ومعروف موئف وقلمکاروں کے نہ صرف مربی و مصلح بلکہ قبلہ نما بھی ثابت ہوا ہے۔

اس پر مستزاد یہ کہ آپ نے فتنہ مرزائیت کی بیخ کنی کیلئے ایک بلند پایہ اعلیٰ تحقیقی رسالہ ''ختم نبوت'' تصنیف فرمایا اور مرزائیوں کو ناکوں چنے چبوائے جبکہ مغرب زدہ مولوی وحیدالدین خان کے نئے سامراجی فتنے سے قوم وملت کو ہر وقت آگاہ فرماتے ہوئے حضرت علامہ اندرابی رحمتہ اللہ علیہ نے ''وحیدالدین خان کا سائنٹفک اسلام یا ماڈرن ارتداد' نامی رسالہ (جو کہ علمی دلائل اور تحقیقی شواہد سے لبریز ہے) تالیف کر دیا اور اس مرتد زمانہ کی بروقت سرکوبی فرمائی اوراس کے علاوہ آپ کے بعض علمی شہ پارے عقیدت کے حسین اور دائمی رنگ میں نعوت ومناقب کے کئی گلدستوں کی زینت بنے ہوئے ہیں جو عاشقوں کیلئے قلبی وروحانی سکون کا سامان کرتے ہیں اور کرتے رہیں گے۔

آخری بات:۔

ان تمام تبلیغی وعلمی خدمات کے علاوہ مزید برآں یہ کہ حضرت علامہ اندرابی صاحب علیہ الرحمہ کے قائم کردہ مدارس اسلامیہ میں جو سینکڑوں

فرزندان اسلام اور امت کی بے شمار بیٹیاں آپ کی نگرانی اور سر پرستی میں دینی، اخلاق اور روحانی تعلیم وتربیت سے روشناس ہوتے ہیں یہ بھی آپ ہی کی علمی خدمات کا نہ صرف ایک عظیم حصہ ہے بلکہ ایک بڑا تسلسل ہے جو آگے بھی انشاء اللہ قائم رہے گا۔ اللہ تعالیٰ حضرت علامہ صاحب کے یہ تمام دینی، علمی اور تبلیغی خدمت قبول فرمائے اور ان کو اس کا جزائے خیر عطا فرمائیں اور ہم سب کو آپ کے علمی اور روحانی فیض سے مالا مال فرمائے آمین بجاہ النبی الامین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وصحبہ اجمعین۔

☆☆☆☆

”سنے کون قصۂ درد دل؟
میرا غمگسار چلا گیا“

سید بلال احمد کرمانی، سرینگر

احقر کو بیرون ریاست دوران سفر شاہ ہمدان میموریل ٹرسٹ کے ایک معزز ذمہ دار کا فون آیا انہوں نے احقر کو جناب انجینئر نذیر صاحب کے حوالے سے مضمون برائے ”امیر اہل سنت نمبر“ کا تقاضا کیا میں نے سفر کا عذر کر کے واپس آ کر مضمون دینے کا وعدہ تو کیا لیکن اسی لمحے میری زبان پر حضرت سیدی مرشدی پیر نصیر صاحب گولڑوی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ شعر آیا ؎

”سنے کون قصہ درد دل؟ میرا غمگسار چلا گیا“

ہائے حضرت امیر اہل سنت سید محمد اشرف اندرابی عاصمؔ قادری رحمۃ اللہ علیہ! کیا لکھوں اور کہاں سے شروع کروں اور کہاں پر ختم کروں۔ کچھ سمجھ نہیں پا رہا ہوں کیا آپ کی قادری خانوادے میں ہوئی ولادت لکھوں یا آپ کا اولیاء کرام کی گود میں گذرا ہوا بچپن لکھوں یا آپ رحمۃ اللہ علیہ کا علماء اور عرفاء سے دینی تعلیم حاصل کرنا لکھوں پھر دنیاوی تعلیم بھی اعلیٰ درجہ کی حاصل کرنا لکھوں ،آپ کا اولیاء کرام کی خدمت گذاری کرنا لکھوں یا پھر گوجرانوالہ پاکستان میں آپ کے گذاری ہوئی زندگی پھر کشمیر آنا اور تحریک آزادی کشمیر میں آپ کا

سرگرمی سے حصہ لینا، بحیثیت استاد مختلف سرکاری تعلیمی اداروں میں آپ کی خدمات لکھوں، علامہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ آپ کا مسلمانان کشمیر کی رہنمائی کرنا لکھوں، شاہ ہمدان میموریل ٹرسٹ کی بناء ڈال کر حضرت امیر کبیر میر سید علی ہمدانی کے مشن کے تئیں آپ کی حق ادائی، المصباح کی ادارت اور تبلیغی سرگرمیوں کی بازگشت یا آپ کا صوفی صافی مزاج لیکن باطل کے لئے ننگی تلوار ہونا لکھوں، آپ کی فکری اور پیامی شاعری کی بات کروں، نوجوانوں کو قلم ہاتھ میں دے کر سکھانے والا لکھوں، آپ کی نظروں کا وادی میں انقلاب لانے والے صالح نوجوانوں کا ڈھونڈنا لکھوں یا آپ کا افراد سازی کرنے کا کارنامہ لکھوں، کیا کیا لکھوں؟ مختصراً یہ لکھوں کہ جس کے لئے لکھنے کا حکم ہے وہ، ایک فرد ہی نہیں بلکہ تنظیم اور تحریک تھا، جس کو ہم زمین پر چلتا پھرتا دیکھ رہے تھے لیکن اب تہہ خاک ''نم کنومۃ العروس'' کے حکم کے تحت آرم فرما ہیں اسی لئے تو احقر نے جو قطعہ تاریخ کہا ہے وہ یوں ہے

سیدی اشرف کہ عارف، ہادیِ راہِ یقیں (۱۴۳۷)
عشقِ احمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا سجا کر داغ نکلے بر جبیں
اور ندائے ''اِرجِعی''پر ہوگئے جنت نشیں
عالمِ برحق سے خالی ہوگئی یہ سرزمیں

لیکن موت ایک حقیقت ہے جس کا عرفان صاحبان حق کو اس چند روزہ زندگی سے کہیں زیادہ ہوتا ہی ہے۔ حضرت امیر اہل سنت علامہ اندرابی رحمۃ اللہ علیہ انہی صاحبان حق میں سے تھے یہی وجہ ہے کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ اکثر فرماتے تھے کہ میں اللہ کا شکر کس زبان سے ادا کروں کہ اس نے مجھے ساری عمر مکاریوں، جعلسازیوں سے پاک اور محفوظ رکھا، حق کہنے کی توفیق عطا کی

اس سلسلے میں آپ اکثر ایک واقعہ بیان فرماتے تھے کہ جب حضرت علامہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد جب ان کا کشمیری زبان میں کیا ہوا ترجمہ قرآن کفایت البیان چھاپنے کی تیاری ہوئی انہوں نے یہ فرمایا تھا کہ یہ ترجمہ مولینا اندرابی کو دکھا کر ہی شائع کیا جائے لیکن ان کی حیات ظاہری میں میرے ساتھ کوئی رابطہ نہ کیا گیا علامہ بخاری صاحب کے انتقال کے بعد ایک روز میں سرینگر برادران نسبتی کے ہاں گاڑی میں لعل بازار جارہا تھا کہ جناب مولینا شوکت حسین کینگ صاحب ملے اور انہوں نے کتابت شدہ مواد میرے سامنے پیش کرتے ہوئے کہا کہ آپ ذرا اس مسودہ کو دیکھیں، میں نے دورانِ سفر کتابت شدہ، چھپنے کے لئے تیار مسودہ کو دیکھنے سے منع کیا کیونکہ یہ کسی بھی لحاظ سے موقع ومحل تھا ہی نہیں دیکھنے کا۔ چونکہ مسودہ میرے ہاتھ میں تھم چکا تھا اور جناب کے بے حد اصرار پر میں نے حسبنا اللہ ونعم الوکیل پڑھ کر مسودہ کو گاڑی میں ہی کھولا تو اللہ کا کرم کہ سورہ فتح پر مسودہ کھلا، میں نے نظر دوڑائی تو لیغفر لک اللہ ما تقدم من ذنبک وما تاخر کا ترجمہ وہی کیا تھا جس پر اکثر علماء اہل سنت کو اعتراض ہے اس لئے جناب کینگ صاحب سے کہا کہ یہ کیا ترجمہ ہے یہ کس نے کیا ہے جناب بخاری صاحب جیسے درویش و دور بین و زمانہ شناس اور صاحب علم ایسا ترجمہ کر ہی نہیں سکتے ہیں اس پر جناب کینگ صاحب نے فرمایا کہ علامہ بخاری صاحب نے بہت سی جگہوں پر ایسا ہی ترجمہ کیا تھا لیکن میں نے اس کو صحیح کر دیا، جیسا کہ سورہ والضحیٰ میں، بہر حال جب ترجمہ چھپ کر آ گیا مجھے تقریب اجرا میں خصوصی دعوت دی گئی تو میں حیران رہ گیا کہ ترجمہ کے بارے میں پیش لفظ میں یہ غلط کہا گیا ہے کہ میں نے دیکھا ہے دوسرا یہ کہ اگر میں نے دیکھا ہے تو سورہ فتح کے بارے میں جو

نشاندہی کی ہے، مگر اس کے باوجود صحیح نہیں کیا گیا اس کے پیچھے کون سی نیت کار فرما ہے۔

عقائد حقہ کی اشاعت کے لئے حضرت قبلہ اندرابی صاحب ہمیشہ متفکر رہتے تھے آپ فرماتے تھے کہ اس کام کو کرنا کار دارد ہے اس میں ایک طرف سے خیر الامور اوسطھا والا مزاج ہو دوسری جانب ادعوا الی سبیل ربک بالحکمۃ پر نظر رہے پھر یہ کہ شارع علیہ السلام نے انا سید ولد آدم ولا فخر کی سخت قید لگائی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ میری ساری زندگی دعوت دین میں صرف ہوگئی لیکن آج تک کسی نے اختلاف نہ کیا بلکہ اتفاق ہی کیا ہے حضرت فرماتے تھے کہ دوردرشن سرینگر والوں نے ایک بار مجھے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے عنوان پر بولنے کی دعوت دی میں پہنچا تو ان سے عنوان پوچھا، عنوان تھا ''حضرت ابراہیم اور تلاش حق'' میں یہ عنوان دیکھ کر چونک پڑا میں نے انچارج کو بُلا کر کہا کہ یہ عنوان بالکل غلط ہے کس نے دیا ہے بے چاروں نے اپنی بے بسی کا اظہار کر کے میری طرف سے سیکھنے کے لئے وضاحت چاہی تو میں نے ان سے کہا کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام منزل من اللہ ہوتے ہیں یعنی اللہ کی طرف سے انسانیت کو وحدانیت کا سبق پڑھانے پر مامور ہوتے ہیں اور معرفت الٰہی سے مالا مال ہوتے ہیں یعنی یہ حضرات آتے ہی استاد بن کر ہیں سکھانے آتے ہیں سیکھنے کی حاجت نہیں ہوتی ہے۔ اس پر ان لوگوں نے یہ اعتراض کیا کہ پھر حضرت ابراھیم کے بارے میں قرآن کا یہ فرمان کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تاروں کو دیکھا کہا ہاں یہی خدا ہیں کیا ہے؟ پھر جب وہ ڈوب گئے آپ نے فرمایا کہ ڈوبنے والے خدا نہیں ہو سکتے، تو ثابت ہوا کہ حضرت ابراھیم خدا کو نہیں پہچانتے تھے۔ اس بات پر حضرت علامہ اندرابی

نے فرمایا کہ اس جگہ قرآن پاک میں تو پہلے حضرت ابراہیم آزر اور اس کی پوری قوم کو بتوں کے پوجنے پر کھلی گمراہی سے آگاہ کرتا ہے یہ سبق نعوذ باللہ انجان حضرت ابراہیم نے کہاں سے سیکھا تھا اصل میں حضرت ابراھیم حق اور باطل کا ادراک رکھتے ہی ہیں بس کبھی لوگوں کو براہ راست ڈراتے ہیں کبھی لوگوں کو باندازِ استفہام یعنی سوالیہ انداز میں عملاً یہ دکھاتے اور سکھاتے تھے کہ ہر مخلوق کو کمال کے ساتھ زوال اور ہر زوال کے ساتھ کمال ہوسکتا ہے مگر معبود پر زوال نہیں ہوتا معبود زوال سے پاک ہے جن کو آپ پوجتے ہو ان پر زوال لازم ہے اس لئے وہ معبود نہیں ہو سکتے ،حضرت نے اصل پروگرام سے پہلے ہی ایک بڑا پروگرام دیدیا جس کی وجہ سے اس حساس ادارے کے ذمہ داران کے عقائد کی اصلاح ہوگئی اس کے بعد عنوان یوں بنا کہ ''حضرت ابراہیم اور دعوت حق'' آپ کا پروگرام چلا خوب چلا عالمانہ شان اور اس پر قرآن مقدس کو پیش کرنے کا انداز جو کہ آپ کا خاصہ تھا آپ اکثر فرماتے تھے کہ حضرت مولانا بخاری صاحب کے ساتھ وادی کے اطراف واکناف میں تبلیغی اسفار میں درس قرآن کی ذمہ داری مجھے ہی رکھی جاتی تھی درس کے بعد اکثر علامہ بخاری فرماتے کہ مولینا آج تو آپ نے کمال کردیا یہاں پر علامہ بخاری کے حسن انتخاب کی داد دے رہا ہوں کہ واقعی فقیر تیسری آنکھ سے دیکھتا ہے۔حضرت اپنے تبلیغی اسفار کے بارے میں ایک لطیف بات فرماتے تھے کہ ایک بار سوپور کے خانقاہ معلیٰ میں انجمن کی ضلعی کانفرنس منعقد ہوئی جس میں جموں سے قاری عبدالنبی صاحب جونابینا تھے آئے ان کی خاص بات یہ تھی کہ ان کے پاس ایک کاندھے پر لٹکانے والا بیگ ہمیشہ موجود ہوتا تھا جس میں وہ کتابیں موجود رہتی تھیں جن میں چند دیوبندی و دیگر علماءِ وہابیہ نے حضور

اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں گستاخی اور بے ادبی کی ہے کوئی بھی اس قبیل کے آدمی سے آمنا سامنا ہوجاتا یا کسی کی اصلاح کرنی ہوتی تو قاری عبدالنبی صاحب نابینا ہونے کے باوجود اپنے بیگ میں ہاتھ ڈال کر کتابوں کے اندر سے وہی کتاب نکالتے جس میں گستاخی کی یہ عبارت درج ہوتی تھی پھر کتاب نکال کر خود ہی وہ صفحہ اور پھر سطر پر ہاتھ رکھ کر دکھاتے اور فرماتے کہ یہ دیکھئے یہ ہے گستاخی ،ہم لوگ حیران رہ جاتے کہ بھلا نابینا کون ہے اور بینا کون؟ اس بات کی مذید تصدیق احقر کو تب ہوئی جب ماہ ربیع الاول میں احقر کو ننگلی سوپور کی جامع مسجد میں میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سلسلے میں دعوت دی گئی تھی تو احقر نے دوران تقریر حضرت امیر اہل سنت کے دورہ سوپور کا تذکرہ کیا اور قاری عبدالنبی صاحب کا بھی تذکرہ کیا تو اس مسجد شریف کے متولی نے بھی اس واقعہ کی تصدیق کی اور قاری عبدالنبی صاحب کے ساتھ اپنی ملاقاتوں کے بارے میں چند اہم باتیں بتائیں۔

اپنے اس صوفیانہ مزاج اور مجاہدانہ جذبہ میں حضرت علامہ اندرابی صاحب کے اسلاف اور ساتذہ کا براہ راست ہاتھ ہے خصوصاً آپ کے والد بزرگوار کا، آپ کے اساتذہ میں علامہ حافظ چراغ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا جنہوں نے عربی میں العرف الشذی شرح جامع ترمذی کے نام سے شرح لکھی ہے آپ حضرت علامہ انور شاہ صاحب کشمیری کے مایہ ناز شاگردوں میں شمار ہوتے تھے گوجرانوالہ پاکستان میں آپ کا بہت بڑا مدرسہ اس وقت بھی قائم ہے حضرت شاہ صاحب کشمیری کے شاگردوں میں سے حضرت میرک شاہ صاحب اندرابی سے بھی آپ نے فیض حاصل کیا بلکہ آپ اکثر حضرت میرک شاہ صاحب کے بارے میں فرماتے تھے کہ جب دیوبند میں

پڑھائی شروع کی تو مہتمم دیو بند حضرت میر میرک شاہ صاحب اندرابی جو حضرت علامہ انور شاہ صاحب کشمیری کے سب سے چہیتے شاگرد تھے اوران کو حضرت شاہ صاحب زیرک شاہ کہتے تھے نے مجھے اپنے دفتر اہتمام میں بُلا کر فرمایا کہ اندرابی یاد رکھو کہ اس ادارے سے صرف علم حاصل کرو عقائد اپنے اسلاف کے ہی

رکھو اوران پر مضبوطی سے کار بند رہو یہی حضرت شاہ صاحب کا منشا بھی تھا اوران سے ہم نے یہی سیکھا ہے یہاں بات حضرت میرک شاہ صاحب کی آئی تو یہ بھی بتاتا چلوں کہ حضرت شاہ صاحب کشمیری رحمۃ اللہ علیہ جب وارد کشمیر ہوئے تو سب سے پہلے یہاں کی زیارات پر حاضری دی بلکہ خانقاہ معلیٰ سرینگر میں خطاب بھی فرمایا حضرت سلطان شیخ حمزہ مخدوم رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت پر گئے تو حضرت میرک شاہ صاحب بھی آپ کے ساتھ تھے حضرت شاہ صاحب نے نیچے والے دروازے پر ہی اپنے جوتے اتارے اور ننگے پیر حضرت سلطان کی بارگاہ میں جانے لگے تو حضرت میرک شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے آپ سے عرض کی کہ حضرت آپ نے جوتے یہیں پر کیوں اُتارے حضرت شاہ صاحب گویا ہوئے دعنی علیٰ حالی ھٰذا مقام الشھود مجھے میرے حال پر چھوڑ دو یہ مشاہدہ کا مقام ہے، واپسی پر حضرت میرک صاحب نے عرض کی کہ آپ نے مشاہدہ کے ذریعہ حضرت محبوب العالم کو کہاں پایا آپ نے فرمایا کہ ابدالیت تک مشاہدہ میں نہ آئے حضرت کا مقام اُس سے اوپر ہے۔ یہی زیرک شاہ یعنی حضرت میرک شاہ صاحب اندرابی دارالعلوم دیوبند کے کئی سال سے مہتمم اور استاد حدیث بھی رہے اور آپ کئی کتابوں کے مصنف بھی ہیں انجمن حمائت الاسلام جموں وکشمیر نے آپ کی ایک کتاب

حیات النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عنوان پر شائع بھی کی تھی حضرت علامہ اندرابی کو شیخ الاسلام حضرت حسین احمد مدنی سے بھی شرف تلمذ حاصل تھا حضرت کا وہ واقعہ بھی آپ سناتے تھے کہ مدینہ شریف میں روضہ اقدس کے سامنے جب حضرت مدنی درس حدیث دے رہے تھے تو دوران درس حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیاتی کی بات آئی تو شاگردوں میں سے کسی نے سوال کیا کہ کیا آج بھی حضور حیات ہیں ؟ تو حضرت مدنی نے روضہ مبارکہ کی طرف نظر اُٹھائی تو شاگردوں نے بھی اُدھر دیکھا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم روضہ مبارکہ میں تشریف فرما دکھ رہے تھے نظریں وہاں سے جوں ہی پھریں تو منظر اوجل ہو گیا لیکن حضرت علامہ اندرابی صاحب موجودہ علماء دیو بند میں آج یہ روش دیکھنے کو ترستے تھے اور فرماتے تھے کہ چند علماء دیو بند سے کچھ سخت غلطیاں ہوئی ہیں جن کا احساس اسی ادارہ میں پڑھے ہوئے بہت سے اکابرین کو تھا انہی غلطیوں کی طرف اعلیٰ حضرت مولینا احمد رضا خان صاحب نے ان کو توجہ بھی دلائی تھی مگر وہ درست کرنے کے بجائے بُرا مان گئے حالانکہ اعلیٰ حضرت کے علم اور عشق مصطفے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے علماء دیو بند کے علاوہ باقی مکاتب فکر کے علماء بھی سر تسلیم خم کئے ہوئے تھے احسان الٰہی ظہیر نے البریلویہ نامی کتاب میں من گھڑت الزامات اعلیٰ حضرت پر لگائے تو علماء اہل حدیث نے ہی سب سے اول احسان الٰہی ظہیر سے یہ کہہ کر اختلاف کیا کہ نہیں ، احمد رضا بالکل ایسے نہ تھے ہاں ہمارے ان کے ساتھ نظریاتی اختلافات ہیں لیکن وہ ایک عالم باعمل تھے ان پر یہ الزامات درست نہیں ، اسی طرح حضرت فرماتے تھے کہ علماء دیو بند میں سے بھی ایک نہیں بلکہ اکثر اس بات کو تسلیم کرتے تھے ۔ ’’خدا بھی جھوٹ بول سکتا ہے‘‘ کے نظریہ کے خلاف تو اعلیٰ حضرت نے ’’سبحان السبوح علی

الکذب المقبوح'' لکھ کر یہ نظریہ رکھنے والے علماء کو ساقط کر دیا کوئی واپس جواب ہی نہ دے سکے اور یہ بات تو سبھی جانتے ہیں کہ مولینا تھانوی تمنا کرتے تھے کہ اس عاشق نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے ایک نماز پڑھے، مجھے تعجب ہے کہ کاش تھانوی صاحب نے اعلیٰ حضرت کی طرف سے نشاندہی کی گئی ان کی متنازعہ عبارات پر ذرا غور کیا ہوتا اور ان کو اس گستاخانہ انداز میں لکھنے کے بجائے کئی اور طریقوں سے لکھا ہوتا جسے ناموس رسالت پر آنچ نہ آتی تو آج برصغیر ہند و پاک کے مسلمانوں میں اتنی دوری نہ ہوتی خصوصاً اہل سنت دو طبقوں میں دیوبندی اور بریلوی میں بٹے نہ ہوتے ،اعلیٰ حضرت علم و ورع میں تقویٰ و پرہیزگاری میں اعلیٰ پایہ رکھتے تھے اور اس پر فقاہت اور عشق مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ اللہ ،انسان حیران رہ جاتا ہے کہ آج کی دنیا میں فرقہ پرستی نے انسانوں کو اندھا بنا ڈالا ہے مولینا احمد رضا خان صاحب نے علماء دیوبند کی چند عبارات میں گستاخی پائی لیکن خود اس اعلیٰ پایہ کے فقیہہ ہونے کے باوجود بھی احتیاط اس قدر تھی کہ خود فتویٰ کفر نہ دیا بلکہ ان گستاخ عبارات کو علماء عرب کے روبرو پیش کیا اور انہوں نے فتویٰ دے دیا اسی لئے تو اعلیٰ حضرت نے ان فتاویٰ کو ایک کتابی شکل دے کر ''حسام الحرمین'' نام رکھا (یعنی حرمین کی تلوار) آپ کا یہ طرہ تھا کہ تصانیف کا نام ایسے رکھتے کہ تاریخ تصنیف بھی نام میں نہاں ہوتی تھی افسوس ہے کہ چند لوگ اس جلیل القدر عالم دین کے بارے میں یا تو بے علمی کی بنیاد پر یا فرقہ پرستی کے جنون میں غلط پروپیگنڈہ کر رہے ہیں۔

جناب بشیر صاحب نحوی نے ایک دن یونیورسٹی میں عشق رسول اور علامہ اقبال کے موضوع پر سیمینار کا اہتمام کیا تھا جہاں پر یونیورسٹی پروفیسرز کے علاوہ

چند مولوی حضرات نے بھی تقاریر کیں آخر پر حضرت علامہ اندرابی صاحب کی باری آئی تو حضرت نے علامہ اقبال کے بارے میں سامعین تک یہ بات پہنچائی کہ علامہ فقیر تھے کبھی اتنا سرمایہ جمع نہ ہوا کہ حج پر چلے جاتے لیکن اس کے باوجود بھی اس قلندر لاہور نے خیالات میں حج کر ہی ڈالا علامہ اقبال نے اس خیالی سفر حرمین کو منظوم قلمبند بھی کیا اس کو پڑھتے پڑھتے بالکل محسوس ہی نہیں ہوتا ہے کہ یہ خیالات کسی ایسے شخص نے لکھے ہیں جو کبھی حج پر نہیں گیا ہے اسی سفر نامہ میں علامہ جب مدینہ پہنچتا ہے تو فوراً فرط محبت میں روضہ مبارکہ کی جالی کے سامنے یہ عاشق سجدے میں گر جاتا ہے تو نزدیک ہی کھڑے وہاں پر نگرانی پر معمور ذمہ داران علامہ اقبال کو پکڑ کر بادشاہ عبدالعزیز کے پاس لے جاتے ہیں اور شکایت کرتے ہیں کہ یہ ہند سے آیا ہوا عجمی روضہ مبارکہ کے سامنے سجدہ میں تھا تو علامہ سے جب شاہ عبدالعزیز نے پوچھا کہ سجدہ کیوں کیا یہ جائز نہیں ہے؟ اس پر علامہ نے برجستہ جواب دیا ؎

سجودے نیست اے عبد العزیز ایں
بروبم از مژہ خاکِ درِ دوست

اے عبدالعزیز ! یہ سجدہ نہیں تھا بلکہ میں دربار نبوی کو اپنی پلکوں سے خاک روبی کر رہا تھا اس پر بادشاہ لاجواب ہوگیا اور اس کو باعزت بری کر دیا گیا اس طرح قلندر لاہور نے جو کرنا تھا کر بھی لیا اور احسن حیلہ کر کے آزادی بھی حاصل کی۔ اس کے برعکس ایک اعلیٰ پایہ کا فقیہہ اور عاشق رسول احمد رضا باضابطہ سفر حج پر گئے یہ عاشق صادق جب درِ محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر پہنچا تو کیا کہا ذرا سنئے (حضرت یہ اشعار ترنم میں پڑھا کرتے تھے اور اپنے سر مبارکہ کو خوب ہلاتے تھے) ؎

پیشِ نظر وہ نوبہار سجدے کو دل ہے بے قرار
روکئے سر کو روکئے یہی تو امتحان ہے

یہ دیکھئے تو سہی! کس طرح مولینا احمد رضا کا عشق مصطفٰی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شریعت مصطفٰی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں ڈوبا ہوا ہے، یہ ہے ایک عاشق کی پہچان جو عاشق کے ساتھ ساتھ اعلیٰ پایہ کے عالم بھی ہیں یہی وجہ کہ کمال عشق ہونے کے بعد بھی عالم نے سجدہ نہ کیا لیکن افسوس کہ کم علم و کم ظرف اسی عظیم المرتبت شخصیت پر انگلیاں اٹھاتے ہیں یہ نا انصافی نہیں تو کیا ہے میں حیران رہ جاتا ہوں کہ یہ اعلیٰ پایہ کا عالم و عاشق کس قدر فقیرانہ زندگی گذار رہا ہے فقر و فاقہ میں شدت ہوئی تو ایک محب نے آپ سے گذارش کی کہ آپ فی البدیہہ اشعار کہتے ہیں تو نان پارہ کے راجہ کی شان میں قصیدہ کہئے تا کہ وہ آپ کے نام مستقل وظیفہ جاری فرمائیں گے اعلیٰ حضرت خاموش رہے کہنے والے کو کل آنے کو کہا تا کہ قصیدہ سنے اگلے دن وہ آئے تو اعلیٰ حضرت نے تازہ قصیدہ بادشاہ کے لئے نہیں بلکہ عالمین کے شہنشاہ سرور کائینات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں نعتیہ قصیدہ لکھا تھا وہ سنایا جس کا مقطع یہ ہے کہ ؎

کروں مدح اہل دول رضا پڑے اس بلا میں میری بلا
میں گدا ہوں اپنے کریم کا میرا دین پارۂ ناں نہیں

حکمرانوں کی مدح کو گناہ عظیم کہتے ہوئے نان پارہ کو پارۂ ناں کر کے اپنی بات بھی بتائی اور اعلیٰ فن شاعری کا بھی اظہار کیا یہ پایہ اعلیٰ حضرت کا ہی تھا اور یہ سرمائیہ فقر بھی ان ہی کا خاصہ ہے ورنہ روٹی کے لئے تو بہت سارے علماء نے بادشاہوں کی شان میں قصائد لکھے بھی ہیں۔لیکن جو فقیر عشق مصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم سے لبریز ہو وہ کبھی شکم کی بھینٹ نہیں چڑھتا بلکہ ؎

دو جہاں ملک اور جو کی روٹی غذا
اس شکم کی قناعت پہ لاکھوں سلام

علامہ اندرابی صاحب نے حضرت پیر جماعت علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ جیسے بزرگوں کی زیارت کی تھی جنہوں نے اسلام کی بقاء اور سلامتی کے لئے اپنے رات اور دن قربان کئے ہیں حضرت پیر جماعت علی شاہ صاحب نے پوری دینا میں صالحین کی ایک جماعت تیار کی تھی جو تقویٰ و پرہیزگاری میں اعلیٰ مقام رکھتے تھے حضرت پیر جماعت علی شاہ صاحب محدث علی پوری رحمۃ اللہ علیہ کو امیر ملت کا خطاب ملا ہے آپ تحریک پاکستان کے بانیان میں سے ہیں بلکہ قائداعظم کے پیر ومرشد بھی ہیں آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑہ رحمۃ اللہ علیہ نے قبل از وقت کہا تھا کہ مرزا قادیانی حضرت پیر جماعت علی شاہ کا شکار ہے بالکل ویسا ہی ہوا کہ جب مرزا قادیانی ہیضہ کا شکار ہو کر مر گیا تو اس وقت بھی امیر ملت اس قادیانی مرتد کی کمین گاہ کو گھیرے ہوئے تھا اور حضرت پیر صاحب نے فرمایا تھا کہ آج قادیانی کے مرنے کی خبر آئے گی بالکل حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے دشمن نبی کے گھر کو گھیرے میں لیا اور صبح کو خبر آئی کہ قادیانی ہیضہ کی بیماری کا شکار ہو کر بیت الخلاء کے اندر ہی واصل جہنم ہو گیا مسلمانوں نے دشمن نبی کے ختم ہونے پر خوشیاں منائی ، حضرت پیر جماعت علی شاہ صاحب علی پوری رحمۃ اللہ علیہ پچاس سے زائد بار حج بیت اللہ کی زیارت پر گئے تھے آپ کے ساتھ مریدین کی بڑی جماعت ہمیشہ ساتھ رہتی تھی حضرت نے شدھی تحریک اور اس کے گستاخ رسول بانیان کو خاک میں ملا دیا اکثر حضرت اندرابی صاحب فرماتے تھے کہ پیر جماعت علی شاہ صاحب اکیلے ایک بڑی جماعت تھے کشمیر

بھی کئی بار آئے تھے اور پوری دنیا میں حضرت کے مریدین تھے ۔حضرت علامہ اندرابی صاحب کو حکیم اہل سنت حکیم محمد موسیٰ صاحب کی صحبت حاصل تھی جو خلیفہ اعلیٰ حضرت علامہ سید ضیاء الدین مدنی سے بیعت تھے، حکیم صاحب کا مطب لاہور میں تھا حضرت علامہ اندرابی اکثر ان کی صحبتوں کا ذکر چھیڑ کر اشک بہاتے تھے ۔آپ فرماتے تھے کہ حکیم صاحب اپنے مطب پر جب ایک طرف بیماروں کی نبض پکڑ کر دوا لکھتے تھے تو وہیں دوسری طرف یونیورسٹیوں کے طلبا اپنی تحقیقی کاوشوں کے سلسلے میں معلومات حاصل کرنے کے لئے پیش ہوتے ،آپ دِکھتے حکیم تھے لیکن اصل میں خزینہ معلومات تھیز مانہ ساز اور نبض شناس تھے آج کی زبان میں اینسایکلو پیڈیا تھے علامہ اندرابی صاحب حکیم اہل سنت کے بارے میں فرماتے تھے کہ وہ فقیر کیا نہیں جانتا تھا ڈاکٹر مسعود احمد صاحب کو ماہر رضویات بنانے والا یہ لاہور کا حکیم ہی تھا بلکہ دعوت اسلامی کے مولینا الیاس صاحب حکیم صاحب کا ہی حسن انتخاب ہیں اس سلسلے میں علامہ اندرابی صاحب ایک عجیب قصہ سناتے تھے کہ حکیم صاحب نے فرمایا کہ ایک دن اپنے مطب پر بیٹھے تھے کہ باہر سے کسی شخص نے حکیم صاحب کو آواز دی ، جناب حکیم صاحب کا خادم باہر نکلا تو ایک فقیر تھا جس کے کاندھے پر جھولا لٹکا تھا لنگی کرتہ پہنے تھا ایک پاؤں روڑ پر اور دوسرا پٹری پر تھا خادم نے اندر جا کر حکیم صاحب سے عرض کی کہ حضرت کوئی فقیر آیا ہے اس پر حکیم صاحب نے کچھ ریز گاری خادم کو دے کر کہا کہ لو یہ فقیر کو دے آو، خادم چلا گیا اور اس مسافر کو دینے لگا اس پر مسافر نے خادم سے کہا کہ حکیم صاحب سے کہہ دیں کہ دہلی سے ارشد آیا ہے خادم اندر آیا اور حکیم صاحب سے کہہ دیا کہ کوئی فقیر ہے کہہ رہا ہے حکیم صاحب سے کہہ دیں کہ دہلی سے

ارشد آیا ہے، حکیم صاحب ''دہلی سے ارشد'' سن کر فوراً سب کام چھوڑ کر باہر نکلے جوں ہی فقیر پر نظر پڑی تو بے ساختہ زبان سے نکلا کہ واقعی جو آپ کی تحریروں کو پڑھ کر اپنی آنکھوں میں آپ کی فقیری کا نقشہ کھینچا تھا بالکل وہی نقشہ ہے جناب مولینا ارشد القادری صاحب ،فقیر کو محمد موسیٰ کہتے ہیں دونوں آپس میں بغل گیر ہو گئے اور اندر آئے ،مسافر اصل میں علامہ ارشد القادری تھے ۔مطب میں بیٹھے تھے گفتگو ہو رہی تھی تو علامہ ارشد القادری نے تذکرہ چھیڑا کہ حکیم صاحب مستقبل میں تبلیغی جماعت سنیت کے لئے ایک بڑا خطرہ بن رہی ہے کیا اس کا سد باب کرنے کے لئے ہم اسی طرح کوئی تنظیم قائم نہیں کر سکتے اس پر حکیم صاحب نے فرمایا کہ کیوں نہیں بلکہ میری نظروں میں کراچی کا ایک بچہ ہے جس میں سماجی خدمت کرنے کا بڑا شوق ہے، بہت ہی متقی اور پرہیز گار بچہ ہے نام الیاس ہے ،حضرت علامہ ارشد القادری صاحب جیسے فقیر نے دعوت کا ایک نقشہ تیار کیا اور دوسری طرف حکیم محمد موسی صاحب فقیر نے اس دعوتی تحریک کا امیر مقرر کیا تو اللہ تعالیٰ نے دو فقیروں کے شروع کئے ہوئے اس کام کو کم وقت میں اتنی مقبولیت دی کہ آج پورے عالم میں دعوت اسلامی کے چرچے ہیں۔

حضرت علامہ اندرابی صاحب نے ایسے لوگوں کا دیدار ہی نہیں بلکہ ان کی صحبتیں حاصل کی تھیں ان صحبتوں نے حضرت کو بے باک کر دیا تھا آپ میں ڈر نام کی کوئی چیز نہ تھی لیکن سینہ حکمت سے پُر تھا ساری زندگی اسلام کے لئے وقف کی لیکن تصنع اور بناوٹ نزدیک بھی نہ آسکیں بالکل فقیرانہ زندگی گذاری حالانکہ جب مولینا علی میاں صاحب ندوی نے صلوۃ الغوثیہ کے متعلق یہ لکھا کہ یہ نماز کعبہ کے بجائے بغداد کی طرف رخ کر کے پڑھی جاتی تھی تو

قادری فرزند کی رگ حمیت اس قدر جاگ اُٹھی کہ فوراً قلم اٹھا کر علی میاں ندوی صاحب سے مخاطب ہوئے کہ جناب کم سے کم پڑھا تو کریں آپ جیسے عالم دین سے اتنی لاعلمی کا اظہار ہو حیرت ہے ۔ساری دنیا جانتی ہے کہ صلواۃ الغوثیہ دو رکعت نفل نماز قبلہ یعنی کعبۃ اللہ کی طرف منہ کر کے ہی پڑھی جاتی ہے ہاں جب سلام پھیرتے ہیں تو گیارہ قدر بغدا شریف کی جانب چل کر دعا کرتے ہیں۔ افسوس ہے آپ حضرات کی اس اسلاف بیزاری اور کذب بیانی پر۔حضرت کے خط نے ساقط کر دیا بے پر کی اُڑانے والوں کو۔

آپ نے حضرت حسین احمد مدنی صاحب سے باضابطہ احادیث مبارکہ کا درس لیا تھا آپ فرماتے تھے کہ حضرت مدنی صاحب وہابی عقائد کے بالکل نہ تھے بلکہ حضرت مدنی کی مشہور کتاب شہاب ثاقب میں محمد بن عبدالوہاب نجدی کی پوری پول کھول کر رکھ دی ہے۔مولینا منظور نعمانی صاحب نے جب محمد بن عبدالوہاب نجدی کو بچانے کیلئے ''ایک بدنام مصلح'' کے نام سے کتاب لکھی تو حیرت کی بات یہ تھی کہ نعمانی صاحب نے لکھا تھا کہ مولینا مدنی کے جو محمد بن عبدالوہاب نجدی کے متعلق خیالات تھے انہوں نے ان سے اخیر عمر میں رجوع کیا ،حضرت علامہ اندرابی صاحب فرماتے تھے کہ یہ بات پڑھ کر میں نے حضرت مدنی کے بڑے خلیفہ مولینا نجم الدین اصلاحی جنہوں نے مکتوبات شیخ الاسلام مرتب کئے تھے کو خط لکھ کر مولینا نعمانی کی یہ تحریر پیش کرتے ہوئے ان سے پوچھا کہ کیا حضرت مدنی اخیر عمر میں محمد بن عبدالوہاب نجدی کے بارے میں اپنے شہاب ثاقب والے عقیدے سے پلٹ گئے تھے؟ جوابی خط میں اصلاحی صاحب نے فرمایا کہ میرے پیر و مرشد علامہ مدنی کے محمد بن عبدالوہاب نجدی کے متعلق آخری سانس تک وہی خیالات

تھے جوانہوں نے شہاب ثاقب نامی کتاب میں لکھے تھے۔ یہ مکتوبات حضرت امیر اہل سنت کے مکتوبات میں موجود ہیں۔

علامہ اندرابی کو ان صحبتوں نے نقطہ سنجی سکھائی تھی حضرت علامہ سید محمد قاسم شاہ صاحب بخاری صاحب کی رحلت کے بعد سکہ ڈافر میں مجلس میں پہلی بار احقر نے حضرت کو دیکھا اور حضرت کا خطاب سنا آپ نے دوران خطاب فرمایا کہ ''ہر محب مطیع ہوتا ہے مگر ہر مطیع محب نہیں ہوسکتا'' میں یہ پہیلی سمجھنے سے قاصر تھا کہ فوراً دوران خطاب ہی حضرت نے فرمایا کہ شائد آپ کو سمجھنے میں دشواری ہو لیجئے سمجھئے کہ یار غار حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو حضور سے محبت تھی یعنی محب تھا اس کے بعد اطاعت بھی کرتا تھا اللہ تعالیٰ نے اس یار غار کو محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ابدی ساتھ عطا فرمایا دوسری طرف عبداللہ بن ابی منافق بھی اطاعت کرتا تھا مگر محبت نہ تھی باوجود اطاعت کے بھی، مسلمان نہ ہونے کا اعلان قرآن نے کیا تو ثابت ہوا کہ اطاعت مصطفیٰ کی بنیاد محبت مصطفیٰ پر ہونی چاہیئے تب جا کر اطاعت دربار خداوندی میں درجہ قبولیت حاصل کرتی ہے۔اس بات سے احقر کو ایک ایسی تسکین عطا ہوئی جس کا عرصہ دراز سے متلاشی تھا چند علم کی کتابیں بھی پڑھی تھیں کچھ کچھ صحبتیں بھی حاصل کی تھی مگر آج تک بے چینی بڑھتی ہی جا رہی تھی تو آج جو تقریر میں نکتہ سنا تو سکون روح و جان اور اطمینان قلب حاصل ہونے کے ساتھ ہی جیسے ایک نظریہ اور ایک حقیقت یکا یک آشکارا ہوئی کہ پوری دنیا بدل گئی ہم اعمال کی بنیاد پر اسلام کی بنیاد رکھتے ہیں لیکن اصل یہ ہے بقول اقبال ؂ عشق پر اعمال کی بنیاد رکھ ، حقیقی نظریہ دین داری یہی عشق مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔ حضرت علامہ اندرابی نے ساری عمر اسی نظریہ کی ترویج و اشاعت میں صرف کی اور کبھی اعتدال کو ہاتھ

سے جانے نہ دیا اس میں کتابوں سے زیادہ صحبتوں کا اثر تھا۔اعلیٰ نسبت صحبت اور علم کتابی نے حضرت علامہ اندرابی صاحب کو بقول مجدد الف ثانی ؎ مسکین احمد فرد شو در جملہ عالم مرد شو در راہ حق چوں گرد شو مشغول شو در ذکر ھو انہی اشعار کا پرتو بنایا تھا جس کی زندہ مثال حضرت کی وہ علمی، عملی و قلمی کاوشیں ہیں جو مہر تاباں بن کر آج بھی ایک تابندہ تاریخ کی صورت میں موجود ہیں لیکن افسوس کہ ہماری وادی میں ایسے گوہر اور ایسے جوہر پہچاننے والے وہ حضرات نہ رہے جناب پروفیسر بشیر احمد نحوی صاحب نے حضرت علامہ اندرابی کے پاس اپنے والد محترم جناب غلام حسن نحوی صاحب مرحوم کے منظوم کشمیری کلام کا مسودہ بغرض تبصرہ بھیجا حضرت علامہ نے مسودہ دیکھا کلام اور تخیل پر داد دی لیکن ایک شعر نے حضرت کو انتہائی محظوظ کیا وہ شعر یہ تھا ؎

یہ چُھ نوکتہ نوزک زانہ سُوئے یس آسِہ نظر تیز

دارالسلامک میزبان مہمان مدینک

حضرت فرماتے تھے کہ اس شعر میں معنی کے سمندر ہیں اور اس شعر کو سمجھنے کے لئے چھٹی حِس ہونی چاہئے اور اس حساسیت کے بارے میں خود شاعر نے بھی پہلے مصرعے میں صاف صاف کہہ دیا ہے کہ ’’یہ چُھ نوکتہ نوزک زانہ سوئے یس آسہ نظر تیز‘‘ اس لئے اگلے مصرعے ’’دارالسلامک میزبان مہمان مدینہ‘‘ پر کمال ہوشیاری کی ضرورت ہے۔اصل میں دارالسلام جنت کا نام ہے جیسے ہم ہر نماز کے بعد پڑھتے ہیں ’’وادخلنا دارالسلام‘‘ یعنی ہمیں سلامتی والے گھر (جنت) میں داخل فرما، تو شاعر کہتا ہے جنت کا میزبان مدینے کا مہمان ہے یعنی مکہ شریف و مدینہ شریف میں حجاج کرام کا میزبان خود اللہ تعالیٰ ہے

لیکن جنت میں جنتیوں کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود میز بانی کریں گے جو مکہ سے مدینہ تشریف لا کر خود مہمان مدینہ ہیں۔اسی لئے اس مصرعہ میں شاعر نے بڑی عمدگی سے یہ نکتہ کہا ہے کہ ؎ دارالسلامک میزبان مہمانِ مدینک یہ باریکیاں علامہ اندرابی کے ہی حصہ میں آئیں تھیں حضرت نے اس کتاب پر جو تبصرہ کیا اس میں بھی اس شعر کا یہ مذکورہ تذکرہ کیا زبانی بھی جناب نحوی صاحب سے کہلوایا کہ یہ ضرور لکھیں ۔

امیر شریعت علامہ بخاری صاحب کے علاوہ تمام علماء کشمیر آپ کے قدردان تھے یہ آپ کی ذاتی قابلیت ،ذہانت اور اعلیٰ صلاحیت تھی جس کی وجہ سے اہل کشمیر نے آپ کو امیر اہل سنت کا لقب دیا حالانکہ آپ کو القابات ،خطابات وغیرہ میں بالکل بھی دلچسپی نہ تھی۔اس سلسلے میں ایک بار باضابطہ شاہ ہمدان میموریل ٹرسٹ سے نکلنے والے رسالہ المصباح میں تحریراً بھی اپیل شائع کروائی ،ہاں علماء کرام سے بے حد محبت کرتے تھے خصوصاً علامہ شرف قادری مرحوم ،علامہ اشرف جلالی ،علامہ یسین اختر مصباحی ،علامہ اسد اللہ مصباحی نظامی وغیرہ سے ان کے کام کی وجہ سے بے حد محبت کرتے تھے ۔بیرون ریاست سے جب بھی علماء کرام یہاں تشریف لاتے تو پہلے حضرت ہی سے ملاقی ہوتے یا ملاقی ہونے کا اظہار کرتے ۔علامہ یسن اختر مصباحی اعلاناً کہا کرتے تھے کہ کشمیر میں اگر عالم دین ہے تو وہ علامہ اندرابی صاحب ہیں۔دہلی کی شاہی مسجد کے امام وخطیب عالی جناب علامہ مفتی محمد مکرم صاحب حضرت سے مل کر بہت خوش ہوئے حضرت ان کے عالیشان علمی خاندان سے بالکل واقف تھے مفتی مظہر اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور پھر اسی خاندان کے چشم و چراغ ماہر رضویات ڈاکٹر مسعود صاحب مرحوم اوران کے علمی وقلمی

کارنامے ہمیشہ زبان پر رہتے تھے آخری ایّام میں برادر مکرم انجینیر فضل اللہ چشتی ایک جلسہ میں شرکت کے سلسلے میں کشمیر تشریف لائے تو حضرت بستر علالت پر تھے بہت ہی کمزوری آئی تھی ہم سب حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے یہ ان دنوں کی بات ہے جب دہلی میں صوفیاء کانفرنس کا انعقاد ہونا تھا۔تو حضرت نے بستر علالت پر فضل اللہ صاحب سے کہا کہ کاش آج میرا ہاتھ چلتا تو ایسا مضمون لکھتا کہ صوفیا کرام کے نام پر سیاسی اسٹیج سجانے والوں کے دانت کھٹے کر دیتا۔ارے وہ کیا جانیں صوفیاء کرام کیا تھے۔صوفیاء کرام تو حکمرانوں کی طرف دیکھنا بھی پسند نہ کرتے تھے چہ جائیکہ ان کو اپنے درباروں میں بلاتے ،ہائے افسوس آج صوفیاء کرام کے نام پر ایسے لوگوں سے کانفرنس کا آغاز کرایا جارہا ہے جن کی آستینوں سے خون مسلم ابھی بھی ٹپک رہا ہے۔

علامہ اندرابی صاحب عالم باعمل ،عارف باللہ ہونے کے ساتھ ہی ساتھ مجاہد فی سبیل اللہ بھی تھے ۔جب دہلی کے وحید الدین خان نے خاتمیت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر ڈاکہ ڈالنے کی کوشش کی تو سب سے پہلے کشمیر سے اسی مجاہدانہ مزاج رکھنے والے فقیر نے اُس کو للکارا جسے وہ دم بخود ہو کر رہ گیا پھر باقی لوگ بھی جاگ گئے لیکن ناموس رسالت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا پہلا محافظ یہی مجاہد تھا۔حضرت ان نوجوانوں سے بے حد محبت کرتے تھے جن میں دینی حس اور اسلامی قدروں کی حفاظت کا جذبہ ہو،نذیر صاحب انجینیر ،قاضی عبد القیوم صاحب، و دیگر اپنے رفقاء کے علاوہ ان نوجوانوں سے بھی محبت کرتے تھے جو عملاً شاہ ہمدان ٹرسٹ کے ساتھ وابستہ نہ تھے مگر کسی بھی طرح سے دینی خدمت میں مشغول رہتے ہیں ایسے حضرات کے بے حد قدردان تھے میرے دوست سید عارف قادری آف نارہ بل نے جب ''رسالہ ذکریہ'' تصنیف کیا تو حضرت دیکھ کر

خوش ہوئے حضرت کا اظہار محبت کچھ اس طرح بول رہا تھا ''محبت مجھے اُن جوانوں سے ہے ستاروں پہ جو ڈالتے ہیں کمند'' حضرت اندرابی کام کرنے والوں کو پسند کرتے تھے نام ونمود کو حضرت سم قاتل سمجھتے تھے کام کے بجائے نام ونمود کے قائل لوگوں خصوصاً ان واعظین کو جو اسلام کے نام پر غیر سنجیدہ ہوکر غیر مستند باتیں کرتے ہیں ان سے بے حد پریشان تھے حضرت نے چونکہ اکابر دیوبند کو نزدیک سے دیکھا تھا یہی وجہ ہے آج کے اس دور میں اس مکتب فکر کے علماء ومفتیان سے اور ان کے افکار اور تحریروں سے بھی حیران و پریشان تھے وادی میں مسلمانان اہل سنت میں فکری تناو کی ذمہ داری اِس وقت کے وادی کے مولویان ومفتیان دیوبند کے سر رکھ کر فرماتے تھے کہ کاش کوئی ان کا پردہ چاک کرتا احقر کی تحقیقی تصنیف '' آئینہ حق نما'' حضرت کی انہی تمناؤں اور دعاؤں سے وجود میں آئی ۔کشمیر میں مکتب فکر دیوبند کے وابستگان نے چند بار '' آئینہ حق نما'' کے بارے میں شکایتاً کہا تو حضرت ان کو فوراً بتاتے کہ عزیز القدر بلال صاحب نے تو اکابر دیوبند کے ہی حوالے دئے ہیں کیا آپ نے دیکھے نہیں؟ یہاں پر جو کچھ بھی اس وقت دین میں بے ضابطہ گیاں ہورہی ہیں اس کے ذمہ دار خود یہاں کے اس وقت کے بے توفیق مفتیان وعلماء دیوبند ہیں ، بلال صاحب نے تو آپ کو آئینہ دکھایا تو بُرا کیوں مان گئے ہو اپنی اصلاح کریں اسلاف کرام کا دامن تھام لیجئے بد قسمتی سے ان حضرات اہل اللہ کا دامن تھامنے کے بجائے ،آپ ان کو مشرک و کافر کہنے میں مشغول ہو ے

تف نجدیت نہ کفر نہ اسلام سب پہ حرف

بہر حال آج اگر حضرت ہم میں نہیں ہیں لیکن ان کی فکر اور ان کی جهد

مسلسل سے کئی بڑے چھوٹے ادارے وافراد وجود میں ضرور آئے جن میں حضرت کا قائم کردہ بڑا ادارہ ''شاہ ہمدان میموریل ٹرسٹ پانپور ہے، مونگہ ہامہ میں دارلعلوم غوثیہ، مدرسۃ البنات پلوامہ اس وقت وادی کشمیر میں نمایاں طور پر اپنا علمی، تبلیغی وتحریری کام انجام دے رہے ہیں یہ اعزاز احقر کو بھی حاصل ہے کہ جو بھی دینی کام احقر نے کیا حضرت علامہ کی سرپرستی ونگرانی میں اوران کی اجازت سے ہی کیا۔ کتاب ''آئینہ حق نما'' ہو یا ''ایمان سوز سوال کا ایمان افروز جواب'' ہو اسکولی طلبہ کے لئے ''اسلامیات'' ہو الحمدللہ سب حضرت کی نظروں میں تھیں اور بڑے شاداں وفرحاں تھے۔ اس وقت بھی احقر دہلی، احمد آباد اور حیدر آباد کے دورے پر اپنی نئی تصنیف ''منتخب المشکوٰۃ فی شان سید الکائنات'' کے لئے علماء کرام سے تقاریظ لکھانے کے لئے ہی آیا ہوں یہ تصنیف بھی حضرت علامہ کی اجازت سے ہی تیار کی ہے۔

مستعدین للموت کے مصداق حضرت امیر اہل سنت دنیا سے اپنی واپسی کے بارے میں ہمیشہ تیار اور مستعد رہتے تھے خصوصاً اب کی بار بالکل تیار ہی تھے اسی لئے تو حضرت نے اپنے فرزند نسبتی جناب حمید صاحب کو باضابطہ غسل وتجہیز وتکفین کے مسائل سکھائے تا کہ وہ حضرت کو غسل اور آخری رسومات انجام دینے کا فریضہ بحسن خوبی انجام دے سکے۔ یہ ان سب حضرات کے لئے ایک بہترین درس ہے جو اپنی اچھی نسبتوں کو ناموں کے ساتھ لکھنا نہیں بھولتے ہیں لیکن ان نسبتوں نے جو کام کیا ہے اور جو کام کرنے کے لئے دیا ہے اس کو اپنے بچوں کو سکھانے کی زحمت گوارا نہیں کرتے ہیں جس کی وجہ سے غیر تو ہم پر غالب آ ہی گئے ہیں لیکن اپنے وہ اولاد جن کی طرف ہماری توجہ دینی اعتبار سے نہ رہی وہی ہم سے بغاوت کر کے ہم سے بھاگ رہے ہیں۔

آخری ایام میں جناب مولینا شوکت حسین کینگ صاحب اور جناب کینگ صاحب کے پروردۂ خاص علامہ مفتی مبارک حسین نعمانی حضرت کی خدمت میں آئے چونکہ دمِ واپسیں کے پیش نظر حضرت نے جناب کینگ صاحب کو اِن کی طرف سے ''سیرت البخاری'' میں لگائے گئے بے جا الزامات کی طرف توجہ دیتے ہوئے فرمایا کہ مولینا ! اب دم واپسیں ہے بتائیے جو الزامات آپ نے سیرت البخاری میں اس فقیر پر لگائے ہیں کیا وہ سچ ہیں؟ اگر سچ ہیں تو اس قران مقدس پر ہاتھ رکھ کر قسم کھائیں ۔ اگر نہ رکھیں گے تو پھر قیامت کے دن میرا ہاتھ ہوگا اور آپ کا گریبان ہوگا۔ جناب کینگ صاحب بالکل خاموش ہو گئے سر جھکایا اور حضرت کے واصل بحق ہونے تک خدمت میں نہ آپائے۔

بہر حال یہ بات حق ہے کہ قبلہ حضرت اندرابی صاحب بالکل فساد، تعصب ،عناد سے دور رہ کر اُمت کی تعمیر کے لئے کام کررہے تھے آپ بار بار بلکہ آخری ایام میں بھی سید علی شاہ صاحب گیلانی کے بارے میں کہا کرتے تھے کہ اس بوڑھے نے ہمت نہ ہاری ہندستان کو ترکی بہ ترکی جواب دیتا ہے، میر واعظ ڈاکٹر عمر فاروق صاحب سے بے حد محبت تھی بلکہ اسلامک مشن کی طرف سے ہر سال سرینگر میں جو عظیم الشان شہداء کربلا کانفرنس علامہ اندرابی کی صدارت میں ہوا کرتی تھی تو گذشتہ سال کی شہداء کربلا کانفرنس جو ہوٹل شاہ عباس میں منعقد ہوئی تو حضرت علامہ کے حکم سے ہی اس شہداء کربلا کانفرنس کے لئے مہمان خصوصی جناب میر واعظ عمر فاروق صاحب کو مقرر کیا گیا جناب میر واعظ صاحب نے بھی حضرت ہی کے فرمان پر اپنی تمام مصروفیات کو ترک کر کے کانفرنس میں حاضری دی حضرت علامہ اندرابی صاحب نے جواں سال میر واعظ کا بڑی گرم جوشی کے ساتھ استقبال کیا،

پروفیسر عبدالغنی بٹ صاحب چونکہ مسلم کانفرنس چلاتے تھے اور حضرت قبلہ علامہ صاحب قیام پاکستان سے ہی مسلم کانفرنس سے وابستہ تھے اس لئے اس تنظیم اور جناب بٹ صاحب سے خصوصی تعلق تھا بلکہ کئی سال قبل جب مشترکہ طور پر حریت نواز تنظیموں نے احدوز ہوٹل میں ایک سیمنار منعقد کیا تو حضرت نے وہاں پر مسئلہ کشمیر کے بارے میں وہ بنیادی باتیں بتائیں جن کو سن کر حاضرین حیران رہ گئے ساتھ ہی آپ نے فرمایا کہ میری گذارش ہے کہ عالمی حمائت حاصل کرنے کے لئے مسئلہ کشمیر کو براہ راست اسلام سے نہ جوڑا جائے کیونکہ یہ زمینی مسئلہ ہے ایک ملک نے جبراً یہاں قبضہ جمایا ہے یہ مسئلہ فقط مسلمانوں کا ہی نہیں ہے بلکہ جموں وکشمیر میں بسنے والے تمام انسانوں کا ہے اسلئے اس مسئلہ کو حل کرنے کے لئے اقوام متحدہ میں پیش کی گئی ہندوستان کی طرف سے قراردادوں کے ذریعے حق رائے شماری کو بنیاد بنانی چاہئے۔ یہاں نہ اسلام کہیں دکھ رہا ہے نہ پاکستان نہ خودمختار نہ ہندوستان۔ بلکہ ایک ہی بات ہے ہندوستان ہمیں حق رائے شماری دیدے جس کا اسی نے ہم سے وعدہ کیا ہے۔اس بات پر برادرم جناب شکیل بخشی صاحب نے حضرت قبلہ سے سوال کیا، کہ پھر ہم لوگ رائے شماری کے لئے لڑیں تو شہید کہاں ہیں اس پر حضرت نے فرمایا قرآن وحدیث کی واضح نصوص سے ثابت ہے کہ غاصب کے خلاف جدوجہد کرنے والے اگر دوران جدوجہد مارے جائیں تو وہ شہید ہیں۔کئی بار گیلانی صاحب نے حضرت کو اپنی مجالس میں مہمان خصوصی کی حیثیت سے بُلایا اور حضرت بھی بالکل حاضر ہوجاتے فقط آخری ایام میں کمزوری کی وجہ سے معذرت کرتے تھے کئی بار احقر اور جناب مولینا محمد امین جو حضرت کے مرید خاص ہیں کو حریت کے سیمناروں میں بھیجا کرتے تھے

۔اہل سنت مسلمانان کشمیر کا بنایا ہوا مسلم اوقاف ٹرسٹ جب مفتی سعید کی حکمرانی میں وقف بورڈ میں بدلا گیا تو حضرت علامہ اندرابی صاحب نے نہ صرف اداریہ لکھے بلکہ پریس کانفرنس میں احتجاج درج کروایا باقی جماعتوں نے اس بارے میں کوئی بات نہ کی جیسے سب پر سانپ سونگھ گیا تھا۔

حضرت علامہ اندرابی صاحب کی ادارت میں نکلنے والا رسالہ ''المصباح'' کشمیر ہندوستان اور پاکستان کے علاوہ اس سے باہر بھی پہنچا اور اہل نظر واہل علم ودانش کو المصباح کا اداریہ متاثر کر کے چھوڑتا تھا۔آپ کے قلم کا اچھوتا پن ،اسلوب کی سادگی اور خیالات کی بلندی قاری کے لئے بالکل مقناطیس کا کام کرتی تھیں۔نثر میں ہی نہیں بلکہ نظم میں بھی آپ کے افکار صاف دکھ رہے ہیں اور سادگی وسلاست آپ کے اشعار سے ٹپکتی تھی آپ اپنا تخلص عاصمؔ رکھتے تھے۔ ۱۹۷۰ء کی دہائی میں روزنامہ سرینگر ٹائمز نے اپنے مستقل اردو طرحی مشاعرہ میں علامہ اقبال کی ایک غزل کے مصرعہ ''مجھے آہ و فغان نیم شب کا پھر پیام آیا'' کو طرحی مصرعہ منتخب کر کے اس پر غزلیں مکمل کرنے کی دعوت دی ۔اس طرحی مصرعہ پر جگن ناتھ آزاد صاحب ،اشرف آثاری صاحب ،سلطان الحق شہیدی صاحب،رفیق راز صاحب ،سید خادم علی خوشدل صاحب،ظفر احمد انجینئر کے علاوہ کئی معروف شعراء نے حصہ لیا ان شعرا حضرات میں حضرت علامہ اندرابی صاحب نے بھی حصہ لے لیا اور آپ کا ہی کلام اس طرحی مصرعہ پر کھرا اترنے والا ایسا کلام قرار دیا گیا جو پہلے انعام کا مستحق قرار پایا۔ یہاں وہ غزل قارئین کے سامنے پیش کرنا چاہتا ہوں ؎

زہے قسمت میرے لب پر یہ کس مہوش کا نام آیا
کہ میرے نام گردوں سے فرشتوں کا سلام آیا

یقیناً اس میں کوئی مصلحت پوشیدہ ہے ساقی
وگر نہ کب تیری محفل میں مجھ تک دور جام آیا
تلوّن اُس بتِ کافر کا تھا مایوس کن لیکن
مرا ذوق جنوں ہر ہر قدم پر میرے کام آیا
تیرے حسن ِ جفا پیشہ نے شاید یاد فرمایا
مجھے آہ و فغان ِ نیم شب کا پھر پیام آیا
جہاں الفت مجسم ہو کے استقبال کو آئی
رہِ مہر و وفا میں ایک ایسا بھی مقام آیا
نہ ہو مایوس اے ذوقِ وفا، پیمان باقی ہے
کئی شب سے میرے خوابوں میں وہ ماہِ تمام آیا
نہ پوچھ ان خام کاران ِمحبت کی ہوسنا کی
یہ ناداں جھک گئے سجدوں میں جب وقتِ قیام آیا
ابھی دارورسن کی آزمائش ہونے والی ہے
وہ قاتل پھر باندازِ دگر بالائے بام آیا
وہ جس کی وضعداری پر ہمیں بھی ناز تھا عاصمؔ
وہ خود بیں اک ادائے دل رباسے زیر دام آیا

حضرت نے اس طرحی مقابلہ میں اول پوزیشن لائی لیکن اُس وقت بھی فقر غالب تھا اس لئے انعام لینے نہ گئے بلکہ آپ فرماتے تھے کہ انہی دنوں اندرا عبداللہ ایکارڈ ہوا تھا اس لئے مقطع میں "وہ جس کی وضعداری پر ہمیں بھی ناز تھا عاصمؔ وہ خود بیں اک ادائے دل ربا سے زیر دام آیا کہہ کر اسی حادثے کی طرف اشارہ تھا۔ حضرت کی شاعری پر لکھیں تو ایک اچھا خاصا دیوان

سامنے آئے گا۔ کبھی کبھی احقر بھی اپنا کچھ لکھا ہوا کلام پیش کرتا تھا تو حضرت اصلاح فرما کر بے حد خوش ہو جاتے تھے۔ ایک دن احقر نے حضرت شیخ عبدالحق محدث دھلوی کی شان میں ان کے روضہ مبارکہ واقع اسلام نگر مہرولی شریف دہلی میں لکھا گیا اپنا قطعہ سنایا تو حضرت جھوم اُٹھے چونکہ حضرت شیخ محدث ہمارے حضرت ایشان کے معاصر بھی تھے اور ہر دو حضرات بذریعہ خطوط ایک دوسرے سے متعلق بھی تھے اس کا اظہار احقر نے اپنے مقطع میں اس طرح کیا تھا ؎

شیخ عبدالحق محدث دہلوی ، کیا شان ہے
اختصاراً یوں کہوں کہ فخر ہندوستان ہیں
کوئی یہ عظمت نہ مانے ہم کو اس سے کیا غرض
اِن کے مداحوں میں شامل حضرت ایشان ہیں

اس قطع پر حضرت کا جھومنا آج بھی یاد ہے ۲۰۱۴ء کے سیلاب میں احقر کا دربار نبوی میں پیش کیا گیا استغاثہ جب میں نے سنایا تو حضرت اس کو اُن دنوں گنگنایا کرتے تھے حضرت علامہ اندرابی صاحب کیا نہ تھے بقول اقبالؔ وہ مرد درویش جس کو حق نے دئے تھے اندازِ خسروانہ، ہمیں اس بات پر فخر ہے کہ قلندر لاہور کے مصرعہ کی جیتی جاگتی تصویر بالکل نزدیک سے دیکھی ہے حضرت نے اپنے اسلاف کرام کی طرح ہی کشمیر میں عقیدہ اہل سنت والجماعت کو قائم رکھنے میں جو محنت دن رات کی ہے وہ فقط انہی کا خاصہ تھا اب اس طرح کی محنت ،اس طرح کا اخلاص ،اس طرح کی للہیت ،اس طرح کا اعتدال، اس طرح کی طرز تقریر و تحریر، اس طرح کی فقیرانہ زندگی دیکھنے کو دل تمنا تو ضرور کرے گا اور آنکھیں بھی حالِ دل کو پورا کرنے کے لئے زبان سے

درخواست کریں گی لیکن اب دیدار نہیں ہوسکتا ہے۔قانون قدرت اپنا کام کر چکا ہے۔ویسے بھی تو ہم نے انکو جیتے جی بھی کھودیا تھا کیونکہ ہم نے اسلاف شناسی کا سبق پڑھا ہی نہیں ہے اگر پڑھا بھی ہے لیکن فرقہ واریت یا دنیا کی مصروفیات نے ہمیں ان کی طرف رجوع کرنے کا موقع ہی نہ دیا۔اگر دنیا بھی آڑھے نہ آتی تو فرقہ واریت،انانیت، تصنع وتکبر نے ہمیں ان کی قیمتی صحبتوں سے دور رکھ ہی دیا تھا ہماری کوتاہ بینی اور انانیت کی ایک بڑی وجہ یہی تو ہے۔
’’ہائے اسلام تیرے چاہنے والے نہ رہے جن کا تو چاند تھا افسوس وہ ہالے نہ رہے‘‘

حضرت علامہ اندرابی خود نہ رہے مگر ان کی سادگی،فقر،للہیت،اور عشق مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کی حیات جاودانی کی بڑی وجہ ہے بقول اقبال ؎

ہر گز نہ میرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

لیکن جو لطف حضرت کی صحبتوں سے حاصل ہوتا تھا وہ اب کہاں؟اب تو آنکھیں ترس رہی ہیں وہ خستہ دلوں کا مداوا،پستوں کو بلند کرنے والا، مستوں کو جنون کی دولت سے مالا مال کرنے والا اب خود دکھ نہیں رہا ہے ان کی خوشبوئیں ہیں مگر وہ عطار کہیں نظر نہیں آرہا ہے اسی لئے تو احقر نے اس درد کو یوں قطعہ میں ڈالا ہے ؎

دانش خستہ جاں کی آس تھا وہ
عام دکھتا تھا جب کہ خاص تھا وہ
فقر آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صدا تھا پیش نظر
خودشناس و خدا شناس تھا وہ

حضرت علامہ اندرابی کی پوری زندگی ایک کتاب نہیں بلکہ ایک پورا کتب خانہ تھا چونکہ مضمون طوالت سے روک رہا ہے لیکن یہ بات یہاں ضرور کہوں گا کہ آج سے سینکڑوں سال قبل جامع الکمالات حضرت ایشان شیخ یعقوب صرفی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا ؎

گر ہنر مندی تو اے صرفی رو از کشمیر بیروں
کاندریں کشور ہنر عیب است عیب آمد ہنر

بالکل یہ مزاج آج بھی یہاں موجود ہے بلکہ اس مزاج میں اب اضافہ ہوا ہے حالانکہ حضرت اندرابی صاحب کے مریدین اور چاہنے والوں کی تعداد پاکستان میں یہاں سے زیادہ ہے جہاں آپ کے آبائی علاقہ گوجرانوالہ میں آپ نے مدرسہ غوثیہ قائم کیا ہے جس کی سرپرستی آج بھی آپ کے برادرزادہ فرمارہے ہیں، مدنی چینل پر جب آپ کا دعوت اسلامی کے بارے میں تبصرہ نشر ہوا تو اہل پاکستان نے اس کو دوبارہ بلکہ کئی بار حضرت اندرابی کا دیدار کرنے کے لئے نشر کروایا لیکن اس وادی میں ہنرمند کو عیب اور عیب دار کو ہنرمند کہنے کا مزاج اہل کشمیر کو ہر بار مہنگا پڑا ہے۔اللہ تعالیٰ اہلیان کشمیر پر رحم فرمائے اور ہمیں اپنے اسلاف کے طریقوں پر ہمیشہ استقامت سے قائم رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔

اللہ تعالیٰ سے دست بدعا ہوں کہ اپنے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صدقے حضرت علامہ کو اپنے خاص جوار رحمت میں جگہ عطا کرے اور حضرت کے مشن کو قیامت تک جاری وساری فرمائے نیز حضرت کے متعلقین کو صبر جمیل عطا فرمائے ،شاہ ہمدان ٹرسٹ و دیگر دینی اداروں کو ترقیوں سے نوازے۔ہم سب کو قیامت میں حضرت کی شفاعت سے مالا مال کرے۔آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

☆☆☆

تاریخ وصال محترم سید محمد اشرف اندرابی مرحوم

از سید غلام محمد اندرابی، جڈورہ پلوامہ

رفت از دارِ فنا سوئے دار بقار
سید محمد اشرف آں صاحب وقار
بودہ از جمعیت علمائے دین
بودہ ساعّی رفعت دین متین
خاطر آوارہ ہے یہ ملت تیری موت سے
اک خلاء پیدا ہوا ہے تیری موت سے
محفلوں میں ہوتی تھی شمع محفل تیری ذات
داد پاتی تھی محفل میں تیری ہر ایک بات
خیر خواہی ملت بیضا کی تیری شان تھی
سرفرازی پائے ملت یہ تری ارمان تھی
سیرت اسلاف سے قوم کا گرمایا لہو
پھر ہو پیدا شان رفتہ تھا یہ آرزو تیرا
جب تلک حاصل تھا تجھکو حیات مستعار
پستی ملت سے ہوتا تھا تو کیسا سوگوار
بھولے ہم جوں ہی تیری رفاقت کھوگئے

تیرے دم سے تھی جو وحدت وہ کرامت کھو گئے
ہم ذرا سی دیر کو بھی بھول جائیں تیری ذات
کیا کبھی ممکن بھی ہو گی ایسی بات
تیری تربت پر ہو نزولِ رحمت پروردگار
ملجا و ماویٰ ہو تیرا دائماً دار القرار
تیری مہمانی ہو آب کو ثرو تسنیم سے
شاد مانی ہو تجھے غلمان کی تعظیم سے
بخشدے سہود خطا آمزگار
تجھ پہ راضی ہو تیرا پرور دگار
ہے دعا مقبول ہوں ترے اعمالِ
معرض بخشش مین تیرا ہر خطا و سہو ہو
یا الٰہی بخشدے بندے کا ہر سہو خطا
اپنی رحمت سے کر خلعت ایمان عطا
راجئے مسکین مے دارد رَجاء
حق تعالیٰ را اجابت بر دعا
ہر دو عالم میں ہوں مسلم سرفراز
اور ہوں ہر غصہ غم سے بے نیاز

☆☆☆

حضرت علامہ و مولٰینا محمد اشرف اندرابیؒ عاصم

میری نظر میں!

ڈاکٹر ذوالفقار صدیقی

حضرت علامہ و مولٰینا سید محمد اشرف اندرابی عاصیؔ کی ذات گرامی کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ آپ ایک مقتدر اور تاریخ ساز شخصیت کے مالک تھے۔ آپ کا شمار برصغیر میں عصر حاضر کے جیئد علماء کرام میں کیا جاتا ہے۔ آپ کی ذات واوصاف حمیدہ اور کردار جمیلہ کا شہکار تھی۔ آپ ایک ہمہ جہت شخصیت اور اپنے اندر ایک مکمل انجمن کی حیثیت رکھتے تھے جنہوں نے زندگی کے مختلف پہلوں اور شعبوں میں ایک نمایاں اور منفرد کردار انجام دیا ہے۔

آپ بالغ نظر قائد، سالک طریقت، موثر مبلغ اسلام، مقتدر مفکرِ اسلام ،مستند عالم دین، نکتہ سنج فقہیہ اور اسلامی قانون داں، صاحب نظر مصنف و ادیب، منفرد سخنور اور سوشل رفارمر کے طور پر نہ صرف اقوام کشمیر بلکہ پورے برصغیر ہندو پاک میں جانے جاتے ہیں۔

آپ کے آباواجداد پاکستان کے رہنے والے تھے جو وہاں ترک سکونت کر کے کشمیر تشریف لائے اور پھر یہیں کے متوطن ہو گئے۔ چنانچہ علامہ اندرابی صاحب اپنی پوری زندگی پاکستان کا سفر کرتے رہیں اور وہاں مقیم اپنے ہمدردوں اور مُریدوں کی علمی اور روحانی تربیت باضابطہ طور پر جاری

رکھے۔علامہ نے حصول علم وعرفان کے سلسلے میں ہندو پاک کے کئی ایک علاقہ جات کا سفر کیا۔ اور اپنے سفر کے دوران آپ نے کئی ایک جیّد علماء حق اور صُوفیاءِ عظام سے نہ صرف شرف ملاقات حاصل کیا بلکہ اُن سے علوم ظاہری و باطنی سے کافی استفادہ کیا اور فیوض و برکات حاصل کئے۔

شب وروز کے مجاھدوں سے آپ ایک جامع شخصیت بن گئے اور تحصیل علم،تربیت روحانی اور سیر وسفر نے آپ کی سیرت میں علم وبصیرت، استقامت وعزیمت ،صبر وشُکر اور فقر وغنیٰ کا ایک حسین امتزاج پیدا کیا۔ اور آپ کی شخصیت ہر پہلو سے جامع صفات بن گئی۔

آپ نے پُوری زندگی اسلامی تعلیمات کو عام کرنے کیلئے وقف کردی۔ آپ اِس بات کے متمنی تھے کہ مسلمانان عالم اپنا کھویا ہوا وقار واپس حاصل کرلے تاکہ جس ذِلت میں اُمت ڈوب گئی ہے اس کو وہاں سے باہر نکال کر اپنے مقام پر لایا جائے۔ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ ہر شُعبہ زندگی میں ہمارا وقار مجروح ہوکر رہ گیا ہے۔اور بڑی تیزی کے ساتھ ہمارے ہاتھوں کی عصری علوم پر گرفت و مہارت کمزور سے کمزور تر ہوتی جارہی ہے۔ سائینس اور ٹکنالوجی جو ایک زمانے میں مسلمانوں کی میراث سمجھی جاتی تھی یہ دولت بھی ہم سے چھین گئی۔ علمی سطح پر ہماری نوجوان نسل صفر کے برابر رہ گئی ہے۔ الغرض مجموعی طور پر ہم ایک ہمہ گیر زوال کا شکار ہوگئے ہیں۔ جو بھر پور اور کُلی ثابت ہورہا ہے۔ بحیثیت ایک زندہ اور حساس عالم علامہ اندرابی اس حقیقت سے پوری طرح آشنا تھے جسکے نتیجے میں اُنکی زندگی میں اضطرابی کیفیت پیدا ہوئی۔آپ اکثر اوقات طالبان وعارفان کی تعلیم وتربیت میں ہمہ تن مصروف رہتے تھے اور اُن سے اپنا درد بانٹتے اور اُمت کی خیر خواہی کے طلبگار رہتے۔

اِس ضمن میں آپ کا اُمت کیلئے ایک جامع نسخہ تھا جس کے مطابق اللہ اور اُس کے پیارے رسوؐل صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی مکمل اطاعت واتباع، صدق واخلاص، تقویٰ و طہارت کی پاسداری، فقر و فاقہ سے محبت، ظاہر و باطن میں زُہد و ورع کی بحالی اور دیگر فضائل واخلاق سے مزین اعمال خالص کی طرف لوٹنے میں ہی اُمت کی دین و دُنیا میں کامیابی کا راز مضمر ہے۔

آپ کی صُحبت سے استفادہ کرتے ہوئے برصغیر ہندو پاک کے کثیر تعداد میں فرزندان توحید وقتاً فوقتاً مختلف مقامات پر ہونے والے مذاکرات میں علامہ سے مختلف قسم کے موضوعات مثلاً عقائد و اعمال، فضائل و مناقب، شریعت و طریقت، تاریخ و سیرت، سائینس و طب اخلاقیات و اسلامی معلومات، روزمرہ کے معاملات اور دیگر بہت سارت موضوعات سے متعلق سوالات کرتے اور آپ کے حکمت آموز اور عشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے مُزین جوابات ملاحظہ کر کے نہ صرف اپنی ذات کی اصلاح کرتے بلکہ اپنے حلقہ اثر میں بھی اصلاح اور دُرستی کا سبب ثابت ہوتا۔

اگرچہ میری وابستگی حضرت کے ساتھ زیادہ طویل نہیں ہے لیکن آپ کی تصنیف کردہ تحریروں اور تقریروں نے مجھے بڑی حد تک نہ صرف متاثر کیا بلکہ اُن کے افکار کا قائل بنا کر رکھ دیا۔ برادرم ڈاکٹر تنویر حیاتؔ کی وساطت سے مجھے حضرت علامہ اندرابی سے اُنکی رہائش گاہ پر ملاقات کا شرف نصیب ہوا۔ آپ کی پُر جمال و پُر حشم شخصیت نے چند گھنٹوں کی گفت وشُنید میں ہی مُجھے اُن کا مُرید بنا لیا۔ اُن کے ساتھ ظُہرانہ کھانے کا بھی شرف حاصل ہوا اور دُعاؤں کا گُلدستہ ساتھ میں لانے کا اعزاز بھی ملا۔

جناب تنویر صاحب کے ساتھ قصبہ پانپور میں واقع علامہ کے قائم کردہ

ٹرسٹ بموسوم ''شاہ ہمدان ٹرسٹ'' کے دفتر میں حاضری کا موقع فراہم ہوا اور وہاں پر قائم اسکول کا سَرسری طور جائزہ لینے کا بھی شرف حاصل ہوا۔ تعمیرات اور ادارے کا نظم و نسق دیکھ کر دل میں بڑی مسرت ہوئی کہ ٹرسٹ ھذا کو بڑے احسن طور پر چلانے کا سلسلہ رواں دواں ہے۔ اور ٹرسٹ میں موجود مختلف شعبہ جات کو اطمینان بخش طریقے پر چلائے جانے پر اِس کے ذمہ دار مبارک باد کے مستحق ہیں۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ آجکل کے دور میں ہمارے یہاں کئی عوامی ادارے لوگوں کی ذاتی ملکیت میں تبدیل ہوکر رہ گئے ہیں اور اِن اداروں میں علمی سرگرمیوں کا فقدان پایا جاتا ہے۔ بلکہ وہاں صرف پیسوں کا لین دین دیکھنے کو ملتا ہے۔ حضرت علامہ اندرابی صاحب کا اِس ٹرسٹ کو مارزِ وجود میں لانے کے پیچھے شاید یہی خواہش مضمر رہی ہوگی کہ آنے والی نسل علمی طور پر ایک تابناک نسل ہو جو نہ صرف اسلامی طرز زندگی کا نمونہ ہوگا بلکہ انسانی اقدار کا پاسدار بھی ہوگا۔ اِس ٹرسٹ کی کاوشوں کا نتیجہ ایک مکمل اسلامی معاشرے کا قیام عمل میں لانا ہے۔ جسکی زمانت صرف اِس بات میں ہے کہ آپ آنے والی نسل کو علم و حکمت اور دانائی سے آراستہ کریں۔ اور زمانے کے تقاضوں کو ملحوظِ نظر رکھکر اِس نسل کی نشو و نما کی جائے۔

کسی بھی پسماندہ قوم میں انقلاب لانے کا ذریعہ صرف اور صرف تعلیم ہے وہ بھی اگر اسلامی تعلیمات کی درس و تدریس کے ساتھ ہو تو قوم کو بیدار ہونے میں زیادہ وقت درکار نہیں ہوگا۔ اِس سے بڑا کارنامہ حضرت علامہ کا میرے نزدیک اور کوئی نہیں ہوسکتا۔ ہم اس امر سے بخوبی آگاہ ہیں کہ آجکل کے اکثر ''دارالعلوم'' مدارس اور درسگاہوں کو صرف حفظ قرآن اور فقہیہ و حدیث کے درس تک ہی محدود کر رکھا گیا ہے۔ جس کے نتیجے میں ہماری بیشتر

مسجدوں کے آئیمہ کرام دُنیاوی علوم وفنون کو سمجھنے میں قاصر نظر آتے ہیں۔ رہی بات سائینس اور ٹکنالوجی کی۔ اس سے تو یہ حضرات مکمل طور پر ناواقف ثابت ہوتے ہیں۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ ہماری نوجوان نسل کو جدید طرز تعلیم سے آراستہ کیا جائے اور ساتھ ساتھ اسلامی تعلیمات سے بھی روشناس کیا جائے، تاکہ یہ نسل اِس برق رفتاری سے آگے بڑھنے والی دُنیا میں رہنے کے قابل بن جائیں۔ ٹرسٹ ھذا اِس مقدس مشن میں برسرِ پیکار ہے۔ اگر شاہ ہمدان ٹرسٹ اسی خلوص بھرے اعتقاد سے ملت کی خدمت کرتا رہیگا تو وہ دن دور نہیں کہ یہ ادارہ مستقبل قریب میں ایک بہت بڑی دانش گاہ کی صورت اختیار کرے گا جہاں سے ملت کی رہنمائی کیلئے پورے اسباب میسر ہوں گے (انشاء اللہ)۔ اِس کے علاوہ ٹرسٹ ھذا علمی میدان میں بھی سرگرم عمل ہے اور اس ضمن میں اُنکی کاوشیں ہمہ تن برقرار ہیں۔ اِس سلسلے میں جریدہ المصباح (ماہنامہ) قابل قدر خدمات اِس اُمت کیلئے سرانجام دے رہا ہے۔

حال ہی میں مقالاتِ اندرابی کو منظر عام پر لاکر ٹرسٹ ھذا نے اس اُمت کیلئے بہت ہی بڑی علمی خدمت سرانجام دی ہے۔ اِس بات کی پوری اُمید ہے کہ یہ علمی ذخیرہ جو دانائی اور حکمت سے لبریز ہے اُمت کی رہنمائی میں اپنا کلیدی کردار ادا کر کے حضرت علامہ اندرابی کیلئے توشہ آخرت ثابت ہوگا۔

آخر میں یہاں پر حضرت ڈاکٹر علامہ سَر محمد اِقبالؒ کا یہ شعر برمحل ہوگا ؎

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پر روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

علامہ اشرف اندرابی:

عصرِ حاضر میں پیغامِ صوفیہ کی بازگشت

محمد شفیع بٹ (ریسرچ اسکالر)
شاہ ہمدان مرکز برائے اسلامی مطالعات
یونیورسٹی آف کشمیر، سرینگر جموں وکشمیر۔۱۹۰۰۰۶

کشمیر کی سرزمین قدیم دور ہی سے علم وعرفان کا مرکز رہی ہے، وادیِ گل پوش کی ظاہری خوبصورتی کو جس چیز نے دوبالا کیا ہے وہ وادیِ کشمیر کے وہ نفوسِ قدسیہ ہے جو اپنے علم وعرفان میں یکتا و بے مثال رہے ہیں، جن کی تعلمات انسان دوستی اور احترامِ آدمیت پر مبنی تھی۔ وادیِ کشمیر میں اشاعتِ اسلام کا سلسلہ بھی انہی نفوسِ قدسیہ کی مرہونِ منت ہے، بقولِ علامہ سیدّ سلیمان ندوی ''کشمیر میں حملہ آواروں نے نہیں، بلکہ مسلمان عالموں اور درویشوں کی تاثیروں نے مسلمانوں کے دلوں کو فتح کیا''۔ ڈاکٹر سیدّ فاروق بخاری صوفیہِ کرام کی فروغِ اسلام کے تئں خدمات کے متعلق رقمطراز ہے، ''کشمیر میں اسلام کی اشاعت کی ذمہ داری صحیح معنوں میں صوفیائے اسلام نے قبول کی اور انہی بزرگوں نے اسے پایہ تکمیل تک پہنچانے میں کامیابی حاصل کی۔ اس فریضے کی ادائیگی میں وہ اس قدر غرق ہوئے کہ حوصلہ شکن صعوبتوں کو منزلِ مقصود تک پہنچنے کی راہ میں ہرگز رکاوٹ نہیں بننے دیا''۔

چنانچہ عہدِ وسطیٰ میں وادی کشمیر نہ صرف وسطِ ایشیاء اور ایران سے صوفیہ کرام کو اپنی طرف کھینچا بلکہ اشاعتِ اسلام کے بعد کشمیر نے اپنی سرزمین سے ایسے ایسے نابغۂ روزگار شخصیات پیدا کئے جنہوں نے علم وعرفان کی ایسی شمع فروزاں کی جو رہتی دنیا تک تاریخ کشمیر پر نقش رہے گی، کشمیر کی ان عبقری شخصیات میں سرخیلِ ریشیانِ کشمیر شیخ نورالدین ریشیؒ، شیخ حمزہ مخدوم کشمیریؒ، بابا داود خاکیؒ، بابا داود مشکاتیؒ، شیخ یقوب صرفیؒ، عصرِ جدید کے محدیث علامہ انورشاہ کشمیری سرِ فہرست ہیں۔ گویا کشمیر اغوشِ اسلام میں آنے کے بعد اسلامی تصوف کا مرکز بنکر اُبھرا اور کشمیر کی تہذیب وثقافت پر بھی اسلامی تصوف کا رنگ چڑھ گیا۔

اگر ہم عہدِ حاضر کے کشمیر پر نظر ڈالتے ہیں تو ایک طرف ہمیں علمی وفکری جہالت، انتہاپسندی، تفروقابازی، فرقہ پرستی نظر آتی ہے، لیکن دوسری طرف اس دور میں بھی ہمارے اسلاف کے نقشِ قدم پر چلنے والے ایسے اشخاص پیدا ہوتے ہے جو اپنی زندگیوں کو نہ صرف تلاشِ حق کی جد و جہد کے لئے وقف رکھتے ہے بلکہ وہ اُس حق کی اشاعت کو اپنی زندگی کا مقصد بناتے ہیں۔ علامہ اشرف اندابی صاحب عہدِ حاضر کی ایک ایسی ہی شخصیت تھے، جنہوں نے تاسیلِ علم کے بعد اپنی زندگی کو اسلام کی اشاعت، عقاہدِ حقاں کے دفاع، اصلاحِ معشرہ اور اہلیانِ کشمیر کی بیداری کے لیے وقف کیا۔

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ پوری دنیا میں اشاعتِ اسلام اور احیاءِ اسلام کام صوفیائے اسلام کے ذیعہ سے ہوا ہے، کشمیر میں بھی فروغ اسلام اور اسلامی تہذیب وثقافت کے ارتقا میں انہی صوفیہ کرام نے بے مثال خدمات انجام دی، کشمیری عوام بھی صوفیہِ اسلام کی ان بے لوث خدمات کی وجہ سے

ہمشہ ان ہی صوفیانا تعلمات کے زیرِ اثر رہی ہے، گو یا عہدِ وسطیٰ سے پوری کشمیری قوم حنفی مسلک اور صوفی مشرب پہ قاہم ودا ہم رہی تھی، چنانچہ دورِ جدید میں جب پورے عالمِ اسلام میں اصلاح اورتجدید کے نام پر کئی تحریکیں اُٹھی جنھوں نے تصوف اورصوفیہ کرام کی تعلیمات کوحرفِ تنقد کا نشنا بنایا، اسی نئ فکر نے وادی کشمیر میں بھی فروغ پایا۔علامہ اندابی نے اپنے قولِ فعل سے نہ صرف طرلقہِ صوفیہ کا دفاع کیا بلکہ اُنہوں نے روحانیت کے نام پر کیے جانے والے غیر شرعی کاموں کا بھی تدارک کرنے کی کوشش کی۔علامہ قاسم شاہ بخاری صاحب کے بعد علامہ اشرف اندابی کشمیر کی واحد شخصیت ہے جنھوں نے اپنے قلم کے ذیعہ اپنے اسلاف کے پیغام کی نمائندگی کی، چاردہایوں تک آپ نے اپنے قلم سے صوفیہ کرام کی اُن تعلیمات کی اشاعت کی ،جن کا مرکز ومہور ذاتِ رسالتِ مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات گرامی ہے۔اگر ہم خالی مقالاتِ اندابی کے موضات پر ایک نظر ڈالتے ہے توہمیں اُن کے دورامت کا احساس ہوجاتا ہے،آپ کی تحریروں ایک طرف آپ طرف کے سے آپ کے وسیع مطالعے آپ کی روحانی بصرت کا اندازہ ہوتا ہے تو دوسری طرف آپ کی مسلمانوں کی زبوں حالی پہ تشویش کا اندازہ ہوتا ہے۔اُ پکی تحریروں میں صوفیائے کشمیر کی تعلیمات کا رنگ نظر آتا ہے،آپ نے اپنی تقریروں اورتحریروں کے ذیعہ بھی اُنہی کے پیغامِ تزکیہِ وتہذیبِ نفس اور خدمتِ خلق کا درس دیا، آپکی اپنی ذات بھی انہی کے پیغام کی آینہ دارتھی۔ چنانچہ صوفیہِ کرام کے نام پر اُنکے آستانوں اورخانقاہوں پر جواجارہ داری ،سودابازی اور بداعات وخرافات کو جوفروغ دیا جاتا ہے آپ نے اُس کی سخت مخالفت کی اوراُسکی اصلاح کے لئے تاحیات کوشاں رہیں۔مقالاتِ اندرابی میں ان مراکز کی تاریخی اوراثری

اہمیت بیان کرنے کے بعد، آج ان مراکز کی زبوحالی اور صوفیہ کے جانشینوں کی جہالت کے متعلق رقمطراز ہے، ''مرورِ یا کے ساتھ ساتھ گلستان توحید و رسالت کی ان بہاروں پر دنیا پرستی اور بدعات سیئہ کی خزاں کی پرچھائیں پڑنے لگیں جس نے رفتہ رفتہ مجموعی طور پر اس گلستان کا حلیہ ہی بدل کر رکھ دیا ہے اور اب نوبت یہاں تک پہنچ گئی ہے جس چیز کا نام ''تصوف'' ہے وہ سب کچھ ہوسکتا ہے لیکن ''تصوف کے ساتھ اُس کا دور کا بھی واسطہ نہیں اور جو لوگ صوفیاء کرام کے جانشین اور طُرق طریقت وسلوک کے داعی سمجھے جاتے ہیں، اُنہیں ''اسلامی تصوف'' کی بُو بھی نہیں لگی ہے انکے خیالات صوفیاء کرام کی تعلیمات سے کوئی میل نہیں کھاتے اور ان کی معیشت و معاشرت کا کوئی پہلو بھی حضرات صوفیاء رضوان اللہ علیہم اجمعین کی شفاف سیرتوں کے مشابہ نہیں''۔

❖❖❖

Qā'id e Ahl e Sunnat Mawlana Muhammad Ashraf Andrabi (R.A) – d.2016:

A Tribute to His Scholarly Excellence

Mohammad Irfan Shah*

The magnetic attraction that the valley Kashmir possesses has been highly talked about. It is not astonishing that it caught the attention of renowned local and foreign poets besides receiving a place for the mention in the age-old Geography of Ptolemy and Histories of Herodotus. The noted Persian poet 'Urfi Shīrāzī goes on saying:

هر سوختہ جان کہ بہ کشمیر در آید
گرمرغ کباب است کہ با بال و پر آید

Any burnt creature entering Kashmir,
Even if a roasted fowl, it shall grow feathers.

Similarly, Jahangir, one of the Mughal emperors lays out his beautiful expression as:

اگر فردوس بر روئے زمیں است
ہمیں است و ہمیں است و ہمیں است

If the paradise is anywhere on the surface of earth it is this, it is this, it is this.

Famous poets like Ghālib, Hāli, Chakbast, ĀlAhmadSurūr, Āzād, Jālandhari andothers have eulogized the magnetic attraction of the valley.Iqbal goes on saying that:

ورثے میں ہم کو آئی ہے آدم کی جائداد
جو ہے وطن ہمارا وہ جنت نظیر ہے

PanditBrij Narayan Chakbastleaves a beautiful couplet in this direction:

ذرہ ذرہ ہے میرے کشمیر کا مہمان نواز
راہ میں پتھر کے ٹکڑوں نے دیا پانی مجھے

Likewise Professor ĀlAhmadSurūr narrates for the unparalleled beauty of Kashmir as:

میرے کشمیر فلک بوس تیرا گنبد ہور کا
تیرے ہر سلسلہ کوہ کوزیبا ہے غرور

However, the valley has no lesser legacy of intellectual, spiritual and educational legacy that adds manifolds to its natural beauty. Islam emerged gradually in the valley through a peaceful process of propagation by Muslim preachers (Sufis), traders, adventurers, and many other fortune seekers from central Asia and adjoining areas, who were continuously pouring down in the valley through temporary or permanent migration. This gradual arrival of Muslims in the valley Kashmir mainly

resulted of the age-old cross cultural interactions or inter-regional trade links that hooked the valley with the adjoining regions that had already come under the sway of Islamic missionaries and conquerors. The gradual yet peaceful diffusion of Muslim traders and adventurers had already begun in the valley almost six centuries preceding the foundation of the Sultānate in Kashmir in [C.E] 1320. The synoptic insights put forth by the famous orientalist T.W Arnold (C.E 1864-1930) regarding the process of emergence and spread of Islam in Kashmir reads as;

Kashmir contains the larger number of Muhammadans… in proportion to the whole population; but unfortunately historical facts that should explain the existence in this state of so many Musalmans, almost entirely of Hindu or Tibetan origin, are very scanty. But all the evidence leads us to attribute it on the whole to a long-continued missionary movement inaugurated and carried out mainly by faqīrs and dervishes.

The Muslim denomination in Kashmir grew from a negligible minimum level to the level of a well-recognized majority over a period of almost seven centuries provided the unrelenting endeavors of Muslim (Sufi) preachers. The unremitting fragrance of whose spiritual persona had censed

even those lands and conquered the pulsating hearts there, where political regimes of Islam either ceased or had been adjourned to establish their authority for centuries together. In the course of their proselytization they added to the fold of untainted creed of Islam among those who had been spearheading the corrupted forms of belief.

The Sufi preachers of diverse orders like Qadiri, Suhrawardi, Kubrawi, Rishi and Naqshbandi Salasil (Orders) sprinkled the Islamic spiritual fragrance in the valley and fueled the spirits with the divine light. Among such preachers were the famous SayyidSharaf al-Din Abd al-Rahman popularly known as Bulbul Shah, Sayyid Muhammad Isfahani or Janbaz Wani, Sayyid Husayn Simnani, the illustrious Sufi Saint Sayyid Mir 'Ali Hamadani or Amir Kabir, Mir Muhammad Hamadani, Sayyid Ahmad Kirmani and the indigenous ones like ShaykhNur al-Din Wali or ShaykhulAlam and Shaykh Hamzah Makhdum or Sultan al-Arifin and a long array of their towering disciples like Sayyid Muhammad Aali Balakhi, Shaykhul Islam Baba Dawaud Khaki, Baba Zaynul-Din Wali, Baba Nasib al-Din Ghazi, Baba Bam al-Din, Baba HyderTulmuli, Baba Dawud Mishkwati, Khawaja Hasan Qari, Khwaja Ishaq Qari and many others. For centuries

together these religious figures of heavenly stature served the cause of Islam and turned the valley into a Muslim majority land through peace and harmony. They guided the darkened souls towards the light of belief and eternal bliss. They engraved the hearts of people with the names of Almighty Allah and fueled their emotions with the love and respect of the beloved Prophet Muhammad (ﷺ). Their spiritual and religious guidance was continued and transferred to the posterity by their descendants and followers. Most of the foreign faith healers who settled in Kashmir permanently were from the progeny of the Prophet (ﷺ) known as Sayyids and their descendants continued to live as the residents of the valley and are spread in almost every nook and corner of the valley. They have played a significant role in Islamizing and educating the masses of this valley beautiful valley. Among such families were the renowned Andrabi Sayyids to which belonged one of the most renowned religious scholar and intellectual of 20th century Kashmir, Sayyid Muhammad Ashraf Andrabi of district Pulwama.

An intellectual, a well-known religious figure, a symbol of piety and an Islamic scholar par excellence of Kashmir belonging to a blessed Sayyid

family (Andrabi migrants) with a legacy of high religious erudition and spirituality, Mawalana Muhammad AshrafAndarbi was an epitome of the divine (Islamic) teachings and an apt reflection of the Quranic verse ((إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَٰٓؤُا)) "Only those of His slaves fear Allah who are knowledgeable (AL-Fatir: 35:28)". Besides being trained and educated under the auspicious guidance of his grandfather, he had (left for a considerable period of time) his pleasures of being at home until he graduated from Darul 'Ulum Deoband – a great seminary of Islamic traditional/religious education, where he learned from scholars of high erudition like Husain Ahmad Madani and others. From here he achieved an unequivocal excellence in the fields of Ulum al-Qur'an (Quranic sciences) and Ulum al-Tafsir (Science of Exegesis), Ulum al Hadith (Hadith sciences), Fiqh (Islamic Jurisprudence), Mantiq (Logic), extant courses on Falsafah (Philosophy) and other extant fields of knowledge. This way Mawlana was a clear manifestation of the Divine commandment:

وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنْفِرُوا كَآفَّةً ۚ فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوٓا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ

"It is not (necessary) for all the believers to go forth.'; So, why should it not be that a group from every section of them goes forth, so that they may acquire perfect understanding of the Faith, and so that they may warn their people when they return to them, so that they may take due care"

As a genuine Alim e Din/religious scholar, he was a true personification of the Hadith that "the Ulama/ religious scholars are the heirs to the Prophets", who would observe the Shari'ah commandments strictly even under severe circumstances not letting even his own self come between him and his Creator's wishes. To his exceptional knowledge and understanding of the Din was added his sublime character, scholarly attire, extreme piety (Taqwa), relentless Ibādah (worship), Zuhd, righteousness, humility and a highly refined persona with evident moral and ethical uprightness. He would stand for long hours in front of Almighty Allah performing prayers and reciting Qur'an for major portion of the nights even during his old age. Thoughhe was an authorised Shaykh of Qādiriyyah Sufi order and enrolled and guided a large number of people in this path, yet he urged his followers. His persona recalled of the classical and elegant spiritual and religious figures

of Islam. Unlike many of the religious figures of the modern era, his word and deed were in complete consonance with each other barring any conflict even at minute issues. Besides,With a great acumen of traditional/religious education plus an outstanding command on the Arabic, Persian, Urdu, and Kashmiri languages, as well as literature, he was equally interested in deliberating over the contemporary issues (especially of political and religious importance) faced by the Muslim world in the current-day changing scenario. Such was his stately appearance and scholarly impression that even the learned were petrified on delivering a lecture before him. His blessed life reflects only two important phases , the first one as his student life gaining religious and spiritual education and training and the second half of his life spanning over almost 70 long years solely dedicated for spreading the light of religious knowledge and understanding through his eloquent and uniquely delivered sermons and lectures .The lectures/ sermons of Mawlana Andrabi were not confined to merely theological sphere but contained a wide variety of topics including Muslim world's decadence, its causes and possible solutions for renaissance, ethics and morality, socio-political

issues, issues involving intra-faith debates or argumentation, reformation within Ahl e Sunnah, Quranic exegesis, Hadith, Fiqh, Tasawwuf, human rights, and most importantly the status of the beloved Prophet (ﷺ), his family – Ahl al Bayt, his Companions and their followers. Though for a considerable part of his life he served the state government's education department as a teacher yet he spared considerable time for his religious activities during that period. Not only his effective sermons but his practical observation of the divine commandments and the Sunnah of the Prophet (ﷺ) to an utmost level along with his spiritual elegance served as a lamp of guidance for a wide range of people including intellectuals, scholars, students and common masses. Though, Hazrat Andrabi graduated from Darul Ulum Deoband, which had come under influence of Wahhabi thought, yet under the guidance of his graceful grandfather (a well-known religio-spiritual guide of his times), he escaped the imprint of Wahhabismand followed and spread the genuine and traditional creed of Ahl al Sunnah waJama'at throughout is life.Following the Hanafi School of jurisprudence and the Sunni school of thought, he clearly proclaimed through his deed and word the

following well-known persian stanza:

بندہ پروردگارم امت احمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
دوست دار چہار یارم تابع اولاد علی
مذہب حنفیہ دارم ملت حضرت خلیل
خاکپائے غوث الاعظم زیر سا ہر ولی

Notwithstanding his position as a leader of Ahl al Sunnah in the valley, he vehemently criticised the Customary Tasawwuf or RasmiTasawwuf often based on ignorance and usually followed by ignorant and illiterate folk. The Qa'id aspired his followers to follow the steps of the illuminative souls of Ahl al Sunnah of medieval Kashmir who had blessed the valley with their mystical fragrance like Shah e Hamadan, ShaykhulAlam, Shaykh Hamzah Makhdum (May Allah Bless them All) and others. He would have hardly offered any Friday prayer without delivering his eloquent lectures calling people towards the Divine light of the Qur'an and the beloved Prophet (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) by practically observing their commandments and developing extreme love and passion for Almighty Allah and His Beloved and the "friends of Allah/ Awliya Allah". During the last decades of his he used to deliver his effective Friday sermons at the Dargah of Hazrat Sayyid Mir Zahiruddin (R.A.) popularly

known as Mir Sahb located in the heart of district Pulwama. Never did he come under any political or social pressure to cover the truth rather he would speak the truth daringly without any sort of compromise. A large gathering including intellectuals, scholars and common masses would love to listen and even have a sight of him during such occasions. He urged the people to follow the right tract and genuine version of Islam i.e., Ahl al SunnatwaJama'at and was rightly titled as "Qā'id e Ahl e Sunnat". After witnessing an acute void of any religious seminary of Ahl e Sunnat in his native district- Pulwama, he laid foundational stones of two big religious seminaries to cater for this educational (religious) void; one at Pampore as Shah e Hamadan Memorial Trust and other at Pulwama , as Madrasah Gousia Hamadaniyah with a girls wing also. Qā'id e Ahl e Sunnat was too serious and left no stone unturned in developing and upgrading these educational intuitions of great religious significance until his last breath. Large number of students has graduated from these institutions in addition to a considerable number of Hufaz e Qur'an, who serve the cause of spreading and sustaining the true message of Islam in the valley. Even on his death bed he seemed to urge his

followers in this direction. Throughout his life he travelled far and wide within the valley to sermonise the people about the religious teachings and to highlight the significance of following the Suwad e A'azam-Ahl al SunnatwaJama'at .The religious activities of the Qa'id e Ahl e Sunnat reflected in trifold aspects.

1. Reformation within Ahl al-Sunnah – laying stress on following Shari'ah strictly and upholding the traditional values of Islam besides guiding people on spiritual lines.

2. Defending and spreading the creed of Ahl al-Sunnah waJama'at with sound and logical proof from the authentic Islamic sources of knowledge– especially making endeavours to kindle the lamp of the love and respect of the beloved Prophet (ﷺ) and his blessed Companions (Sihaba) and their followers (Awliya Allah).

3. Spreading Religious/traditional education in the society.

His eloquent lectures put with wisdom were always reflecting the Islamic teachings or verdicts embedded in Qur'an and Hadith. Unlike most of his contemporary religious figures, he hardly made any endeavour to secure wealth and property and even denied any compensations/monetary gifts on his

unrelenting lectures or sermons. He mostly advised his audience with less material and more spiritual stuff and he himself followed and urged his followers to make unrelenting endeavours for securing the life after death. He used to attend and often preside the Mawlid processions and Sirah and other scholarly religious programs. Most of his contemporary scholars and intellectuals of various other fields submitted before his religious acumen and command on the traditional learning and contemporary challenges. Along with unequivocal eloquence in speech, Almighty had blessed him with an equal excellence in writing skills. Though he didn't left any colossal writing yet he remained as the chief editor of the monthly magazine of Shah e Hamadan Trust, Monthly Ashrafia in which he continuously contributed on a wide range of topics and issues. His outstanding writing skills are aptly reflected from his scholarly "editorials" of the Monthly magazine Ashrafia.He has also a work to his credit which he wrote in refutation of Wahiduddin Khan regarding some of his severe fallaciesregarding the Prophetic Model (Uswa e Hasanah).

Qa'id e Ahl al-Sunnah spent his whole life in following the Divine commandments and the

Sunnah of the Beloved Prophet (ﷺ). He spent his days and nights, private, public, formal and informal life, in short every moment of his life in consonance with Shari'ah to please his Creator, Almighty Allah and his Beloved Prophet (ﷺ).He never resorted to any means of gaining popularity or fame nor did his activities carry a slightest amount of ostentation. His multidimensional personality outshined all of his contemporaries and his activities clearly reflected a sincere obedience to his Creator. Such marvellous and graceful figures are and must be considered as blessings from the Almighty and the valley lost such a blessing in 2016. After a short-term illness, in his native village Zadoora Pulwama, he left for the heavenly abode, while leaving behind his indelible religious and spiritual prints on the masses. The current day scenario is dominated with the 'dearth of the righteous (Qahtal-Rijāl)'and under such conditions personalities like Qa'id e Ahl e Sunnah serve as palpable manifestations of the blessings of Almighty on this Ummah. Surely, the people of the valley were deprived of this blessing on his death. His funeral procession was attended by a gigantic crow even under severe political unrest that had already engulfed the whole valley in the mid of 2016. May

Almighty elevate his status in the heavens as He has dictated in the Qur'an, يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ۙ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ "Allah will raise those, in ranks, who have believed and given knowledge ('Ilm)" and bless us with his company in the hereafter as were blessed in this ephemeral world.Noble souls like our Qa'id seldom graces this ephemeral world and its residents and therefore, I would like to conclude this humble attempt of paying tribute to such a great personality with the following Urdu couplet:

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پے روتی ہے
بہت مدت سے ہوتا ہے چمن میں دیدہور پیدا

❖❖❖

*Mohammad Irfan Shah is a Doctoral Candidate in the Department of Islamic Studies, AMU, and Aligarh, India. Most of the subject matter in the article reflects his own observations and experiences or information sought from the primary resources (like persons attached) with the personality in limelight. He can be reached at: asadirfan11@gmail.com

Remembering; Syed Mohammad Ashraf Andrabi [r.a]

Zeeshan Rasool Khan*

In 2007, visibly an epitome of humility, an austere white bearded person appeared on the pulpit of Dargah Shareef Seer Hamdan. The person was introduced as Qaid-e-Ahle Sunnat Molana Mohammad Ashraf Andrabi (r.a) by renowned religious scholar Maulana Mushtaq Ah Khan. Though I was confident that Mushtaq Ah Khan's admiration could never be flattery, yet the title and the appearance of a person seemed mismatch .The term 'Qaid' (Leader) and his 'Puritanism' was intriguing. Mind wandered in bewilderness and Allama Iqbal's couplet came to my rescue;

Na pooch in khirka poshun ki , aqeedat hain tou dekh unko
Yed'e beyza liye beythey hain apnay aasteenun mein.

As he started speaking, reality started to unfold and let me realize that I am meeting a person who is evidence of Allama's 'banda e Moomin' with Naram dum guftugu; Gharm dum justuju.

Being a teenager, I could not comprehend his entire scholarly speech, but that was effective enough to warm my heart. His profound eloquence, held me spellbound. The impact that he left is evident from the fact that even after a decade, I remember his closing note. ' Har ki ishq'e Mustafa (saw) samaan'e ost ; Behar'o bar darr ghoshayey damaan'e ost '. Since then he has made a place in the heart and made me his admirer like thousands worldwide.

Allama Mohammad Ashraf Andrabi was one among few religious personalities of the valley who selflessly served the nation on social, political and especially on the religious front. Allama Andrabi was born in a Sayed family of the Andrabia Sufi Order in the home of Syed Mir Muhammad Amin Andrabi at Zadora of Pulwama District in 1926. Desiring to become advocate, Allama returned to his roots on the suggestion of his grandfather. As descendants of the Prophet Muhammad (Pbuh) the grandfather (Syed Ahmad Andrabi) advised his grandson to carry forward the mission of the family, i.e. to serve the deen of the beloved Prophet Muhammad (Pbuh). Allama thus joined religious seminary in Gujranwala, Pakistan (Where most of his relatives were residing). After that, Allama got

admission in Darul-uloom Deoband Lucknow and studied there under the guidance of Maulana Hussain Ahmad Madni.

After returning to the valley, Allama Andrabi started his career as a teacher in 1953 and at the same time appeared in religious congregations as a popular preacher. Meanwhile, Allama Andrabi worked in association with Syed Qasim Shah Bukhari as one of the leader of Anjuman Tableegul Islam for a long time. However, later he endeavored for reformation of the Ummah under the separate banner of "Dawat-e-Islami"— Urdu version of the World Islamic Mission, launched jointly by Allama Shah Ahmad Noorani of Pakistan and Allama Arshid-ul-Qadri of India as an international religious forum in 1973. The WIM, however; could not withstand the turmoil of 90's thus came to halt in Kashmir, but Allama Andrabi continued his mission fervidly. Nevertheless, it is pertinent to mention that unlike present self-centric scholars who engage in conflicts for name, fame, and publicity of their respective parties, the separate forums never mattered for Allama Bukhari & Allama Andrabi. It is on record, Allama Bukhari in his last days said; I'm seeing 'Allama Andrabi' as only the veteran scholar in the valley. Similarly, Allama Andrabi throughout

his life revered Allama Bukhari for his highness, both in presence and after departure of Allama Bukhari.

Allama Andrabi after retiring from government service completely devoted rest of his life to serve Islam. He went to every nook and corner of the valley to propagate religion. He never saddened inviters. In spite of extreme weakness, he participated in conferences, seminars, etc. until last with the only aim of disseminating knowledge and encouraging younger generation. Following Allama Qasim Shah Bukhari's vision who established institutes across the length and breadth of state and believed education as the foundation of a nation's progress, Allama Andrabi established first seminary 'Hamdania Mission School' in Budgam in 1990. In the same year, he introduced Dr. Tahir-ul-Qadri's Minhaj-ul-Quran, its prospectus, and revolutionary message and other great scholars of south-Asia in Jammu and Kashmir. The purpose of which was to enlighten the Muslims of Kashmir and improve their perspective with regard to religion. He altruistically continued to strive and finally in 1993 succeeded in laying the foundation of 'Darul-Uloom Shah'I Hamdan Pampore'. The latter is not only educational institute but a huge welfare center also.

It contributes tremendously to the welfare of common masses irrespective of caste, creed, and religion. Besides Darul-uloom Shah-e-Hamdan, and other institutes, which have provided many intellectuals, writers, and speakers to the society so far, Allama Andrabi established separate Dar-ul-uloom for girls in the year 2000 that is immensely contributing to the creation of a society of chaste people.

Giving the tongue to his great and constructive mind, Allama Andrabi employed his pen prolifically. He launched monthly magazine 'Al-Misbah' in 2004 as the official organ of Darul-Uloom Shah-I-Hamdan that serves as source of illumination. Moreover, his pamphlets on diverse issues are not less than an asset for the Ummah. His writings are not mediocre, but insightful and scholarly collections, which impart vast knowledge to the reader. Allama Andrabi had also been interested in poetry, but owing to his deep-rooted attachment and devotion to beloved Muhammad (Pbuh), he restricted poetry mainly to the glorification of the Prophet (Pbuh), under the pen name 'Aasim'. Also, apart from vocal rejection, he used his pen to decimate falsehood and nullified the erroneous belief that emerged from time to time. He

openly opposed and exposed blasphemers like Salman Rushdie, Tasleema Nasreen, and their ilk. Thus sabotaged anti-Islamic efforts and protected the people of the valley from anti-Islamic influence.

Some available records indicate he was affiliated with Muslim League before partition. Needless to say, Allama Andrabi was politically sagacious and was very much concerned about the political situation in Jammu and Kashmir. In addition to his speeches (which couldn't be recorded), his Urdu columns like, Kashmir –Janubi Asia Ka Palestine, Hind-Pak Taluqaat Aur Masalie Kashmir, Amaranth Shrine Board Ka Qazeiya Asbaab o Nataij etc. exist as proof of his Kashmir –centric political ideology.

Despite having a multitude of devotees and great repute among scholars across the sub-continent, Allama Andrabi led an ascetical life. He literally followed the way of hermit and not the fortune. Moreover, He never claimed to be a scholar. When anyone would use 'titles' for him in honor, he would bar him. And use to say 'I am a student not more than that' – The humbleness, which is brought about by true-knowledge.

On 9th August 2016, Allama Andrabi left for heavenly abode, leaving behind inspiring lessons for all. The versatile character has left footsteps for the

present scholars and scholars in the offing, which they need to follow to do justice to their responsibilities. For common masses also, his life history can serve as a beacon light to live a successful life.

Khudah Rehmat Kunad Een Aashiqaan'e Paak Teenat Raa.

(May Allah's blessings shower on his lovers with a noble soul?)

❖❖❖

Zeeshan Rasool Khan, hails from seer hamdan , writes on current socio-political issues and can be mailed at mohdzeeshan605@gmail.com.

Office of the Sajada Nasheen Dargah-i-Gousia Khanyar, Srinagar

A tribute to the late Maulana Syed Mohammad Ashraf Andrabi Qadri Naqsashbandi by office of the spiritual successor and supreme administrator and manager of the sacred shrine of the Hazrat-i-Sheikh Syed abdul Qadir Jeelani (May God's blessings be upon him), location in Khanyar Shareef Srinagar.

A real flower is noticeable just by its sweet scent. Hazrat-i-Maulana Syed Mohhammad Ashraf Andrabi Qadri and Naqshbandi, the spiritual leader of the people of sunnah (Ahli Sunnat), the founder of the Darul Uloom Shah-i-Hamdan Pampore (Sgr.) left this world recently.

How can I afford to offer my tribute to this man of principles, the servant of the shrine of Hazrat Abdul Qadir Jeelani at Khanyar which he served for about 50 years, Honourable late Maulana, under the spiritual influence of the ex-spiritual successor (Sajada Nasheen) and trustee (Mutwali) of the said saints mausoleum (shrine of Hazrat Abdul Qadir Jeelani), Hazrat Syed Mir Ghulam Hassan Geelani

always participated the annual scared festival of Hazrat-i-Peeran Peer (the spiritual Guide of Guides) for 40 years. On the said occasion the key sermons speech (Khutba) used to be delivered by Mir Syed Ghulam Hassan Geelani. His speech left indelible impact on the enhance deeply influencing their heart and soul. Moreover, invited by later spiritual successor to the mausoleum, he made a pride presence in the shrine in every sacred month of Ramdhan. Thousands of people gathered there to listen to his religious speech on the occasion. Late spiritual successor of the shrine held by Maulana into extreme reverence and honour and could among pray for his attendance at the shrine for acquirement of God's blessings. God bless his southul eternity. He really lived in deeds, not in years. Let Allah provide us a share from the spiritual flavor of His great servant.

By

Syed Khalid Hassan Geelani

RNI NO. JKURD/2004/12844

علامہ کی شخصیت ہمہ جہتی ہے۔ وہ گوناگوں صلاحیتوں کے مالک تھے۔ شاید قوم کی بدقسمتی کہ وہ گندم نما جَو فروشوں کی موجودگی میں ان جیسے علماء وفضلاء کی کما حقہ قدر نہ پہچان سکے اور نہ ہی فائدہ اٹھا سکے۔ یہ ہمارا قوی المیہ ہے ہم نے اپنے محسنوں کی قدر نہ جانی اور شریروں، دھوکہ بازوں اور استحصالی عناصر کی ریشہ دوانیوں کے ہر وقت شکار ہوئے اور نتیجہ ہمیشہ دین و دنیا کی پسماندگی، بدحالی اور مصائب و مشکلات کی صورت میں ہمارے سامنے ہے۔